روشن حقائق

(اور اختلافِ امت)



اگر ایک ایک شیعہ کتاب کو دریا برد کر
دیا جائے تب بھی اکابرین اہلسنت کی صحیح و
معتبر کتب سے شیعہ مذہب کے واحد
حق ہونے کو ثابت کر دیا گیا ہے،
کچھ نہیں تو خاموش عمارتیں، ویران
قبرستان اپنی زبان میں ان واقعات
کو بیان کر رہے ہیں !!!

شیعت کا انسائکلوپیڈیا

تالیف: سید ابن شہیدؒ

ناشر: مرکز مہدی 14 خورجہ بلند شہر انڈیا 0001412
www.shia-faqt.haq.org

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ھیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ھیں۔



منجانب۔

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدرآباد پاکستان





۷۸۶

۱۱۰-۹۲

یا صاحب الزماں ادرکنی

DvD Version

لبیک یا حسین

خصوصی تعاون: نذر عباس
رضوان رضوی

اسلامی کتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری۔

www.ziaraat.com

SABIL-E-SAKINA
Unit#8,
Latifabad Hyderabad
Sindh, Pakistan.
www.sabeelesakina.page.tl
sabeelesakina@gmail.com



روشن حقائق

(اور اختلافِ امت)

جلد ۱

تالیف: سید ابنِ شہیدؒ

ناشر مرکز مہدی 14 خورجہ بلند شہر انڈیا 0001412
www.shia-faqt.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ھدیہ عقیدت

بندہ گھنگار سید ابن شهید اپنی یه حقیر کاوش بارگاہِ رسالت مآب فخر موجودات ، سیّدِ کونین ، مالکِ ثقلین ، امام الانبیاء والمرسلین حضرت محمدؐ مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عید میلاد النّبیؐ کے مهینے میں نذرانه پیش کرتا ھے ۔

نیز یهی ھدیۂ عقیدت سرکار امام جعفر بن محمد الصادق علیه السلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر کرتا ھوں که امروز سعید ۱۷ ربیع الاوّل کو ان سرکار کا یومِ ولادت بھی منایا جاتا ھے ۔

اگر خاکسار کا یه ادنیٰ تحفه صادقینؑ کی بارگاہ میں قبول ھو جائے تو اس سے بڑھ کر کوئی عزّ و شرف نهیں ھے شاید کے صاحب العصر والزمان مهدی آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اجداد کی سفارش سے اپنے مکان پر ادنیٰ خادموں میں شامل فرمالیں اور میرے والدین کو آل عیلین میں جوارِ پنجتنؑ میں جگه عطاء فرمادیں جن کی تربیت سے آج میں نے یه ھدیه پیش کیا ھے۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

سید ابن شهیدؒ (ربیع النور ۱۴۲۵ھ)

وجہِ تالیف

حمدِ الٰہی اور درود وسلام کے بعد گزارش ہے کہ جب کسی قوم کے مخالفین اس کے افراد کو غافل پاتے ہیں تو ایسے سنہرے موقعہ کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اور غلبہ پانے کے لئے کوئی دقیقہ فرد گذاشت نہیں کرتے۔ مجھے یہ اقرار کرتے ہوئے ندامت بھی محسوس ہو رہی ہے اور افسوس بھی کہ وہ واحد قوم کے جنکا وارث موجود ہے اور حجاب غیبت سے سب ملاحظہ کر رہا ہے وہ قوم خواب خرگوش میں محو ہے اور دشمن چوکس و چوبند ہے کہ ہر سمت سے بھرپور وار کرتا چلا جا رہا ہے لیکن ملّت کی دِلّی ابھی دُور ہے اور شدّتِ جارحیت کے زلزلہ افگن حملے بھی اس قوم کے سہانے سپنے نہیں توڑ سکے۔ گذشتہ چند سالوں سے مسلسل ہمارے خلاف زہر افشانی ہو رہی ہے۔ اور قوم پر طاری نیند کے باعث معاندین خوب فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ قوم نے تقریری محاذ کی طرف توجہ دینے پر اکتفا کر لیا ہے لیکن تحریری سرحدیں خالی دیکھ کر دشمن کے لشکر غول در غول پیش قدمی کر رہے ہیں۔ ہم جیسے چند ناتجربہ کار سپاہی اس بارڈر کی دیکھ بھال کر رہے ہیں۔

اور غیبی امداد کے توکل پر پُر اعتماد ہیں کہ دشمن ہماری موجودگی میں ایک انچ بھی آگے نہ بڑھ سکے گا لیکن یہ امر مسلّمہ ہے کہ سپاہی جلد ہی تھک جایا کرتے ہیں اور اگر کمک رُک جائے تو دل

برداشتہ ہو جاتے ہیں لہٰذا قوموں کی ایسی غفلت یقیناً ان کے تنزل کا سبب بن جایا کرتی ہے۔ لہذا ہم نے صرف اور صرف کتب صحیح و معتبر اہلسنت سے شیعت کے واحد مذہب حق ہونے کو ثابت کر دیا ہے۔ لہذا اس کتاب کی وجہ تالیف نہ ہی کسی کے جذبات کو ٹھیس پہنچانا ہے اور نہ ہی کسی فریق مخالف پر تنقید کرنا مقصود ہے بلکہ اس کا سبب تالیف دفاعِ محض و آشکار حق ہے۔ میری قوم کی خاموشی و مصلحتی سکوت کو کمزوری سمجھتے ہوئے ایک صاحب جن کا اسم جناب یوسف لُدھیانوی صاحب تھا دو رسالے موسومہ "بولتے حقائق اور اختلافِ امت" تحریر کیئے اور میرے مسلک پر اعتراضات کیئے شیعہ قوم نے حسبِ لیاقت اس رسالہ کا جواب اگر چہ باز ہا دیا اور "عبقات الانوار ۳۰ جلد، البلاغ المبین ۲۰ جلد اور الغدیر" سے مدلل صورت میں پیش کیا جس کا جواب کوئی صاحب نہیں دے سکے۔ ان لُدھیانوی صاحب اور ان انکی جیسی فکر رکھنے والے دوسرے حضرات نے اب ہم پر مزید اعتراضات کیئے ہیں۔

اور اس اعتراضات نامہ کو "بولتے حقائق نامی کتاب میں شائع کیا ہے یہ کتاب مکتب لُدھیانوی بنوری ٹاؤن کراچی نے چھپوائی ہے لُدھیانوی صاحب نے دعویٰ کیا کہ ان اعتراضات کے مجموعہ کا مطالعہ طلباء اور علماء کے علمی ذوق کو اوجِ ترقی پر پہنچائے گا۔ لہذا بندہ طالب علم نے بھی ان کا مطالعہ بغور کیا لہٰذا شوق ہوا کہ پیدا شدہ علمی ذوق کی ترقی کی جھلکیاں پیشِ خدمت کردوں تا کہ قارئین بوقت ضرورت ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔ تحقیق و تفہیم کی خاطر میں نے ان کے سوالات کا جواب دینے کی جرأت کی ہے۔ اگر کوئی بھی غیر شیعہ صاحب ان سوالوں کا صحیح و تسلی بخش جواب دیں گے تو ان کی خدمت میں اعلان کردہ انعام مبلغ دس لاکھ روپیہ پیش کیا جائے گا۔ چونکہ یہ کتاب جواباً تحریر کی جا رہی

ہے لہٰذا قارئین سے گزارش ہے کہ اگر وہ بعض مقامات پرتحریر میں جذباتِ ایمانی کا غلبہ محسوس فرمائیں تو اس کو دین رگزر کرلیں کیونکہ بحث صفائی کے دوران ایسے مواقع کا پیدا ہو جانا ناگزیر امر ہے۔

البتہ میں کوشش کروں گا کہ طرزِ نگارش میں رواداری کا لحاظ قائم رکھوں اور کسی بھی فرد کی دل آزاری کا سبب نہ پیدا ہونے دوں لیکن آزادانہ صفائی کو بنظرِ حقارت دیکھنا اور اپنے خلاف ہر بات کو ناگوار خیال کرنا جُہلا کا شیوہ ہوتا ہے۔ اور جوابِ جاہلاں ہمارے پاس خاموشی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اگر آپ حق و باطل میں امتیاز کرنا پسند کرتے ہیں تو انشاءاللہ یہ کتاب اُفقِ تحقیقات میں روشن ستارہ اور فی الحقیقت "حق الحقیقت" ثابت ہوگی۔ لہٰذا کہتا ہوں اور توفیق منجانب اللہ سبحانہ ہے۔

﴿اگر دُنیا کی ساری شیعہ کتب دریا برد کردی جائیں تو بھی شیعہ مسلک کے واحد حق ہونے کو مخفی نہیں کیا جاسکتا﴾

اگر دُنیا کی ساری تاریخ کی کتابیں دریا بُرد ہو جائیں۔ اگر تمام کُتب اکبار و روایات کو جھوٹا سمجھا جائے۔ تب بھی جو باقی رہے گا اس سے اہلِ بیت ختم المرسلین کی مظلومیت اور حکام وقت کے ظلم و جور کی داستان بہت اچھی طرح مرتب ہوسکتی ہے کچھ نہیں تو خاموش عمارتیں، ویران قبرستان ہی اپنی زبان میں اس قصہ کو دہرائیں گے۔

اہلِ بصیرت کے لئے یہ کتنا عبرت آموز سبق ہے کہ قبر رسولؐ کے پاس انکے کسی خاندان والے کی قبر نہیں ہے ان کی پیاری بیٹی چھ مہینے کے اندر یہ دوہائی دیتی ہوئی دُنیا سے

جاتی ہے کہ میں تم دونوں کی شکایت اپنے باپ سے کروں گی۔ایک خاموش تنہا جنازہ رات کو علیؑ کے گھر سے نکلتا ہے اور مسلمانوں کے عام قبرستان میں رسولؐ کی پیاری بیٹی دفن کی جاتی ہے جس کی جدائی رسولؐ کو گوارا نہ تھی۔کسی مہم پر باہر جانا ہوتا تھا تو سب سے آخر خانہ فاطمہؑ پر اپنی بیٹی سے رخصت ہونے آتے تھے۔اور جب واپس تشریف لاتے تھے تو سب سے پہلے اپنی بیٹی کے پاس آتے تھے تو سب سے پہلے اپنی بیٹی سے ملتے تھے۔اس بیٹی کو اجازت نہیں ملتی کہ اپنے باپ کے پہلو میں دفن ہو۔

اگر ایک شیعہ کتاب کو
خورد برد کر دیا جائے تب
بھی اکابر اھلسنت کی
صحیح و معتبر کتب سے
شیعہ مذھب کے واحد حق
ہونے کو ثابت کر دیا گیاھے

الحمد الله هدانا لهذ و ما کنّا لنهتدی لولان هدنا الله

بے شک جو لوگ ہماری نازل کی ہوئی راہ بتانے والی روشن تعلیمات اور واضح ہدایت کو چھپاتے ہیں، باوجود اس کے کہ ہم انہیں سب انسانوں کی رہنمائی کیلئے اپنی کتاب میں بیان کر چکے ہیں، ایسے لوگوں پر اللہ بھی لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی ان

پرلعنت بھیجتے ہیں۔(سورۃ البقر(۲)........ ترجمہ آیت ۱۵۹)

(والسلام سید ابن شہیدؒ ربیع النور ۱۴۲۵ھ)

حصہ اول

کشفِ حقائق "الشیعت"

شیعت یعنی تابعین جو قرآن و سنت سے فقط حق ہے

شیعہ کا معنیٰ تابعین اور اُمّت اور محبّ اور لاا ئفہ یعنی گروہ کے ہیں۔ چنانچہ ہر ایک معنیٰ کا محل قرآن پاک سے مندرجہ ذیل ہے۔ **وَ اِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ه اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ه ۔ پ ۲۳ سورۃ الصافات ۸۳ ترجمہ:** اور تحقیق اس کے تابعین سے البتہ ابراہیم ہے جبکہ آیا اپنے رب کے پاس ساتھ دل سلامتی والے کے۔ دیکھیں ترجمہ شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ اہل سُنّت والجماعت کی معتبر تفسیر ابن کثیر جلد سوئم ص ۱۲ میں یوں مرقوم ہے۔ **عن ابن عبا س رضی اللہ عنہ وان شیعتہ لا براھیم یقول من اصل دینہ ۔** یعنی حضرت ابن عباس

فرماتے ہیں۔ کہ **ان من شیعتہ لابراھیم** کا معنیٰ یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ، حضرت نوحؑ کے اصلی دین سے تھے۔ **قال مجاھد وعلی منھا جہ وسنتہ۔** حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ، حضرت نوحؑ کی سنت اور ان کے طریقے پر تھے (ابن کثیر) پس ثابت ہو گیا کہ حضرت ابراہیم شیعہ تھے اور حضرت نوحؑ کے تابعین سے تھے اور چونکہ ہم کو حضرت ابراہیمؑ کی اطاعت اور تابعداری کا حکم ہے۔ پس ضروری ہے کہ ہم بھی مثل خلیل اللہ شیعہ کہلائیں۔ کیونکہ خدا فرماتا ہے۔ ق:۱۳۰ **وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ** (سورہ بقرہ)۔ **ترجمہ**: سوائے بیوقوف کے ملّت ابراہیمؑ سے کون منہ پھیرتا ہے۔ **قل بل ملت ابراھیم حنیفا وما کان من المشرکین** ۔پ البقرۃ۔

اہل سنت کی باطل کی سازش اور حق پوشی یہ ہے کہ شیعہ کو فرعون کا بنایا ہوا مذہب اور کفار کا گروہ بتلاتے ہیں۔ اور خدا تعالےٰ اپنے خلیل کو جو جدامجد انبیاءؑ ہے۔ شیعہِ نوحؑ فرماتا ہے۔ اور موسیٰؑ کلیم اللہ کے امتی کو شیعہ کہہ کر لفظ عدو یعنی دشمن کے لفظ سے مقابلہ کر کے محبّ کے معنے کا اظہار کرتا ہے۔ چنانچہ دیکھو پ۲۰ سورۂ قصص شیعہ معنیٰ محبّ ق:۱۵ **وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ** اور داخل ہوا شہر میں وقت غفلت کے۔ پس اس میں دو آدمی لڑتے پائے، یہ اس کے دوستوں سے

تھا۔اور یہ اس کے دشمنوں سے۔پس اس سے جو دوستوں سے تھا فریاد کی اوپر اس کے جو دشمنوں سے تھا۔دیکھو آیت ہذا میں صاف بلاتاویل شیعہ کا معنی محبّ اور عدوہ کا معنی دشمن ہے۔مگر باطل کوش اپنی کج روی سے یہاں بھی باز نہیں آئے۔رسالہ ہذا تفصیل کا محمل نہیں ہے ورنہ ہم اہل باطل کے باطل عذر لکھ کر ان کی پورے طور پر دھجیاں اُڑاتے۔کیونکہ قرآن کے حکم کے مطابق ابراہیمؑ شیعہ بھی ہیں اور مسلم بھی ہیں لہذا شیعہ ہی صرف مسلمان ہیں۔

جملہ انبیاء کی امتوں کو خدا نے شیعہ فرمایا

ق۔۶۹ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ۝ ق۔۷۰ ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ۝ (پ۱۶۔سورۂ مریم) پھر ہم اہر امت میں سے جدا کر دیں گے اس کو جو رحمٰن پر زیادہ اکڑتا تھا۔پھر ہم زیادہ جانتے ہیں اس کو جو جہنم میں داخل کرنے کے زیادہ لائق ہے۔

سبحان اللہ! معلوم ہوا ہر نبی کی امت کا نام شیعہ ہے۔اسی واسطے تمام امتوں کے گنہگار روزِ قیامت علیحدہ کیے جائیں گے۔چنانچہ خداوند تعالےٰ نے دوسرے مقام پر کُلِّ شیعۃٍ کا معنی کُل امتِ فرمایا ہے دیکھیے **وترائی کل امت جاثیہ** اور علامہ

ابن کثیر نے جلد سوئم صہ ۱۳۱ پر کل شیعۃٍ کی تفسیر بقول حضرت مجاہد من کل امتٍ فرمائی ہے اور بقول حجر قتادہ رضی اللہ عنہ **من کل اہل دین** دین یعنی تمام اہل ادیان سے گنہگار جدا کیے جائیں گے۔ جب تمام امتوں کو خدا نے شیعہ کہا ہے تو ہم خلاف قرآن کیوں اہل سنت اور اہل حدیث کہلائیں۔ کہاں ہیں شیعہ بمعنے گروہ کفار کہنے والے شرم کریں اور اپنے مصنوعی اور جعلی فرقوں کے نام قرآن سے دکھلائیں۔ بصورت دیگر اپنا نام شیعہ رکھائیں جیسا کہ ان کے بزرگ حضرت شاہ عبدالعزیز جیسے مذہب حقہ شیعہ خیر البریہ کے مقابل ہار کر مائیم شیعہ اولیٰ فرما گئے کہ اصلی اور پہلے شیعہ ہم ہی ہیں اور میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ اہل سنت والجماعت اہل حدیث اہل قرآن اہل فقہ۔ حنفی مالکی شافعی حنبلی چشتی قادری احمدی محمدی وہابی، بابی بھائی نیچری صوفی یہ ان کے مصنوعی نام قرآن پاک سے ہرگز ہرگز نہ ملیں گے۔ بلکہ ان کے مذہب اور نام خودساختہ ہیں اور باہر ہی رہیں گے۔

مسئلہ خلافت اور مذموم اعتراضات

لفظ شیعہ کی تحقیق کے بعد چونکہ مسئلہ خلافت بھی شیعہ اور سنی کا مابہ الامتیاز مسئلہ ہے۔ لہٰذا ہم اس کے اندر اختصاراً شیعہ خیر البریہّ کے براہین قاطعہ اور دلائل قویہّ اور اہل سنت کے تاویلاتِ باطل دکھاتے ہیں تاکہ حق پسندوں کو باطل پرستوں کا پوچ اور ہذیان نظر آئے۔

نبی اور خلیفہ بنانا خدا کا کام ہے
مگر اہلسنت خود بنا لیتے ہیں

یعنی جانشین اللہ و نبیؐ کے بنائینگے آپ؟؟

ق ۳۰ وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی
الْاَرْضِ خَلِیْفَةً قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا
وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ
لَکَ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ٥

(پ ا۔ ع ۳۔ بقرہ)۔ اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ
میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں تو انہوں نے کہا کہ ایسے شخص کو کیوں
پیدا کرتا ہے جو زمین میں فساد کرے اور خون بہائے ہم تیری تسبیح
اور پاکیزگی بیان کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جو میں جانتا ہوں
تم نہیں جانتے۔

اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے فرمایا، میں دنیا میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں
دیکھئے فرمایا کہ میں بنانے والا ہوں۔ فرشتوں کا اجماع نص کے مقابلہ میں کچھ کام نہ آیا۔

ق ۲۴۶ اَلَمْ تَرَ اِلَی الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ
بَعْدِ مُوْسٰی ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِکًا نُّقَاتِلْ

فِی سَبِیْلِ اللّٰهِ قَالَ هَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ کُتِبَ عَلَیْکُمُ
الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ۝ ق-۲۴۷ وَ قَالَ لَهُمْ نَبِیُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ
قَدْ بَعَثَ لَکُمْ طَالُوْتَ مَلِکًا قَالُوْا اَنّٰی یَکُوْنُ لَهُ
الْمُلْکُ عَلَیْنَا وَ نَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْکِ مِنْهُ وَ لَمْ یُؤْتَ
سَعَةً مِّنَ الْمَالِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَیْکُمْ وَزَادَهٗ
بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَ اللّٰهُ یُؤْتِیْ مُلْکَهٗ مَنْ یَّشَآءُ
وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝

ترجمہ: کیا تو نے نہیں دیکھا طرف سرداروں بنی اسرائیل کے بعد موسیٰ کے جب انہوں نے اپنے نبی سے کہا۔ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر۔ ہم اللہ کے راستے میں لڑائی کریں اوران کے نبی نے فرمایا ان کو کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ بنایا ہے۔ کہا انہوں نے ہم پر اس کی بادشاہی کہاں ہوسکتی ہے ہم اس سے بادشاہی کے زیادہ حقدار ہیں۔ کیونکہ وہ مال کی زیادتی نہیں دیا گیا۔ نبی نے فرمایا: اس کو اللہ تعالیٰ نے تم پر برگزیدہ اور پسند کیا ہے اوراس کو علم اور جسم کی زیادتی عطا فرمائی ہے۔

﴿تشریح﴾

دیکھیں بعد موسیٰ علیہ السلام کے تمام بنی اسرائیل نے نبیِّ وقت سے درخواست کی ہے کہ خلیفہ اور امیر مقرر کرے اور نبیؑ نے بھی خود نہیں کہا بلکہ فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے تم پر طالوت کو بادشاہ بنایا ہے۔ مگر یہاں کیا ہوا۔ نہ قرآن پاک کی پرواہ رہی نہ فرمان پیغمبر یاد رہا۔ آیت عشیرہ کو چھوڑا اور حدیث غدیر کے معنے بدلے اور حدیث منزلت کی تاویل کی۔ فضائل مرتضوی فراموش کیے۔ پیغمبر خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام ابھی بستر علالت پر جلوہ افروز ہیں کہ اصحاب نے شوخ چشمیاں شروع کر دیں۔ حضورؐ کی خبر وفات ابھی مشہور نہیں ہوئی کہ اصحاب سقیفہ بنی سائدہ میں پہنچے کہ آج علیؑ مشغول تجہیز و تکفین ہیں ان کی غیر حاضری میں خلیفہ مقرر کرنے کا اچھا موقعہ ہے۔

الغرض: مل ملا کر حضرت ابوبکر پنچائتی خلیفہ مقرر ہو گئے اور خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر فرمودہ خلیفہ علی المرتضےٰ کو قتل کی دھمکیاں شروع ہوئیں۔ جناب بی بی پاک کے دروازۂ اقدس کے سامنے کھڑے ہو کر لوگوں نے آگ لگانے کے خوف دلائے۔ چونکہ یہ تمام مضامین اہل سنت والجماعت کی کتابوں میں موجود ہیں۔ لہٰذا میں مصنوعی اور پنچائتی خلیفوں سے بیزار ہو کر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے خلیفے اور جانشین کو جن کی نسبت غدیر خم پر **من کنت مولاہٗ فعلی مولاہ** کا اعلان ہو چکا ہے (مشکوٰۃ شریف باب مناقب علی) اپنا امام من بعد رسولؐ پاک سمجھتا ہوں اور خدائے تعالےٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ مجھے اللہ تعالیٰ روزِ قیامت شیعیانِ علی علیہ السلام میں اٹھائے۔

تمّت بالخیر اللھم صلی علی محمدٍ و آل محمدٍ و عجل فرجھم

لغت میں لفظ شیعہ کے معنی اتباع اور

پیروی کرنے والے کے ہیں﴾

اس لئے قرآن میں حضرت ابراہیمؑ کو حضرت نوحؑ کا شیعہ کہا گیا ہے جیسا کہ فرمان خداوندی ہے، وَ اِنَّ مِنْ شِیْعَتِہٖ لَاِبْرٰھِیْمَ ہ۔ (سورۃ الصفت/ ۸۳) یقیناً نوح کے پیروکاروں میں سے ابراہیم تھے۔

عُرفی محاورات میں کسی شخص کے دوستوں اور پیروکاروں کو شیعہ کہا جاتا ہے (شیعۃ الرجل اتباع والصارہ)۔ شیعہ کسی شخص کے پیروکاروں اور مددگاروں کو کہا جاتا ہے۔ اس لفظ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا اطلاق مفرد اور جمع دونوں پر ہوتا ہے یعنی ایک شخص ہو یا دس افراد انہیں شیعہ ہی کہا جاتا ہے۔ تشیع یعنی کسی شخص (منزلت و) مقام کی پیروی کرنے کو کہا جاتا ہے۔ لیکن متکلمین، اور فقہاء اور مورخین کی اصطلاح میں شیعہ اسے کہا جاتا ہے جو حضرت علیؑ اور ان کی اولاد سے محبت رکھے اور انہیں امت کا سیاسی اور علمی رہنما سمجھے اور مسئلہ خلافت کے لئے نفسِ پیغمبر کے حق کا عقیدہ رکھتا ہو اور خلافت کو انتخابی اور شورائی مسئلہ نہ سمجھتا ہوں پس قرآن حکیم نے حضرت ابراہمؑ کو شیعہ اور اول مسلم فرمایا اور ایک اور آیت میں ان سے منکران کو احمق کہا ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ یہی اصلی تشیع کا جزوِ اعظم اور اس کی روح ہے۔ جب کہ دوسرے اختلافی اور فقہی مسائل تشیع کے دائرے سے باہر ہیں کیونکہ عین ممکن ہے کہ تمام فرقے ان مسائل میں متفق ہوں یا مختلف نظریات رکھتے ہوں۔ شیعہ بھی اس قاعدے سے خارج نہیں ہیں بہت سے مسائل میں وہ تمام دنیا کے مسلمانوں کے ہم عقیدہ ہیں۔

اختلافی مسائل میں بھی شیعہ منفرد نہیں ہیں اگر وہ ایک مسئلہ میں کسی گروہ کے مخالف ہیں تو کسی دوسرے مسلمان فرقے سے کاملاً متفق ہیں چنانچہ "خلافیات" کے عنوان پر لکھی گئی کتابوں کے مطالعے سے یہ مطلب اچھی طرح واضح ہوجاتا ہے۔ (شیخ طوسی کی کتاب خلافت کی طرف رجوع فرمائیں) شیعہ دنیائے اسلام کا بہت بڑا فرقہ ہے جس کی ابتدا عہد نبوت میں ہوئی تھی اور اس نے پیروکار پیدا کیے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی رحلت کے بعد تدریجی طور پر اس کی نشوونما ہوتی رہی چنانچہ تشیع نے اسلام کے عظیم تمدن کو منظر عام پر لانے میں اہم کردار ادا کیا اور مدینت کے تمام مراحل میں تشیع نے قائدانہ کردار ادا کیا۔

اس باب میں ہم تین سوالات کے جواب دیں گے جن میں سے پہلا سوال انتہائی اہم ہے۔

﴿کیا شیعہ عبداللہ بن سباح یہودی کے پیروکار ہیں؟؟﴾

اس طرح کے سوالات عام طور پر علم الکلام کے ایسے مکاتب فکر اور ایسے مذہبی فرقوں کے متعلق کیے جاتے ہیں جو رسول اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد وجود میں آئے ہوں۔ مثلاً یہ کہا جاتا ہے کہ مذہب الشعری کب اور کیوں وجود میں آیا؟ اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ مذہب اشعری علم الکلام کے ایک مکتب فکر نے چوتھی صدی ہجری کے شروع میں جنم لیا تھا۔ اس کے مقابل مذہب معتزلہ ہے وہ بھی علم الکلام کا ایک مکتبِ فکر ہے جس کا بانی حسن بصری (المتوفی ۱۱۰ھ) کا شاگرد اصل بن عطاء (۸۰۔۱۳۰) تھا۔ اس طرح کے مکاتب فکری کی پیدائش کی تاریخ کو متعین کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح کا سوال فقہی مذاہب کے متعلق بھی کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً مذہب حنفی کو ابوحنیفہ (۸۰۔۱۵۰) نے متعارف

کرایا تھا اور مذہب شافعی کی اساس محمد بن ادریس شافعی (۱۵۰۔۲۰۴ھ) نے رکھی تھی۔ اس طرح سے باقی فقہی مذاہب کی تاریخ پیدائش مشخص ہے۔ یاد رہے!!!!! ہمارا امامؑ تو وہ ہے جسے کے گھر میں رسولؐ اعظم نے پرورش پائی اور ہمارے امام نے رسولؐ اعظم کے ہاتھوں پر پرورش پائی ہے۔

اگر تشیع کلامی اور فقہی مذہب نہیں ہے جس نے اسلام اور رسول ﷺ اسلام کے بعد جنم لیا ہو کہ ہم اس کی پیدائش کے متعلق درج بالا سوال کر سکتے ہوں۔ تشیع کی تاریخ اسلام کی تاریخ کے ساتھ ہے اور حقیقت میں تشیع اس اسلام کا دوسرا نام ہے جسے رسول خدا ﷺ نے پیش کیا تھا اور اس اسلام کی تعلیمات میں ایک بات یہ بھی شامل تھی کہ انسانی رہبری اور امامت کا سلسلہ ان افراد کے ذریعے سے جاری رہے گا جنہیں خدا نے اس کام کے لئے مقرر کیا اور پیغمبر اکرم ﷺ نے ان کا تعارف کرایا ہے۔ یہ بنیادی اصول اسلام کی بقا کی ضمانت فراہم کرتا ہے اور حقیقت تشیع کو تشکیل دیتا ہے۔ رسول خداؐ نے اپنے عہد مبارک میں اس کا اعلان کیا تھا اور صحابہ کے ایک گروہ نے اسے قبول کیا تھا اور وہ لوگ رحلت پیغمبر کے بعد بھی اس عہد پر باقی رہے تھے۔ چنانچہ رسول خدا ﷺ کے یہ صحابہ زمانہ پیغمبر اور رحلت پیغمبر کے بعد ابتدائی شیعہ تھے۔ اس کے برعکس ایک گروہ نے اس قاعدے کو نظر انداز کیا اور غیر مخصوص رہبری کا عقیدہ اختیار کیا۔ تشیع کا یہ مفہوم اسلامی تاریخ کا ایک حصہ اور آئین اسلام کے واقفیت کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔ یعنی خدا کی طرف سے رہبری و امام کی تعین تعلیماتِ اسلام کا ایک جز تھی اور حیات رسولؐ میں اس کا اعلان کیا گیا تھا۔

﴿ہادی کے انتخاب کے لئے عقلی تقاضے﴾

احادیث و تاریخ کی ورق گردانی سے قبل ہم گفتگو کرنا چاہتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ کے

بعد حکومت اسلامی کی باگ ڈور کس کے ذمہ ہونی چاہیے؟ دیکھنا یہ ہے کہ پیغمبر اسلام نے دینی قیادت اسلامی ملک کے معاملات چلانے کے لئے کسی فرد کو معین کیا تھا یا یہ کہ آپؐ نے یہ کام مہاجرین و انصار کی صوابدید پر چھوڑ کر داعی اجل کو لبیک کہا تھا؟ اجتماعی مطالعہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے قیادت کے لئے ایک مرد کو معین کیا تھا آپؐ نے حکمِ خداوندی کو انتخابِ امت پر ترجیح دی تھی۔ کیونکہ آنحضرت کی رحلت کے وقت تین مضبوط اور انتہائی طاقتور دشمن اسلامی معاشرے کو چیلنج کر رہے تھے۔ مشرق کی طرف سے آتش پرست مجوسی (اسلامی ریاست کے لئے خطرہ تھے اور) مغرب کی طرف سے عیسائی (اسلام و مسلمین کے لئے شدید خطرہ تھے) اور اندرونی طور پر منافق تھے جن کے پاس اچھے خاصے وسائل موجود تھے۔ منافقین کے وجود پر قرآن کریم کی وہ آیات دلالت کرتی ہیں جو مختلف سورتوں میں ان کے متعلق نازل ہوئی تھیں۔

چنانچہ ان حالات میں اسلامی معاشرے کی مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ رسول اللہؐ ایک صاحبِ قدرت، صاحب اور زاہد و پارسا شخص کو امت کی قیادت کے لئے مقرر کریں تاکہ آپ کی وفات کے بعد مذکورہ چیلنجوں سے نمٹا جاسکے، تمام قوتیں اس کی زیر قیادت اسلام کی حفاظت کے لئے یکجا ہوسکیں اور خطرات کی اس تکون سے نبرد آزما ہوسکیں۔ اگر آنحضرت اس مسئلہ کو نظر انداز کر دیتے اور قیادت و رہبری کو امت کی صوابدید پر چھوڑ دیتے تو مذکورہ مشکلات کے ساتھ ایک اور مشکل کا بھی اضافہ ہوجاتا اور وہ مشکل مسلمانوں میں اختلاف کی صورت میں نمودار ہوسکتی تھی جس سے داخلی جنگ کے امکان کو بھی رد نہیں کیا جاسکتا تھا۔ چنانچہ مذکورہ تاریخی حقائق پر توجہ دینے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انتخاب پر انتصاب کو اولیت حاصل تھی۔ باالفاظ دیگر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حکومت سازی کے متعلق دو ہی نظریات کارفرما ہیں ایک نظریہ نص و انتصاب کا ہے اور دوسرا نظریہ یہ انتخاب کا ہے اور وہ بھی مہاجرین و انصار

کے توسط سے۔

﴿اس مسئلہ کے لئے ہم پیغمبر اکرم کے موقف کا قریب سے جائزہ لیتے ہیں کیونکہ یہ مسئلہ تین مفروضوں سے باہر نہیں ہے﴾

ا۔پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد حکومت سازی کے لئے کچھ نہیں کہا تھا۔

۲۔آنحضرتؐ نے طرز حکومت کے لئے اپنے موقف کا اظہار کیا تھا اور اسے شوریٰ کے سپرد کر کے چلے گئے تھے۔

۳۔اپنے تربیت یافتہ افراد میں سے کسی لائق فرد کا رہبری کے لئے انتخاب کیا تھا۔

چونکہ دین کامل ہے اور اسے روز قیامت تک جاری رہنا ہے لہذا پہلا مفروضہ اکمال دین اور استمرارِ دین کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ہے۔کیونکہ اسلام انفرادی آئین نہیں ہے اور اس کی تعلیمات شخصی عبادت اور انفرادی دعاؤں تک محدود نہیں ہیں اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو انسان کو ہر طرح کی قانون سازی سے بے نیاز کرتا ہے اور روزِ قیامت تک انسانی ضروریات کی کفالت کرتا ہے۔ایسے جامع دین کا لانے والا مسائل حکومت سے خاموش اور لاتعلق نہیں رہ سکتا کہ اس بارے میں بولنے سے حیا کریں کیونکہ بقائے دین اس سے وابستہ ہے۔جب کہ دوسرا مفروضہ کچھ حد تک قابل قبول ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسائل حکومت سے لاتعلق نہ تھے۔لیکن اگر آپؐ نے حکومت بنانے کا کام شوریٰ کی بنیاد پر چھوڑ دیا ہوتا تو چاہیے تھا کہ آپ اپنے ارشادات میں اس طرف اشارہ فرماتے اور شوریٰ کے شرائط وضوابط کو باریکی سے

بیان فرماتے اور اپنی حیاتِ ظاہری کے دوران مسلمانوں کو تعلیم کے لئے اس سلسلے میں کوئی عملی اقدام کرتے کہ آپؐ کے بعد مسلمان کسی حیرت و سرگردانی میں مبتلا نہ ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلمات مبارکہ اور احادیث نبوی اور تاریخ پیغمبر میں شورائی نظام حکومت کے لئے کوئی بھی نصِ صریح کہیں دکھائی نہیں دیتی۔ حد تو یہ ہے کہ خلیفہ اول کے بعد تعیینِ خلافت شورائی بنیاد پر نہ ہوئی بلکہ پچھلے خلیفہ کی نامزدگی پر ہی ایک شخص زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیتا تھا۔ اسلام میں حکومت کوئی معمول کی بات نہیں ہے جو صرف "**وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ**" (سورۃ الشوریٰ/۳۸) کے ایک جملہ پر ختم ہو جائے۔ بلکہ اس میں بہت سے احکام و امور شامل ہیں جن کے جزئیات و شرائط کی وضاحت کے لئے پیغمبر اکرمؐ کی خصوصی توجہ کی ضرورت تھی۔ تیسرا مفروضہ سابقہ دو مفروضوں سے کہیں زیادہ قابلِ قبول ہے اور اتفاق یہ ہے کہ رسول مقبولؐ کی احادیث اور حیات رسولؐ کی تاریخ سے یہی نظریہ ثابت ہوتا ہے۔ اس اجمالی تجزیہ کے بعد اب ہم حدیث و تاریخ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

﴿اعتراض کیا احادیث رسولؐ میں شیعوں کا تذکرہ ہے؟؟﴾

حضرت رسولؐ کی حیات طیبہ میں ہی علیؑ کے پیروکاروں کو لفظ شیعہ سے یاد کرنے کا آغاز ہوا تھا۔ اور بہت سی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ کے پیروکاروں کو لفظ شیعہ سے یاد کیا تھا چنانچہ محدثین و مفسرین لکھتے ہیں کہ جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔

4.8 اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ ط ہ (سورۃ البینہ/۷) ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے وہ بہترین لوگ ہیں۔ تو رسول اکرمؐ نے حضرت علیؑ کی طرف رخ کر کے فرمایا:

"ھو انت و شیعتک یوم القیامۃ راضین مرضیین"

یعنی تو اور تیرے شیعوں سے قیامت کے روز خدا راضی ہوگا اور وہ خدا سے راضی ہونگے۔

ایک اور حدیث میں آنحضرت نے فرمایا:

"انت و شیعتک وموعدی وموعدکم الحوض اذاجاءَتِ الاُمم للحساب تُدعون غُراً مُحجلین"

علی! تم اور تمہارے شیعہ اور میری اور تمہاری وعدہ گاہ قیامت کے دن حوض کوثر کے پاس ہے۔ جب امتیں حساب کے لئے پیش ہوں گی تو تم لوگوں کو اس حالت میں بلایا جائے گا کہ تمہارے چہروں اور پیشانیوں سے نور چمک رہا ہوگا۔

اس آیت سے مربوط روایات تفسیر کی مختلف کتابوں میں موجود ہیں جن میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ رسول اکرم نے حضرت علیؑ کی پیروکاروں کو شیعہ کے نام سے یاد کیا تھا۔ بطور نمونہ حسب ذیل

کتابوں کی طرف رجوع فرمائیں۔(درمنشور جلد ۶ ص ۵۸۹، الصواعق المحرقہ ص ۱۶۱۔نہایہ ابن اثیر مادہ "قمح" جلد ۴ ص ۱۱۰۔مناقب ابن المغازلی ص ۲۹۳۔اور دیگر کتب واضح ہے کہ سیوطی نے درمنشور میں ان احادیث کو تفسیر طبری اور تاریخ ابن عساکر سے نقل کیا ہے۔) اس سے معلوم ہوتا ہے پیروان علیؑ کو رسول اکرم ﷺ نے اپنی زبان پاک سے لفظ شیعہ لقب دیا تھا۔ان روایات سے پیغمبر اکرم ﷺ کے بعد حکومت سازی کی تعین کا بھی پتا چلتا ہے۔

آپ نے اعتراض کیا،

کہ امامت ہمزاد رسالت ہے؟؟

اس حقیقت میں کوئی شک نہیں ہے مقامِ امامت مقام نبوت سے علیحدہ ہے۔ نبی وحی کو حاصل کرتا ہے اور دین کی بنیاد رکھنے والا ہوتا ہے جب کہ امام نہ تو وحی لینے والا ہوتا ہے اور نہ ہی دین کی بنیاد رکھنے والا ہوتا ہے۔ بلکہ ایک بیانِ احکام اور ان کے نفاذ کے لئے جو رسول ﷺ پر ذمہ داریاں ہوتی ہیں ان کے بعد وہی ذمہ داریاں ائمہؑ پر ہوتی ہیں۔ امام احکام اسلام اور عقائد اسلامی کے بیان کے لئے مرجع کی حیثیت رکھتا ہے اور امورِ مملکت کا مدیر ہوتا ہے۔ روایات کے بموجب جب پیغمبر اکرمؐ نے بنی ہاشم کے سامنے اپنی نبوت کا اعلان کیا تو اسی دن آپ نے حضرت علیؑ کی جانشینی اور رہبری کا بھی اعلان کیا تھا۔ نبوت اور امامت کے بیک وقت اعلان سے معلوم ہوتا ہے کہ نبوت اور امامت ہمزاد ہیں اور یہ دونوں عُہدے خدا کی طرف سے وحی الٰہی کے تحت ملا کرتے ہیں۔ یہ مسئلہ کتاب تاریخ میں یوں بیان کیا گیا ہے:

رسول اکرم ﷺ نے تین برس تک خفیہ دعوت دی پھر اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر "ۃ۔۲۱۴ وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ ہ" (سورۃ الشعرآء ۲۱۴) (آپؐ اپنے قرابت داروں کو عذاب الٰہی سے ڈرائیں) کی آیت مجیدہ نازل فرمائی۔ آپؐ نے چالیس افراد کو دعوت دی جو سب بنی ہاشم کے اہم افراد تھے۔ آپؐ نے سب کو کھانا کھلایا۔ پھر آنحضرتؐ نے اپنی گفتگو کا یوں آغاز کیا: "آج تک کوئی شخص اپنے خاندان کے لئے اس سے بہتر نہیں لایا جو میں تمہارے لئے لایا ہوں۔ میں تمہارے لئے دنیا و آخرت کی بھلائی لایا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں خدا کی توحید و یکانگت اور اپنی رسالت کی دعوت دوں۔ تم میں سے کون ہے جو اس راہ میں میری مدد کرے وہ میرا بھائی وصی اور تمہارے درمیان میرا جانشین ہوگا"۔ آپؐ نے یہ جملہ فرما کر کچھ دیر انتظار کیا تاکہ دیکھیں کہ آپؐ کی دعوت پر کون لبیک کہتا ہے۔ اس وقت پوری محفل پر سناٹا چھا گیا تمام حاضرین کے سر جھکے ہوئے تھے اور سب گہری فکر میں ڈوبے ہوئے تھے۔

اس مجمع میں اچانک حضرت علیؑ اٹھے۔ اس وقت آپ کی عمر پندرہ برس سے زیادہ نہ تھی انہوں نے خاموشی کو توڑا اور رسول اکرم ﷺ کی طرف منہ کر کے کہا: "یارسول اللہ ﷺ میں اس کام میں آپ کی مدد کروں گا" پھر حضرت علیؑ نے اپنا ہاتھ آنحضرتؐ کی طرف دراز کیا تاکہ آپ سے فداکاری کا عہد کریں اس موقع پر آنحضرت نے علیؑ کو بیٹھ جانے کا حکم دیا۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے اپنی گفتگو کو دہرایا۔ پھر علیؑ اٹھے اور اپنی آمادگی کا اعلان کیا۔ اس بار بھی رسول اکرم ﷺ نے آپ کو بیٹھنے کا حکم دیا۔ پھر آپ نے تیسری بار اپنی پیش کش کا اعادہ کیا لیکن اس بار بھی حضرت علیؑ کے علاوہ کوئی کھڑا نہ ہوا۔ تب آنحضرتؐ نے علیؑ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ مار کر بزرگان بن ہاشم کے اجتماع میں یہ تاریخی جملے ارشاد فرمائے: "ان ھذا اخی و وصیی وخلیفتی فیکم فاسمعوا لہ واطیعوا"

(ملاحظہ فرمائیں: تاریخ طبری جلد۲ ص ۳۱۹۔۳۲۱ مطبوعہ دارلمعارف مصر، تاریخ کامل ابن اثیر جلد۲ ص ۶۲۔۳۶۔ طبع دار صادر بیروت۔ سیرت حلبی جلد۱۷ ص ۳۱۱۔ مطبوعہ البھیۃ، مصر۔ تاریخ ابن عسکر جلد اول ص ۶۵۔ حدیث ۱۳۹۔ ۱۴۰۔ ۱۴۱ طبع بیروت۔ تفسیر خازن، علاء الدین شافعی جلد۳ ص ۳۷۱ طبع مصر کے علاوہ اور بہت سی کتب۔

ترجمہ: بے شک یہ میرا بھائی اور میرا وصی اور تمہارے درمیان میرا جانشین ہے اس کے فرمان کو سنو اور اطاعت کرو۔ تاریخ تشیع کی روشنی میں یہ حدیث امامت کے ہمزاد نبوت ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ یہ صرف ایک موقع نہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد مسلمانوں کی رہبری کے لئے اپنا جانشین مقرر کیا ہو۔ اس کے علاوہ بھی آنحضرتؐ نے کئی مواقع پر اس امر کی وضاحت کی تھی۔ جس کے متعلق ہم یہاں سرسری اشارہ کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

﴿آنحضرتؐ کی نظر میں امام علیؑ اور انکے شیعان:﴾

حدیثِ منزلت مشہور احادیث میں سے ہے اس حدیث کو تمام محدثین و مورخین نے نقل کیا ہے۔ اس حدیث کا پس منظر یہ ہے: جب حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رومیوں سے جنگ کے لئے تبوک کا رُخ کیا تو حضرت علیؑ کو ہمراہ نہیں لے گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مدینہ میں منافقین کی فتنہ انگیزی کا مقابلہ کرنے کے لئے آپ کا وجود ضروری تھا۔ منافقین نے افواہ اڑائی اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علی ابن ابی طالب کے تعلقات آپس میں کشیدہ ہو چکے ہیں اسی لئے وہ انہیں اپنے ساتھ لے کر نہیں گئے۔ حضرت علیؑ نے خود کو لشکر اسلام تک پہنچایا اور (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا اس افواہ

کے بارے میں بتلایا۔ جواب میں حضرت رسول مقبولؐ نے فرمایا:

کذبوا ولکنی خلفتک لماترکت ورائی، فارجع واخلُف فی اھلی واھلک افلاترضی یا علی ان تکُون منی بمنزلة هارُون من مُوسیٰ الا انهُ لانبی بعدی۔ (صحیح بخاری/غزوہ تبوک، جلد۶ ص۳ سال طباعت ۱۳۱۴ھ۔ صحیح مسلم باب فضائل علی جلد۷ ص۲۰۔ سنن ابن ماجہ، (باب فضائل اصحاب پیغمبر) جلد اول ص ۵۵۔ سیرت ابن ہشام جلد۲ ص ۵۱۹۔۵۲۰)۔ انہوں نے جھوٹ کہا ہے میں نے تمہیں اپنے گھر اور خانوادہ کی حفاظت کے لئے اپنا جانشین مقرر کیا ہے۔ لوٹ جاؤ اور میرے اور اپنے خانوادہ میں میرے جانشین بن جاؤ۔ کیا تمہیں یہ پسند نہیں ہے کہ تمہیں مجھ سے وہی نسبت حاصل ہو جو کہ ہارون کو موسیٰ سے حاصل تھی۔ البتہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت علیؑ حضرت ہارون کی طرح تمام صلاحیتوں اور اختیارات کے حامل تھے سوائے منصب نبوت کے۔ حضرت ہارونؑ کا منصب حضرت موسیٰؑ کی وزارت تھا اور اسی منصب کے لئے حضرت موسیٰؑ نے دعا مانگی تھی:

ق۔۲۹ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَھْلِیْ ہ ق۔۳۰ ھٰرُوْنَ اَخِیْ ہ

اور میرے لئے میرے خاندان میں سے میرے بھائی ہارون کو وزیر بنا (سورہ طٰہٰ)

رسول خداؐ کی طرف سے منصب نبوت کے استثناء سے یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ حضرت ہارونؑ کی تمام مسئولیت کے حضرت علیؑ حامل تھے۔ یہ جانشینی صرف غزوہ تبوک تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ غزوہ تبوک اس کے مصادیق میں سے ایک مصداق ہے۔ اگر اس سے صرف غزوہ تبوک کے ایام میں جانشینی مقصود ہوتی تو اس کلی ضابطہ اور استثنائے نبوت کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

حدیث غدیر کیا ھے؟؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت علیؑ کی امامت، قیادت و رہبری پر بہت سی احادیث دلالت کرتی ہیں۔ البتہ ہم اس بحث کے لئے صرف تین احادیث پر اکتفا کرتے ہیں۔ آغاز رسالت میں پہلی حدیث "یوم الدار"، حدیث منزلت دورانِ رسالت اور حدیث غدیر، رسول اللہؐ کی عمر شریف کے آخری حصے میں۔ (اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ) حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۰ھ میں دس ہزار مسلمانوں کو لے کر فریضہ حج انجام دینے اور انہیں اس کے مناسک کی تعلیم دینے کے لئے روانہ ہوئے۔ آپؐ نے روزِ عرفہ اور منیٰ میں جامع خطبات ارشاد فرمائے۔ مناسک حج کی ادائیگی کے بعد آپؐ نے مکہ چھوڑا اور جب آپؐ پانی کے ایک چشمہ کے قریب پہنچے جسے "غدیر خم" کہا جاتا تھا، اس وقت امینِ وحی تشریف لائے اور آپ کو وہاں ٹھہرنے کا حکم ملا۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر یہ فرمان نازل فرمایا:

یاایُھا الرسول بلغ ما انزل الیک من رب وان لم تفعل فما بلغت رسالته والله یعصمک من الناس (سورۃ المائدہ/۶۷)

ترجمہ: اے رسول! جو کچھ آپؐ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے اسے لوگوں تک پہنچا دیں۔ اور اگر آپؐ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے خدا کی رسالت کی تبلیغ ہی نہیں کی اور اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔

چنانچہ اس حکم کے بعد پورے بیابان میں اذان کی آواز گونجی پھر آپؐ نے یہ خطبہ فرمایا:

"تمام تعریفیں خدا کے لئے ہیں، ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اسی سے مدد طلب کرتے ہیں اور اسی پر توکل کرتے ہیں اور ہم خدا سے اپنے نفوس کے شر اور اپنے اعمال کی برائیوں سے پناہ طلب کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ گمراہوں کو راستہ دکھانے والا کوئی نہیں ہے۔ خدا جسے ہدایت کر دے تو اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ محمدؐ اس کا بندہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ ہے۔ لوگو! وہ وقت قریب ہے جب میں دعوتِ حق پر لبیک کہوں گا اور تمہارے درمیان سے چلا جاؤں گا۔ مجھ سے بھی پوچھا جائے گا اور تم سے بھی پوچھا جائے گا۔ لوگو! جس کا میں مولا اور رہبر ہوں اس کا علیؑ بھی مولا اور رہبر ہے۔ (من کنت مولا فعلی مولاہ) رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے اس آخری جملے کو تین بار دہرایا اور پھر آپ نے فرمایا: خدایا! جو علیؑ سے دوستی رکھے تو بھی اس سے دوستی رکھ اور جو علیؑ سے دشمنی رکھے تو بھی اس سے دشمنی رکھ۔ جو اس کی مدد کرے تو اس کی مدد کر اور جو علیؑ کو تنہا چھوڑ دے تو بھی اسے تنہا چھوڑ۔ جو یہاں موجود ہے وہ میرا یہ پیغام ان تک پہنچا دے جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ ابھی یہ عظیم الشان اجتماع ختم نہیں ہوا تھا کہ وحی کا فرشتہ نازل ہوا اور اس نے خدا کی طرف سے یہ آیت پہنچائی:

۱۴۔ یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ط وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ لَا یُحِبُّ اللّٰہُ رِسَالَتَہٗ ط وَ اللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ط اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ ہ (المائدۃ/۳) آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے اور میں نے تم پر اپنی نعمت تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کیا ہے۔ (جب یہ آیات نازل ہوئی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے زور سے تکبیر کہی اور فرمایا: میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے اپنے دین کو کامل کیا اور اپنی نعمت کو مکمل کیا اور میری رسالت اور میرے بعد علیؑ کی ولایت سے راضی ہوا۔ اس کے بعد پیغمبر اکرمؐ اپنی جگہ سے نکلے اور آپؐ کے صحابہ نے گروہ در گروہ حضرت علیؑ کو مبارک باد دی اور کہا کہ آپ

ہمارے اور ہر مومن و مومنہ کے مولا بن گئے۔) حدیث غدیر کا تعلق متواتر احادیث سے ہے۔ اس کو تواتر کے لئے یہ بات کافی ہے کہ ایک سوبیس صحابہ نے اس کی روایت کی ہے اور تابعین میں سے نواسی (۸۹) افراد نے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ **مجموعی طور پر چودہ صدیوں میں تین سو ساٹھ علمائے اہل سنت نے اس کی روایت کی ہے** اور اگر ہم اس کے ساتھ شیعہ علماء کو شامل کر دیں تو حدیث تواتر کے اعلیٰ ترین درجہ پر دکھائی دے گی۔ (سنن ترمذی جلد ۵ ص ۲۹۷۔ سنن ابن ماجہ جلد اول ص ۴۵ حدیث ۱۲۱ مستدرک حاکم نیشاپوری جلد ۳ ص ۱۱۰۔ مسند احمد بن حنبل جلد اول ص ۸۸ حدیث ۹۶۱، مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۶۷۲۔ خصائص نسائی ص ۹۴۔ ۹۵۔ ۵۰)۔

مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱۲ ص ۷۸، حدیث ۱۲۱۶۷۔ مشکوۃ المصابیح جلد ۳ ص ۲۴۶، الریاض النضرہ محب الدین طبری جلد ۲ ص ۱۶۹ طبع خانجی۔ ہم حدیث غدیر کے لیے فی الحال مندرجہ بالا حوالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ اس حدیث کی مزید تحقیق کے لیے جویا ذحسب ذیل دو کتابوں کی طرف رجوع فرمائیں۔

۱۔ عبقات الانوار تالیف میر حامد حسین ہندی المتوفی ۱۳۰۶ھ

۲۔ الغدیر۔ تالیف محقق عالی قدر عبدالحسین امینی (۱۳۲۰۔ ۱۳۹۰ھ))

﴿مذکورہ سفارشات کے نتیجہ میں شیعت کی تشکیل﴾

ہم مذکورہ بالا تین احادیث پر ہی قناعت کر رہے ہیں۔ آنحضرت کی انہی احادیث کے نتیجہ میں حیات پیغمبرؐ میں ایک گروہ حضرت علیؑ کے گرد جمع ہو گیا تھا اور وہ لوگ حضرت علیؑ کی پیروی میں مشہور تھے۔ چنانچہ مشہور محقق جناب محمد کرد علی نے اپنی کتاب "خطط الشام" میں لکھا ہے:

"رسول اسلامؐ کی حیات طیبہ میں بزرگ اصحاب کا ایک گروہ حضرت علیؑ کی دوستی اور محبت میں مشہور ہو گیا تھا۔ جیسا کہ حضرت سلمان فارسیؒ یہ کہا کرتے تھے کہ ہم نے رسول خداﷺ کی بیعت دو چیزوں پر کی تھی۔ پہلی چیز تمام مسلمانوں کی خیر خواہی تھی اور دوسری چیز حضرت علیؑ کی پیروی اور ان کی ولایت تھی۔

ابوسعید خدری کہا کرتے تھے کہ لوگوں کو پانچ چیزوں کی دعوت دی گئی تھی لیکن لوگوں نے چار چیزوں پر عمل کیا اور پانچویں کو چھوڑ دیا۔ پوچھا گیا کہ وہ چار چیزیں کون سی ہیں جنہیں لوگوں نے قبول کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ وہ نماز، زکواۃ، ماہ رمضان کے روزے اور بیت اللہ الحرام کی زیارت۔ پھر ان سے پوچھا گیا کہ لوگوں نے کس بات کو چھوڑ دیا ہے؟ انہوں نے کہا وہ چیز علی بن ابی طالبؑ کی ولایت ہے۔ ان سے پوچھا گیا کہ کیا علیؑ کی ولایت بھی مذکورہ چار چیزوں کی طرح سے فرض ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں۔ ولایت علیؑ نماز، روزہ، حج و زکواۃ کی طرح سے واجب ہے۔ ایسے ہی افراد میں حضرت ابوذر غفاریؓ، عمار یاسرؓ، حذیفہؓ بن یمان، خزیمہؓ بن ثابت ذوالشھادتین، ابوایوبؓ انصاری، خالد بن سعید اور قیسؓ بن سعد بن عبادہ شامل ہیں۔ (محمد علی کردی کتاب خطط الشام جلد ۵ ص ۲۵۱)

﴿کیا رسول اللہ کے زمانے میں شیعہ تھے؟؟﴾

پیغمبر اسلامﷺ کی کچھ احادیث جن کا نمونہ ہم نے ابھی پیش کیا ہے، ان کے علاوہ دیگر

بیسیوں احادیث جو کہ کتب تفسیر وحدیث میں مرقوم ہیں نے سرزمین اسلام میں شیعت کی تخم ریزی کی۔ پھر یہ بیج آہستہ آہستہ پھلا پھولا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کی تعلیمات کی وجہ سے صحابہ میں ایک ایسی جماعت پیدا ہوگئی جو دل و جان سے حضرت علیؑ کی شیدائی تھیں اور وہ شیعیانِ علیؑ کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس جماعت کے افراد نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کی رحلت کے بعد اپنے عہد و پیمان کی حفاظت کی چنانچہ یہی افراد تاریخ اسلام میں ابتدائی شیعہ کے نام سے مشہور ہوئے۔

اس کے بعد ہر زمانہ میں جیسے جیسے لوگوں کو مسئلہ امامت اور خلافتِ علیؑ کی حقانیت کا علم ہوتا گیا اتنا ہی عقیدہ تشیع کے ماننے والوں میں اضافہ ہوتا گیا۔ تشیع کا آغاز سرزمین حجاز سے ہوا اور حجاز کی سرزمین ہی تشیع کی جنم بھومی ہے پھر جب امیر المومنینؑ نے دارالخلافہ کو عراق منتقل کیا تو تشیع میں ترقی ہوئی اور دنیا کے مختلف مقامات پر تشیع کا عقیدہ پھیلا۔ یہاں ہم امیر المومنینؑ کے مشہور ترین شیعوں کے نام لکھنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ ان سب کا تعلق اصحاب پیغمبرؐ سے ہے۔ ان ناموں کو ہم دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں پہلے حصہ میں بنی ہاشم کے افراد کے نام لکھتے ہیں اور دوسرے حصہ میں بنی ہاشم کے علاوہ دوسرے خاندانوں سے تعلق رکھنے والے افراد کا نام لکھیں گے۔ یہ وہ لوگ تھے جو حضرت علیؑ سے پیوستہ تھے اور اغیار سے کٹے ہوئے تھے۔

بنی ہاشم میں سے حسب ذیل افراد کے نام لیے جاسکتے ہیں۔

۱۔ عبداللہ بن عباس	۲۔ فضل بن عباس
۳۔ عبداللہ بن عباس	۴۔ قثم بن عباس
۵۔ عبدالرحمن بن عباس	۶۔ تمام بن عباس
۷۔ عقیل بن ابی طالب	۸۔ ابوسفیان بن حرث بن عبدالمطلب

۹۔ نوفل بن ابی طالب
۱۰۔ عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب
۱۱۔ عون بن جعفر طیار
۱۲۔ محمد بن جعفر طیار
۱۳۔ ربیعہ بن حرث بن عبدالمطلب
۱۴۔ طفیل بن حرث
۱۵۔ مغیرہ بن نوفل بن حارث
۱۶۔ عبداللہ بن حرث بن نوفل
۱۷۔ عبداللہ بن ابی سفیان بن حرث
۱۸۔ عباس بن ربیعہ بن حارث
۱۹۔ عباس بن عتبہ بن ابی لہب
۲۰۔ عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث
۲۱۔ جعفر بن ابی سفیان بن حرج

بنی ہاشم کے علاوہ بطور نمونہ حسب ذیل نام لیے جاسکتے ہیں۔

۲۲۔ سلمان محمدی
۲۳۔ مقداد بن اسود کندی
۲۴۔ ابوذر غفاری
۲۵۔ عمار بن یاسر
۲۶۔ حذیفہ بن یمان
۲۷۔ خزیمہ بن ثابت
۲۸۔ ابوایوب انصاری (مدینہ میں میزبان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
۲۹۔ ابوہیثم مالک بن تیہان
۳۰۔ ابی بن کعب
۳۱۔ سعد بن عبادہ
۳۲۔ قیس بن سعد بن عبادہ
۳۳۔ عدی بن حاتم
۳۴۔ عبادہ بن صامت
۳۵۔ بلال بن رباح حبشی
۳۶۔ رسول خداؐ کا آزاد کردہ غلام ابورافع
۳۷۔ ہاشم بن عتبہ
۳۸۔ عثمان بن حنیف
۳۹۔ سہل بن حنیف
۴۰۔ حکیم بن جبلہ عبدی
۴۱۔ خالد بن سعید بن عاص

۴۲۔ابن حصیب اسلمی
۴۳۔ہند بن ابی ہالہ تمیمی
۴۴۔جعدہ بن ہبیرہ
۴۵۔حجر بن عدی کندی
۴۶۔عمرو بن حمق خزاعی
۴۷۔جابر بن عبداللہ انصاری
۴۸۔محمد بن ابی بکر
۴۹۔ابان بن سعید بن عاص
۵۰۔زید بن صوحان عبدی

مذکورہ بزرگوں کے حالات سے آگاہی کے لئے اس موضوع پر لکھی ہوئی کتابوں کا مطالعہ فرمائیں۔خوش قسمتی سے کچھ محققین نے اس موضوع کو اہمیت دی ہے اور اس عنوان پر کتابیں تالیف کی ہیں۔اس عنوان پر مندرجہ ذیل کتابوں کا مطالعہ انتہائی مفید ہے:

۱۔سید علی خان مدنی نے اس عنوان پر مکمل کتاب لکھی ہے جس کا نام انہوں نے "**الدرجات الرفیعه فی طبقات الشیعة الامامیه**" رکھا ہے۔اس کتاب میں انہوں نے شیعوں کے طبقہ اولیٰ میں شیعہ صحابہ کا تعارف کرایا ہے۔اس کا پہلا باب شیعان بنی ہاشم اور دوسرا باب غیر بنی ہاشم شیعوں کے حالات زندگی پر مشتمل ہے۔اس کے بعد مولف نے طبقہ دوم میں تابعین کا تعارف کرایا ہے جو حضرت علیؑ کی پیروی میں معروف تھے۔بعد ازاں ہر صدی کے نامور شیعوں کے حالات زندگی کو بیان کیا ہے۔خوش قسمتی سے یہ کتاب زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آ چکی ہے اور اس سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

۲۔علامہ اشرف الدین عاملی (۱۲۹۰۔۱۳۷۷ھ) نے شیعہ صحابہ کے ناموں کی فہرست پیش کی ہے،انہوں نے ان کے حالات زندگی نہیں لکھے لیکن انہوں نے اس تمنا کا اظہار کیا ہے کہ ان کے

بعد آنے والے اہل قلم ان شیعہ صحابہ کے حالات زندگی لکھیں۔ (الفصول المھمہ فی تالیف الامہ ص ۷۹۔۱۹۰)

۳۔شیخ محمد حسین کاشف الغطاء (۱۲۹۴۔۱۳۷۳ھ) نے "فجر الاسلام" کتاب کی رد میں "اصل الشیعۃ واصولھا" نامی کتاب لکھی۔ جس میں انہوں نے شیعہ صحابہ کے نام لکھے اوران کی تشیع کے کچھ نمونے بھی پیش کیے۔ انہوں نے مذکورہ بزرگوں کے اثبات تشیع کے لئے ابن عبدربہ کی کتاب "الاستیعاب" اورابن حجر کی کتاب "الاصابہ" سے استفادہ کیا ہے۔ (اصل الشیعۃ واصولھا ص ۵۳۔۵۴)

۴۔مشہور خطیب ڈاکٹر شیخ احمد وائلی نے اپنی گرانقدر کتاب "ہویۃ التشیع" میں ایک سوتیس صحابی شیعوں کے ناموں کی فہرست پیش کی ہے جو کہ حضرت علیؑ کی وصایت و خلافت کے قائل تھے۔موصوف کے بحث کا یہ نتیجہ کلام ہے کہ سرزمین اسلام میں تشیع کی تخم ریزی سب سے پہلے حضرت رسول خداؐ نے کی تھی اورآپ کی تعلیمات بہت سے اصحاب کے تشیع کا ذریعہ ثابت ہوئی تھی۔

﴿تشیع کی پیدائش کے متعلق بلاثبوت اور غلط نظریات﴾

ایک گروہ جسے نہ تو تاریخ شیعہ کا علم ہے اورنہ ہی اس کی پیدائش کے متعلق کچھ پتہ ہے، نے کوشش کی ہے کہ تشیع کی پیدائش کے متعلق کچھ خودساختہ نظریات پیش کیے جائیں اوران میں سے کچھ کی طرف ہم اشارہ کرتے ہیں:

﴿کیا تشیع سقیفہ کی کاروائی کا رد عمل ہے؟؟﴾

ایک گروہ کا خیال ہے کہ سقیفہ میں ایک گروہ نے حضرت ابوبکر کی خلافت کے حق میں رائے دی تھی جب کہ صحابہ رسولؐ کے ایک گروہ نے انہیں خلیفہ ماننے سے انکار کر دیا تھا اور انہوں نے یہ کہا تھا کہ ہم حضرت علیؑ کے علاوہ کسی دوسرے کی بیعت نہیں کریں گے۔ (طبری جلد ۲ ص ۴۴۳۔۴۴۴)

چنانچہ اسی دن تشیع، تسنن کے مقابلے پر نمودار ہوئی تھی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ سقیفہ کی کاروائی عالم اسلام کا انتہائی دردناک واقعہ ہے اور یہاں اس بحث کا پورا حق ادا نہیں کیا جا سکتا۔ اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ابھی پیغمبر اکرمؐ کا جسد اطہر دفن نہیں ہوا تھا اور بنی ہاشم اور کچھ دیگر افراد آنحضرتؐ کے غسل و کفن میں مصروف تھے کہ انصار کے دو قبائل اوس و خزرج خلافت کے حصول کے لئے جمع ہو گئے اور جب حضرت ابوبکر و عمر کو ان کی کارروائی کی اطلاع ملی تو انہوں نے رسول خداؐ کے جسد اطہر کو چھوڑ دیا اور اپنے ساتھ اور تین افراد کو لے کر سقیفہ چلے گئے اور وہاں جا کر انہوں نے خلافت اور امت کی رہبری کے متعلق باتیں کیں۔ قبیلہ اوس نہیں چاہتا تھا کہ قبیلہ خزرج کا کوئی شخص خلیفہ بن جائے (اسی رقابت کے پیش نظر) انہوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت کر لی۔ جب کہ قبیلہ خزرج کے افراد نے اس کے رد عمل میں یہ نعرہ بلند کیا کہ ہم علیؑ کے علاوہ اور کسی کی بیعت نہیں کریں گے۔

آخر کار پہلا گروہ کامیاب ہو کر سقیفہ سے باہر آیا انہوں نے راستے میں اور مسجد نبوی میں لوگوں کو بیعت کی دعوت دی۔ اسی دوران ایک گروہ حضرت علیؑ کے گھر میں یا کسی اور جگہ اکٹھا ہوا وہ سب حضرت علیؑ کی امامت و رہبری کے خواہش مند تھے۔ چنانچہ اس دن تشیع نے جنم لیا تھا۔

جواب: یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ سقیفائی سیاست سے ناراض افراد نے عصبیت میں آ کر حضرت علیؑ کی خلافت کا نعرہ بلند کیا تھا بلکہ یہ لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی احادیث کی وجہ سے خلافتِ علیؑ پر اصرار کر رہے تھے اور ان کی خواہش تھی کہ رسولؐ مقبول کی وصیت پر عمل ہونا چاہیے۔ مسعودی مروج الذہب میں وفات رسولؐ کے بعد کے واقعات کے ضمن میں لکھتے ہیں۔ امام علیؑ اور ان کے پیروکاروں کا ایک گروہ ان کے گھر میں بیٹھ گیا۔ وہ لوگ حضرت ابوبکر کی بیعت کے لئے نہیں گئے کیونکہ وہ حضرت علیؑ کی پیشوائی کے طلبگار رہتے۔ (کتاب الوصیۃ ص ۱۲۱) صحابہ کے ایک گروہ نے جب یہ سنا کہ کچھ لوگوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت کی ہے تو انہوں نے ان پر اعتراض کیا۔ مثلاً سلمانؓ فارسی اٹھے اور انہوں نے کہا کہ تم لوگ بوڑھوں کے پیچھے چلے ہو اور تم نے سرچشمہ علم سے منہ موڑ لیا ہے۔ اگر تم لوگ رسول خداؐ کے خاندان میں خلافت کو رہنے دیتے تو دو افراد بھی اس کے متعلق اختلاف نہ کرتے۔ (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد ۶ ص ۴۳۔)

ابوذرؓ وارِد مدینہ ہوئے اور انہیں سقیفہ کا علم ہوا تو انہوں نے صحابہ کی طرف رُخ کیا اور ان پر تنقید کی اور کہا کہ تم لوگ پست چیز پر قانع ہو گئے اور تم نے رسول خداؐ کے رشتہ کو نظر انداز کر دیا۔ اگر تم اہل بیت کی پیروری کرتے تو دو شخص بھی تم سے اختلاف نہ کرتے۔ (الامتہ والسیاستہ۔ ابن قتیبہ دینوری جلد اول ۱۷ ص ۱۴) سقیفہ کی بیعت پر صحابہ کی تنقید کے یہ چند نمونے تھے۔ یہ عظیم القدر صحابہ حضرت علیؑ کی پیشوائی کے خواہش مند تھے اور یہ طرز تفکر سقیفہ کی کاروائی کے نتیجہ میں پیدا نہیں ہوا تھا اس کی بجائے یہ طرز فکر رسول اللہؐ کی سفارش

اور آنجناب کے علیؑ کے پیشوا ہونے کے بارے میں اعلان کی وجہ سے پیدا ہوا تھا۔

﴿اعتراض تشیع کا بانی عبداللہ بن سبا ہے؟؟﴾

کچھ متعصب افراد جو کہ تشیع کو داغدار بنانا چاہتے ہیں اور وہ یہود سے درآمد شدہ نظریہ ثابت کرنے کی مذموم کوشش کرتے ہیں اور وہ اسے ایک یہودی کی کارستانی بتاتے ہیں۔ یہ متعصب افراد اس مفروضہ کو ترویج دے رہے ہیں کہ یمن میں ایک یہودی رہتا تھا جس کا نام عبداللہ بن سبا تھا اور وہ "ابن الامتہ السودا" (سیاہ فام لونڈی کا بیٹا) کے نام سے مشہور تھا۔ خلیفہ ثالث کے زمانہ میں اس نے اسلام کا ظاہری لبادہ اوڑھا تھا اور اس نے شام، بصرہ، کوفہ اور مصر جیسے اسلامی مراکز میں گشت کی اور وہ لوگوں کو حضرت علیؑ کی امامت کی دعوت دیتا تھا اور وہ یہ پرچار کرتا تھا کہ حضرت علیؑ رسول خداؐ کے وصی ہیں اور وہ خاتم الاوصیاء ہیں جیسا کہ رسول خدا خاتم الانبیاء ہیں جب کہ عثمان نے مقام خلافت غصب کیا ہوا ہے اور اس نے یہ منصب حضرت علیؑ سے چھینا ہوا ہے۔ اس نے ہر جگہ اس نظریہ کی تبلیغ کی اور وہ حضرت ابوذر غفاری، عمار یاسر، محمد بن حذیفہ، محمد بن ابی بکر، صعصعہ بن صوحان عبدی اور مالک اشتر جیسے صحابہ و تابعین کو اپنا ہمنوا بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے بہت بڑے گروہ کو دھوکا دیا اور اپنے گھر میں بیٹھ کر خلیفہ ثالث کے قتل کے محرکات فراہم کیے۔ آخر کار حضرت عثمان کو قتل کرا کے حضرت علیؑ کو خلیفہ بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ (تاریخ طبری: ج ۳ ص ۳۷۸۔

یہ غلط اور بے سند مفروضہ طبری کا پیش کردہ ہے۔ اس کے بعد کچھ مورخین نے طبری کی پیروی کرتے ہوئے اپنی کتابوں میں لکھا۔ لیکن ان لوگوں نے نہ تو اس مفروضہ کی سند پر توجہ کی اور نہ ہی اس کی خودساختہ مضمون پر دھیان دیا۔

﴿ابن سباء کے مفروضہ کے متعلق محققین کا نظریہ کیا ہے؟؟﴾

کیوں طبری کا یہ بیان کئی حیثیتوں سے ناقابل قبول ہے؟؟

۱۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک گمنام یہودی مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لئے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلامی مراکز کے تن تنہا دورے کرے اور صحابہ و تابعین کو اپنا ہمنوا اور ہم خیال بنا لے؟ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک نومسلم یہودی اتنا طاقت ور بن جائے کہ وہ ہزاروں افراد کو اسلام کے مرکز مدینہ میں بھیج کر صحابہ کی آنکھوں کے سامنے خلیفہ وقت کو قتل کرا دے؟ اور حضرت علیؑ کو وصی رسول کے عنوان سے متعارف کرائے یہ توجیہ تاریخی حقائق سے میل نہیں کھاتی بلکہ چاہئے کہ خلیفہ کے قتل کی وجہ سے مدینہ کے اندر ہی ان کے افعال کا جائزہ لے کر تحقیق کی جائے۔ اگر عوام بیعت خلیفہ کے لیئے آئے تو وہ خلیفہ ہوتا ہے اور اگر کوئی شخص ذور وزبردستی لوگوں سے بیعت لے تو یہ تو کوئی بھی ثروت مند کر سکتا ہے۔ ذرا دیکھو کس طرح عوام علیؑ کے دروازے پر آئے تھے۔

۲۔ اوراق تاریخ اس بات کے شاہد ہیں کہ حضرت عثمان و معاویہ کسی کو بھی تنقید کرنے کی اجازت

نہیں دیتے تھے اور جس کسی نے بھی ان پر ہلکی سی تنقید کی تو اسے سخت ترین سزاؤں کا سامنا کرنا پڑا۔ حضرت ابوذر غفاریؓ جیسے عظیم صحابی نے دولت جمع کرنے پر تنقید کی تو ان پر خلیفہ کا عتاب نازل ہوا اور انہیں مدینہ سے جلاوطن کر کے "ربذہ" میں بھیج دیا جہاں انہوں نے نہایت ہی بے کسی کی حالت میں وفات پائی تھی۔ حضرت عمار یاسرؓ بھی عثمانی روش پر تنقید کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلیفہ ان پر ناراض ہو گیا اور اس کے حکم سے اس کے غلاموں نے عمار یاسر کو اتنے تازیانے مارے کہ ان کی پسلی ٹوٹ گئی تھی۔ اس طرح دیگر مخالفین جیسے حضرت عبداللہ مسعود دوران خلافت عثمان تشدد اور توہین کا نشانہ بنائے گئے۔

ایسی سخت گیر پالیسی کی موجودگی میں کیا یہ ممکن ہے کہ خلافتِ اسلامی اتنی طاقت رکھنے کے باوجود (کہ جس میں جلیل القدر صحابیوں کو تشدد کا نشانہ بنایا جاتا تھا) ایک یہودی فرد کو آزاد چھوڑ دیا جائے کہ وہ اسلامی مملکت کے مختلف شہروں میں افراتفری پیدا کر دے اور شام و مصر و کوفہ پر تسلط جما لے اور ایک فوج کے ساتھ مدینہ پہنچے اور خلیفہ کو اقتدار سے ہٹا دے اور ایک دوسرے خلیفہ کو مقرر کر دے؟

۳۔ طبری کے خود ساختہ نظریہ کو تسلیم کرنے والے حضرات سے گذارش ہے کہ اگر بفرض محال یہ بات حقیقت ہے تو پھر انہیں عدالت صحابہ کے نظریہ سے دستبرداری اختیار کر لینی چاہیے کیونکہ ایک طرف وہ تقدس صحابہ کے گن گاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ تمام صحابہ عادل تھے اور کسی صحابی کے متعلق بھی جرح و تعدیل درست نہیں ہے اگر واقعی صحابہ عادل تھے تو پھر عمار یاسر، ابوذر غفاری، محمد بن حذیفہ اور عبداللہ بن مسعود جیسے بزرگ صحابہ اور اکابر تابعین ایک یہودی کے چنگل میں کیسے پھنسے؟

۴۔ مذکورہ تاریخی اور عقلی تجزیہ کے بعد ہم طبری کی بیان کردہ روایت کا سرسری سا جائزہ لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ طبری نے آنکھ بند کر کے جن لوگوں سے اس خود ساختہ داستان کو نقل کیا ہے ان

روایوں کی حیثیت خود علمائے اہل سنت کی نظر میں کیا ہے؟ طبری نے اس داستان کو جن لوگوں کی سند سے نقل کیا ہے ان پر کسی بھی صورت اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ لیجیئے طبری کی سند ملاحظہ فرمائیں: سری نے شعیب سے، اس نے سیف سے، اس نے عطیہ سے اور اس نے یزید فقعسی سے روایت کی ہے کہ۔ (تاریخ طبری جلد ۳ ص ۳۷۸)

«آئیے علم الرجال کی روشنی میں اس داستان کے راویوں کی وثاقت کا جائزہ لیں»

ا۔ سری نام کے دو راوی اہل سنت میں معروف ہیں۔

الف: سری بن عبداللہ ہمدانی: علم الرجال کے مشہور ماہر یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ یہ شخص کذاب اور ضعیف تھا۔ (میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۱۱۷)

ب۔ سری بن عاصم بن سہل ہمدانی۔ یہ شخص بغداد میں رہتا تھا اس کی وفات ۲۵۸ھ میں ہوئی۔ تاریخ طبری کے مؤلف نے اس کی زندگی کا کچھ حصہ پایا تھا۔ اس کے متعلق علمائے رجال کا یہ کہنا کافی ہے کہ وہ کذاب اور حدیث کا چور تھا۔ (میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۱۱۷۔ لسان المیزان جلد ۳ ص ۱۴۵)

۲۔ شعیب بن ابراہیم کوفی۔ یہ شخص مجہول الحال تھا۔ ذہبی کہتے ہیں کہ یہ شخص سیف بن عمر کی کتابوں کا راوی ہے لیکن ہم اسے نہیں پہچانتے۔

۳۔ سیف بن عمر۔ اس روایت کے ضعف کا مرکزی سبب یہی شخص ہے اس کے متعلق ابن حبان کہتے ہیں کہ سیف بن عمر خود ساختہ احادیث و تاریخ کو مشہور شخصیات کی طرف منسوب کرتا تھا اور احادیث اختراع کرتا تھا۔ یہ شخص زندیقی (بے دینی سے متہم تھا۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ اس کی بیان کردہ تمام روایات مجہول اور نا قابل قبول ہیں (میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۲۷۵۔ لسان المیزان جلد ۳ ص ۱۴۵۔ میزان الاعتدال جلد اول ص ۴۳۸۔

ہم طبری کی بیان کردہ داستان پر صرف اتنی ہی تنقید پر اکتفا کرتے ہیں کہ اگرچہ اس کی سند پر اس سے کہیں زیادہ اعتراضات وارد کیے جا سکتے ہیں۔ انہی حقائق کے مد نظر ڈاکٹر طہٰ حسین جیسے مشہور محققین نے ابن سبا کی شخصیت سے انکار کیا ہے اور اسے تاریخی افسانہ قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر طہٰ حسین کے علاوہ اور بھی بہت سے محققین نے اس کو افسانہ تاریخی سے تعبیر کیا ہے یہاں سب کے بیانات نقل کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ (مزید تفصیل کے لیے ڈاکٹر طہٰ حسین کی کتاب الفتنۃ الکبریٰ ص ۱۳۴ اور اصل الشیعہ ص ۳۷ اور الغدیر جلد ۹ ص ۲۲۰۔۲۲۱ کا مطالعہ فرمائیں۔ ڈاکٹر حسین کی کتاب کا اردو میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے جس کو دو جلدوں میں تقسیم کیا گیا ہے پہلی جلد کا نام "حضرت عثمان تاریخ و سیاست کی روشنی میں" اور دوسری جلد نام "حضرت علیؑ تاریخ و سیاست کی روشنی میں" ہے اردو ترجمہ نفیس اکیڈمی کراچی نے شائع کرایا ہے۔) محقق معاصر علامہ مرتضیٰ عسکری رضوان اللہ تعالیٰ نے کتاب عبداللہ بن سبا لکھ کر اس تاریخی افسانے کے چہرے سے پردہ ہٹایا ہے انہوں نے دلائل قاہرہ سے ثابت کیا ہے کہ عبداللہ بن سباء کا کوئی حقیقی وجود نہیں تھا۔ یہ

سیف بن عمر جیسے کذاب لوگوں کی تراشی ہوئی داستان ہے۔(علامہ مرتضیٰ عسکری کی کتاب عبداللہ بن سبا کا اردو زبان میں ترجمہ شائع ہو چکا ہے، ہم قارئین سے پرزور درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس کا مطالعہ ضرور کریں)

ضحی صالح اپنی کتاب "نظریۃ الامامتہ" میں لکھتے ہیں:

یہ بات بعید نہیں ہے کہ ایک یہودی فتنہ انگیزی کرے۔لیکن یہ بات ہرگز قابل قبول نہیں ہے کہ ایک یہودی مسلمانوں کے عقائد پر اتنا اثر ڈال دے کہ انہیں سنی اور شیعہ دوگروہوں میں تقسیم کردے۔(نظریۃ الامامتہ ص ۳۷) شیعی کتاب رجال میں مذکور ہے کہ عبداللہ بن سباء نے غلو کا اظہار کیا تھا اور امیرالمومنینؑ نے اسے غلو کی وجہ سے سزادی تھی۔(رجال کشی ص ۹۸۔شمارہ ۴۸۔)واضح رہے کہ ایسے شخص کے وجود کا اعتراف اور چیز ہے اور پورے جہانِ اسلام کو متزلزل کرنے والے عبداللہ بن سبا کے وجود کا اعتراف ایک الگ چیز ہے۔

﴿تو کیا تشیع جنگ جمل کی پیداوار ہے؟؟؟﴾

جرمن مستشرق "ولھاوزن" نے "الشیعہ والخوارج" نامی کتاب میں کہا ہے کہ شیعہ جنگ جمل کے ساختہ پرداختہ ہیں۔موصوف نے لکھا ہے کہ قتل عثمان کی وجہ سے مسلمان دو حصوں میں تقسیم ہو گئے ایک حزبِ علیؑ اور دوسرا حزبِ معاویہ تھا۔شیعہ علیؑ،شیعہ معاویہ کے مقابلہ پر آئے اور جب معاویہ نے حکومت پر تسلط حاصل کیا تو اس کے بعد لفظ شیعہ علیؑ کے پیروکاروں کے لئے مخصوص ہو گیا۔(الخوارج و الشعیہ ص ۱۴۶۔)

جواب: (موصوف کوغلط فہمی ہوئی ہے)۔ جنگ جمل سے تشیع کا آغاز نہیں ہوا تھا بلکہ جنگ جمل میں شیعوں کی عسکری اور سیاسی قوت کا ظہور رہوا تھا۔

امیر المومنینؑ خلفائے ثلاثہ کے عہد حکومت میں بر بنائے مصلحت خاموش رہے تھے لیکن اس دوران آپؑ نے ہمیشہ خلفاء کی رہنمائی اور مدد کی تھی۔ حالانکہ آپ اپنے مقام ومنزلت سے آگاہ تھے اور خلافت کے لئے اپنی نامزدگی پر یقین رکھتے تھے لیکن اس وقت کے حالات کسی مخالفت کی اجازت نہیں دیتے تھے اور آپ نے اسلام کی بہتری خاموشی ہی میں دیکھی اسی وجہ سے آپؑ اور آپ کے شیعوں کی قوت میدان عمل میں نہ آئی تھی۔ لیکن قتل عثمان کے بعد مدینہ میں موجود صحابہ نے حضرت علیؑ کو خلیفہ منتخب کیا گیا اور لوگوں کی پشت پناہی کی وجہ سے آپ پر حجت تمام ہوگئی۔ طلحہ وزبیر جیسے لوگ معاویہ کے فریب میں پھنس گئے اور بنی امیہ کی مالی امداد کو دیکھ کر انہوں نے عہد شکنی کا ارتکاب کیا۔ یہ دونوں "سادہ لوح" افراد خلافت کی امید میں بصرہ چلے گئے اور انہوں نے حضرتؑ کے گورنر کو مار پیٹ کر بصرہ سے نکال دیا اور وہاں اپنی خود مختار حکومت قائم کرلی۔ حضرت علیؑ نے دیکھا کہ اگر وہ خاموش رہتے ہیں تو اسلامی مملکت میں ہرج ومرج پیدا ہوجائے گا۔ لہذا باغیوں کو دھکیلنے کے علاوہ اور کوئی چارہ کار باقی نہیں ہے۔ ان حالت میں رسول اللہؐ کے صحابہ بھی حضرت علیؑ کے ہمنوا تھے۔ اس وقت تشیع کو خلافت بلافصل کے معنی ظاہر کرنے کا موقع نہیں تھا بلکہ مقصود اسلامی نظام کی حفاظت کرنا تھا نہ کہ اس وقت تشیع اور شیعہ کے نام سے مکتب فکر پیدا کرنا مقصود تھا۔ خوش قسمتی سے (جنگِ جمل کا) یہ فتنہ ایک ماہ سے بھی کم تر وقت میں ختم ہوگیا تھا۔

﴿تو کیا تشیع اہل ایران کے ذہن رسا کی پیداوار ہے؟؟﴾

تمام مفروضوں میں سے سب سے زیادہ کمزور مفروضہ جس کا کبھی کبھی اظہار بھی کیا جاتا ہے وہ

یہ ہے: اہل ایران قوم پرست تھے اور وہ اسلام کی توسیع اور عربوں کی حکومت کو ناپسند کرتے تھے: اسی لئے انہوں نے عقیدہ تشیع کا اجرا کیا اور حضرت علیؑ اور ان کی اولاد کی پیروی کے نام پر ایک مذہب قائم کیا تاکہ عربوں کے تسلط سے نجات مل سکے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس مفروضہ کو تراشنے والا شخص ایران میں تاریخ تشیع سے قطعاً نابلد تھا۔ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ رسول اکرمؐ کی حیات طیبہ میں تشیع کی تخم ریزی ہوئی تھی۔ تشیع کا بیج مدینہ میں ہی کاشت کیا گیا تھا اور مدینہ میں ہی اس کی نشوونما ہوئی تھی پھر امیر المومنینؑ کے دورِ حکومت میں تشیع کو عراق میں فروغ حاصل ہوا اور جب تشیع کا نظریہ عراق میں پھل پھول رہا تھا تو اس وقت ایران میں کہیں شیعیت کا نام ونشان تک نہیں تھا۔ پھر جب مسلمانوں نے ایران کو فتح کیا تو کئی صدیوں تک ایران پر بنی امیہ اور بنی عباس کی حکومت قائم رہی اور ان دونوں ادوار میں اہل ایران کی اکثریت اہل تسنن پر مشتمل تھی۔ البتہ کسی کسی جگہ شیعہ بھی دکھائی دیتے تھے۔ ایران میں تشیع کے فروغ کے کچھ علل واسباب ہیں۔ ایران کا تشیع دس صدیوں کے عوامل کا نتیجہ ہے۔ یہاں ہم ایران میں تشیع کے فروغ کے اسباب کا سرسری جائزہ پیش کرتے ہیں:

﴿الف: اہل ایران، عراق میں ظلم کا نشانہ بنے ہوئے تھے﴾

جب عربوں نے اہل ایران کے خلاف جنگ قادسیہ لڑی تو اس وقت ایرانی لشکر سے چار ہزار ایرانی سپاہیوں نے ایران فوج کو چھوڑ کر عرب فوج کے ساتھ شمولیت اختیار کی تھی اور انہوں نے دل کی گہرائیوں سے ایمان قبول کیا تھا۔ ایرانی سپاہیوں نے عربوں سے یہ میثاق لیا تھا کہ جنگ کے اختتام کے بعد انہیں آزادی ہوگی وہ جہاں چاہیں جاسکیں گے اور انہیں یہ بھی آزادی ہوگی کہ جس قبیلہ سے چاہیں گے کے حلیف بن سکیں گے اور انہیں بھی باقی مسلمانوں کی طرح سے مالِ غنیمت میں حصہ دیا

جائے گا۔ لیکن افسوس ہے کہ جب جنگ ختم ہوئی تو ایرانی فوجیوں کے ساتھ ہونے والے وعدوں کو پیروں کے نیچے ڈال دیا گیا اور افسوس ہے کہ ان کی تحقیر کا آغاز کر دیا گیا اور آج کی اصطلاح کے مطابق انہیں دوسرے درجہ کے شہری کا درجہ دیا گیا اور انہیں لفظ "موالی" کے نام سے یاد کیا گیا اور انہیں پس ترین اور کم آمدنی والے کاموں پر لگا دیا گیا۔ (العقد الفرید جلد ۳ ص ۴۱۳) عربوں کے تعصب کی انتہا یہ تھی کہ حضرت عمر طواف میں مصروف تھے انہوں نے دو افراد کو فارسی زبان میں گفتگو کرتے ہوئے سنا تو انہوں نے کہا کہ عربی بولا کرو کیونکہ فارسی بولنے سے انسان کی جواں مردی ختم ہو جاتی ہے۔ (اقتضاء الصراط المستقیم۔ ابن تیمیہ ص ۲۵)

پھر جب امیر المومنینؑ برسر اقتدار آئے تو آپؑ نے ہر ایک سے یکساں برتاؤ کیا جب قوم پرست عربوں نے آپؑ پر اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ کی کتاب میں نسل اسماعیل اور دوسری نسل کے لوگوں میں کوئی فرق دکھائی نہیں دیتا۔ (ابن ہلال ثقفی، الغارات: ۲:۴۶) یہ عدالت علیؑ اور اولاد علیؑ کے لئے مایۂ امتیاز تھی بنسبت اس کے کہ امویوں کے دور میں موالیان کی تحقیر عروج پر تھی تاریخ نے اس تمام تحقیر اور ناانصافی کو محفوظ کیا ہوا ہے۔

﴿ب۔ یمنی اشعریوں کی ہجرت قم﴾

سعد بن مالک کے دو بیٹے تھے ایک کا نام عبداللہ تھا اور دوسرے کا نام احوص تھا یہ دونوں یمن میں رہتے تھے اور علیؑ کے شیعہ تھے۔ یہ بنی امیہ کے مظالم سے تنگ آ چکے تھے۔ پھر جب ۱۲۱ھ میں امام زین العابدینؑ کے فرزند زید نے بنی امیہ کے خلاف قیام کیا تو حضرت زید کی فوج کے علم بردار احوص تھے۔ حضرت زید شہید ہو گئے آپ کی فوج مغلوب ہو گئی۔ اس معرکہ میں احوص گرفتار ہوئے اور کئی سالوں تک زندان میں

رہے آخر کار انہیں زندان سے رہائی نصیب ہوئی تو انہوں نے اپنے بھائی عبداللہ کے ساتھ مل کر یہ فیصلہ کیا کہ ہمیں عراق چھوڑ کر قم چلے جانا چاہیے۔ چنانچہ وہ اپنے خاندان کے افراد کو لے کر قم آئے۔ اس وقت قم ایران میں تشیع کے مرکز کے طور پر جانا جانے لگا تھا۔ ان کی آمد کے بعد قبیلہ اشعری سے تعلق رکھنے والے افراد آہستہ آہستہ قم آگئے جہاں ایک شیعی مرکزِ علم وحدیث تشکیل پا رہا تھا۔ مزید توضیح کے لئے تاریخ قم کا مطالعہ فرمائیں۔ (حسن بن محمد بن حسن قمی، تاریخ قم، تحقیق سید جلال الدین تہرانی ص ۲۴۷ رجال نجاشی، شمارہ ۱۹۶) امویانِ عراق کے ستم سے صرف اشعری ہی قم نہیں آئے بلکہ احمد بن محمد بن خالد کا تیسرا پوتا بھی زید شہید کے انقلاب کے بعد قم "برق رود" میں آیا اور یہاں آ کر سکونت اختیار کی۔

﴿ج۔ امام علیؑ رضاؑ کی خراسان آمد﴾

امام علی رضاؑ کی ہجرت بھی ایران میں تشیع کے فروغ کا ایک سبب تھی۔ نیشاپور کے محدثین کا آپؑ کا باشکوہ استقبال اور حدیث سننے کی خواہش، خراسان کے لوگوں کے دلوں میں اہل بیتؑ کی عظمت کی دلیل ہے۔ جس پر آپؑ نے اپنے آبائے طاہرین کی سند پر مشتمل یہ حدیث بیان کی کہ رسول خداؐ نے فرمایا کہ اللہ فرماتا ہے:

"کلمةُ لا اله اِلّا اللهُ حصنی فمن دخل حصنی امن من عذابی"

"لا الہ الا اللہ کی گواہی میرا مضبوط قلعہ ہے جو میرے قلعہ میں داخل ہوا وہ میرے عذاب سے محفوظ ہو گیا"۔

پھر چند لمحات بعد آپؑ نے کجاوہ سے سر نکال کر فرمایا: "**بشروطھا وانا من شُرُوطھا**" اکیلا لا الہ الا اللہ کہنا کافی نہیں ہے اس کی بھی کچھ شرائط ہیں اور میری امامت پر اعتقاد رکھنا بھی اس کی شرائط میں سے ہے۔ (صدوق، عیون اخبار الرضاؑ جلد۲ ص ۱۴۸) اس حدیث کے ذریعہ سے ایک ایسے انسان نے تشیع کی تبلیغ کی تھی جو کہ علوم اہل بیت کا وارث تھا اور جس نے پیغمبر اکرمؐ کے فرمان کو ایک صاف ستھرے اور ہر آلودگی سے پاک چشمہ سے نقل کیا تھا۔ جب آپ طوس تشریف لائے اور آپؑ نے مامون الرشید کے دربار میں یہود و نصاریٰ اور محدثین اہل سنت کے علاوہ نیچریوں اور مادہ پرستو سے مناظرے کیے تو ان مناظروں سے ان افراد پر آپ کی علمی فوقیت کا اظہار ہوا (عیون اخبار الرضا، صدوق، جلد۲ ص ۱۳۹۔۱۵۸) جس کی وجہ سے اہل خراسان کے دلوں میں محبت اہل بیتؑ نے گھر کر لیا اور یوں خراسان کے علاقے میں تشیع کے نظریات کو فروغ نصیب ہوا۔ کتاب احتجاج (طبرسی) اور زندگانی امام رضا علیہ السلام اس بارے میں زیادہ تفصیلات پیش کرتی ہیں۔ عوام الناس کو مائل دیکھ کر مامون ڈرا اور ایک مخصوص سازش سے آپؑ کو زہر دیدیا پھر آپ کے سوگ میں مگرمچھ کے آنسو بہائے۔ (ارشاد، جلد۲ ص ۲۶۹)

«آلِ رسول کی ایران آمد کب سے؟؟»

امام رضاؑ کی ہجرت اور ولی عہدی قبول کرنے کے بعد بہت سے علویوں نے حجاز و عراق سے ایران ہجرت کی اہلیانِ ایران اولاد پیغمبرؐ سمجھ کر ان کا احترام کرتے تھے۔

چنانچہ حسین بن علی شہید فخ کے قیام و شہادت کے بعد عبداللہ بن حسن بن حسین اہل کوفہ کے ایک گروہ کو لے کر دیلم آئے۔ ان کی آمد یہاں تشیع کے فروغ کا سبب ہوئی اس کے علاوہ دیلم، طبرستان اور موجودہ مازندران کے کچھ علاقوں پر ایک لمبے عرصے تک علویوں کا تسلط قائم رہا اور وہاں غالباً زیدی تشیع حکم فرما رہا تھا۔ ایران کے اطراف پر نظر ڈالی جائے تو پورے ایران میں ہمیں امام زادگان دکھائی دیتے ہیں جن کی اکثریت ائمہ اہل بیتؑ کی اولاد ہے۔ جو ایران میں پھیل گئے تھے۔ اور انہوں نے

اپنے اعمال واقوال سے تشیع کی تبلیغ کی تھی۔ چنانچہ طبرستان میں ۶۷ رے میں ۲۲ اور قم میں ۲۳ امام زادوں کے مزارات ہیں۔ سادات کے یہ بکھرے ہوئے مقابر زبانِ حال سے تشیع کے ایران میں پھیلانے کی داستان بیان کر رہے ہیں۔ (طبرستان، دیلمان، وگیلان میں مدفون علویوں سے آگاہی حاصل کرنے کے مستشرق، ویلفر دمادلونگ کی کتاب، اخبار ائمہ الزید یۃ فی طبرستان و دیلمان، وجیلان، کا مطالعہ کریں۔ علاوہ ازیں، تاریخ تشیع دایران، کا مطالعہ بھی مفید ہے۔) ایران میں تشیع کی نشونما بغداد کی عباسی خلافت کی قوت وضعف سے مربوط ہے۔ چوتھی صدی میں حکومت بغداد ہر لحاظ سے کمزور ہو چکی تھی اور ۳۲۵ھ میں عباسی خلافت عملی طور پر صرف بغداد تک محدود ہوگئی۔ (منتظم، ابن جوزی، جلد ۶ ص ۲۸۸)

چنانچہ خلافت عباسیہ کی اسی کمزوری سے بنی بویہ نے فائدہ اٹھایا اور انہوں نے اپنی حکومت کو شیراز سے بغداد تک وسعت دے ڈالی۔ اور ایک صدی سے زیادہ عرصہ تک حکومت کی۔ یہ لوگ مائل بہ تشیع تھے اس لئے ان کو دورِ حکومت میں تشیع کی تبلیغ میں اضافہ اور پھر تدریجی طور پر شعیت کا پودا سیستان وبلوچستان سمیت ایران کے اکثر علاقوں میں پھیل گیا۔ ساتویں صدی ہجری میں منگول بادشاہ ہلاکو خان نے عباسی خلافت کو ختم کر دیا پھر اس کی نسل میں سے سلطان محمد خدابندہ نے تشیع کا عقیدہ اختیار کیا اور باقی مذاہب کی طرح سے شیعہ مذہب نے بھی قانونی جواز کا درجہ پایا۔ حالانکہ اس وقت ایران میں اکثریت اہل سنت کی تھی لیکن شیعت کا پودا ایران کے بیشتر مقامات میں مشرق سے مغرب تک پھیلنے پھولنے لگا البتہ مذہب تشیع کا رواج اور دوسرے مذاہب کا زوال صفویوں کے دور میں دسویں صدی کے آغاز میں ہوا۔ ایران میں تشیع کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے اس نظریہ کی بھرپور تردید ہوتی ہے کہ اہل ایران نے سنی عربوں سے انتقام لینے کے لئے تشیع کا عقیدہ اپنایا تھا۔

اقلیت شیعہ و اکثرت تسنن

سوال: اگر مذہب شیعہ حق ہے تو پھر اقلیت میں کیوں ہے اور اکثریت مذہب تسنن کی پیروکار کیوں ہے؟

جواب: اکثریت نہ تو حقانیت کی علامت ہے اور نہ ہی اقلیت باطل ہونے کی نشانی ہے۔ جب ہم انبیائے کرام کی تاریخ پر نظر دوڑاتے ہیں تو ہمیں یہ دکھائی دیتا ہے کہ حضرت نوحؑ سے لے کر محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ تک ہمیشہ اہل اقلیت میں رہے ہیں۔ قرآن جس وقت انبیاء کی مستقل مزاجی کی جدوجہد کا تذکرہ کرتا ہے تو مسلسل دہراتا ہے کہ ان پر ایمان لانے والے بہت کم ہوتے تھے۔ قرآن کریم یہ بیان کرتا ہے کہ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کو نوسو پچاس برس تک دین کی تبلیغ کی تھی۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہے:

فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا (سورئہ عنکبوت ۱۴)

(وہ ان میں نوسو پچاس برس تک رہے۔) لیکن اس طویل ترین تبلیغ کا کیا نتیجہ برآمد ہوا؟ اس کا جواب قرآن مجید نے ان الفاظ میں دیا ہے:

وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ہ (سورہ ھود ۴۰)

(تھوڑے سے افراد کے علاوہ اس پر اور کوئی ایمان نہ لایا۔)

ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ہ (سورئہ سباء ۱۳)

(میرے بندوں میں شکرگزار افراد بہت ہی کم ہیں۔)

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو اکثریت کی پیروی کرنے سے خبردار کیا ہے اور فرمایا ہے:

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِى الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط(سورۃ الانعام/۱۱۶)

اگر آپؐ نے روئے زمین پر رہنے والی اکثریت کی اطاعت کی تو وہ آپؐ کو اللہ کی راہ سے گمراہ کر دیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا:

۱۰۳۔ق وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ہ (سورۃ یوسف/۱۰۳)

(آپ کتنی ہی کوشش کیوں نہ کریں پھر بھی لوگوں کی اکثریت ایمان نہیں لائے گی۔)

اہلِ باطل کی اکثریت ماضی کا قصہ پارینہ نہیں ہے۔ آج بھی دنیا میں اہل باطل کی اکثریت ہے۔ آپ دنیا کے ممالک کا جائزہ لیں تو آپ کو مسلمان کم دکھائی دیں گے اور غیر مسلم اکثریت میں دکھائی دیں گے۔ آپ چین کو دیکھیں جس کی اس وقت آبادی ایک ارب تیس کروڑ سے تجاوز ہے اور ہندوستان پر نظر کریں جس کی آبادی ایک ارب ہے۔ ان ممالک میں لوگوں کی اکثریت مادہ پرستوں اور بت پرستوں پر مشتمل ہے۔ اگر ہم مسلمانوں کی آبادی ایک ارب تیس کروڑ شمار کریں تو دنیا کی چھ ارب کی آبادی کے مقابلہ میں مسلمان اقلیت میں دکھائی دیں گے۔ ہم یہاں امیر المومنینؑ کا ایک قولِ زرین

پیش کرتے ہیں اس کا پس منظر یہ ہے کہ جنگ جمل کے موقع پر ایک شخص نے حضرت علیؑ سے عرض کیا: "آپ طلحہ وزبیر سے جنگ کرنا چاہتے ہیں جب کہ ان دونوں کو پیغمبرؐ کے عظیم صحابہ میں سے شمار کیا ہے؟" امامؑ نے جواب میں فرمایا: "تجھے مغالطہ ہوا ہے تو نے حق و باطل کا معیار افراد و شخصیات کو قرار دیا ہے یاد رکھو کہ حق و باطل کا معیار شخصیات نہیں ہوتیں حق کو پہچانو اہل حق کو پہچان لو گے اور باطل کو پہچانو اہل باطل خود بخود سمجھ میں آ جائیں گے۔" (شہید مطہری، جاذبہ و دافعہ امام علی۔ بحوالہ "علی و بنوہ" ڈاکٹر طہٰ حسین مصری)

یہ درست ہے کہ شیعہ باقی مسلمان آبادی کے مقابلہ میں اقلیت میں دکھائی دیتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ اپنے لئے دنیا میں ایک عظیم جمعیت کو تشکیل دیتے ہیں اور دنیا کے اکثر ممالک میں اثر و نفوذ رکھتے ہیں۔ علاوہ اس کے کہ ممالک ایران، عراق، آزربائیجان، بحرین اور لبنان میں شیعہ اکثریت میں ہیں ان ممالک کے علاوہ باقی ممالک میں بھی شیعوں کی قابلِ دید آبادی پائی جاتی ہے اور ہر جگہ ان کی مساجد، مدارس اور ادارے موجود ہیں ہم زیادہ تفصیل میں نہیں جانا چاہتے ہم صرف چند ممالک میں رہنے والے شیعوں کے اعداد و شمار کو پیش کرنا چاہتے ہیں۔ ہم نے یہ اعداد و شمار دائرۃ المعارف مسیحی جہان سے جمع کیے ہیں۔ اور آج جب کہ کئی سال گزر چکے ہیں یقیناً اس دوران شیعہ آبادی میں اضافہ ہوا ہے۔ لہذا ان اعداد و شمار کو تازہ ترین اعداد و شمار نہیں سمجھنا چاہیے۔

مندرجہ ذیل چارٹ ملاحظہ فرمائیں:

ملک کا نام	کل آبادی	مسلمانوں کی تعداد	شیعوں کی تعداد	شیعوں کا تناسب
ایران	۳۸۴۹۲۰۰۰	۳۷۶۹۴۰۰۰	۳۴۰۰۰۰۰۰	۹۸%
عراق	۱۳۱۴۵۰۰۰	۱۲۵۸۹۰۰۰	۷۵۰۰،۰۰۰	۸۸%

بحرین	۲۹۴۰۰۰	۲۷۳۱۰	۱۶۰۰۰۰	۸۰%
لبنان	۳۳۶۰۰۰۰	۲۰۰۰۰۰۰	۱۰۰۰۰۰۰	۵۰%
کویت	۱۴۳۹۰۰۰	۱۳۶۸۶۰۰	۶۷۰۰۰۰	۴۰%
پاکستان	۸۲۹۵۲۰۰۰	۸۰۳۲۰۳۵۰	۱۲۰۰۰۰۰۰	۲۵%
افغانستان	۲۲۰۳۸۰۰۰	۲۱۸۸۵۳۵۰	۱۳۰۰۰۰۰۰	۲۰%
ترکی	۴۵۳۶۳۰۰۰	۴۵۰۱۸۰۰۰	۱۵۰۰۰۰۰۰	۱۸%
سعودی عرب	۱۰۹۰۰۰۰۰	۱۰۷۶۸۰۰۰	۲۵۰۰۰۰۰	۲۰%
ہندوستان	۵۴۷۱۲۳۰۰۰	۸۰۵۴۰۰۰۰۰	۱۰۰۰۰۰۰۰۰	۳۰%
سابق سویت یونین	۲۶۸۱۱۵۰۰۰	۳۰۲۹۷۰۰۰	۴۰۰۰۰۰۰۰	۱۸%
سوریہ (شام)	۸۵۳۶۰۰۰	۷۶۳۵۸۵۰	۱۵۰۰۰۰۰	۲۰%
دیگر ایشیائی ممالک			۳۰۰۰۰۰	
براعظم امریکہ			۱۲۷۰۰۰۰	۱۵%
یورپ			۱۰۰۰۰۰۰	۱۸%
براعظم افریقہ			۴۰۰۰۰	۵%
آسٹریلیا			۱۰۰۰۰	۴%
کل آبادی	۴۳۷۴۰۰۰۰۰۰	۷۲۳۰۰۰۰۰۰	۴۵۰۰۰۰۰۰۰	

یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ قرنِ اول کی طرح سے آج بھی شیعہ جغرافیائی طور پر دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ (اٹلس کیمبرج مشرق وسطیٰ و شمال افریقہ ص ۳۹) شیعیت کے متعلق یہ تاریخی جغرافیہ مسلمان ممالک کے اعداد و شمار کو دیکھ کر مرتب کیا گیا ہے اور مرحوم اسماعیل فاروقی کی مرتب کردہ اطلس

تاریخی ادیان کے عین مطابق ہے۔ (متن میں مذکور منابع کے علاوہ عثمان مرفی کی کتاب "الشیعۃ فی المصر" ص ۴۷-۵۹ پر بھی اسے ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

An Atlas introduction to shia islam moojan Momen, world population History, Colin of Britannica World Everyday.

The cambridge Atlas of the Middle East and of Data world.

World al-Cultural Atlas of Islam, Ismael Ragi Africa, Faruqi

Religions, al-Faruqi and David Hisotrial Atlas of the E.north

Islam, Joseph Schacht and Bosworth Legacy of CE

The Muhammadan world north Africa Middle East and today

Muslim Minorities in and other eds)), S.M Zwemer the, The panguin today, M.Ali Kettani World Dictionary john R, the Worlds living Religions, Robert Hinnells(ed) Hume.

یہاں اس حقیقت پر بھی توجہ دینی چاہیئے کہ شیعہ ہمیشہ اپوزیشن اور حکمرانوں کے نظام کے مخالفت کے طور جانے جاتے رہیں اور سیاسی نظاموں نے شیعوں کو کچلنے اور تباہ کرنے کے لئے انہیں "روافض" کا نام دیا تھا اور ہر دور میں شیعوں کو کچلنے کے اقدامات کیے گئے۔ چنانچہ جب سلطان محمود غزنوی نے مشرق خراسان کو فتح کیا تو اس نے شیعوں اور معتزلہ کو سختی سے کچلا تھا۔ اس نے دونوں مذاہب کے پیروکاروں کا قتل عام کیا اور ان کے کتب خانوں اور علمی و تاریخی آثار کو تباہ کیا تا کہ تشیع اور معتزلہ کا کوئی نشان باقی نہ رہے اور اس کے برعکس اس نے اہل حدیث اور کرامیہ فرقے کو تقویت دی۔ وہ معتزلہ اور شیعوں کو اپنا ذاتی دشمن سمجھتا تھا۔ (خراسان کے ایک شخص عبداللہ بن کرام نے اپنی ریا کاری اور حیلہ و تدبیر سے بہت سے لوگوں کو اپنے مذہب کا گرویدہ بنایا تھا۔ سلطان محمد غزنوی بھی اس کے پیروکاروں میں سے تھا جس نے شیعوں اور اہل کلام پر مظالم کے پہاڑ توڑے تھے۔ (یادداشت ہائے قزوینی، حواشی، جلد ۷ ص ۶۰) بحوالہ لغت نامہ دھخدا) صلاح الدین ایوبی، نے فاطمیوں سے خیانت کے بعد مصر میں شیعوں کے قتل عام کا فیصلہ کیا تھا اور ان کے لاتعداد گروہوں کو قتل کیا تھا۔ (اعیان الشیعہ جلد ۳ ص ۳۰۔ مظفر، تاریخ الشیعہ ص ۱۹۲) حکومت عثمانی کے عہد میں سلطان سلیم نے نوح نامی ایک حنفی فقیہ کے فتویٰ پر ترکی میں چالیس ہزار شیعوں کے سر قلم کیے گئے۔ (**البلاد العربیہ والدلۃ العثمانیہ حصری** ۔ص ۴۰۔ اعیان الشیعہ جلد اول، ص ۳۰۔۳ وہاں چالیس ہزار کی بجائے ستر ہزار بیان کیا گیا ہے۔ شرف الدین عالمی الفصول المھمۃ ص ۱۴۰، طبع نجف۔)

لبنان میں جزار کی حکومت کے دوران جبل عامل میں خونی حمام وجود میں لائے گئے اور شیعوں کی منظم نسل کشی کی گئی۔ یہاں تک کہ ان کی کتابوں سے کئی عرصہ تک نانبائیوں کے تنور روشن کیے گئے۔ (دائرہ المعارف اللبنانیہ، فواد البستانی، در شرح حال ابراہیم یحییٰ۔) اتنی بار قتل عام کے بعد بھی اگر شیعہ ایک مضبوط ثقافت کے ساتھ موجود ہیں اور اسلام اور سائنس کے علوم میں اعلیٰ ترین قابلیت کے ساتھ دکھائی دیتے ہیں تو اسے خدائی معجزہ ہی کہا جا سکتا ہے اور یہ خدا کی خصوصی عنایت ہے کہ اس نے

اسلام حقیقی کے مظہر مذہب کو کسی تحریف کے بغیر پندرہویں صدی ہجری تک پہنچایا ہے اور خوش قسمتی ہے روز بروز اس کی روشنی میں اضافہ ہو رہا ہے اور زیادہ انسانوں کے دلوں کو منور کر رہا ہے اور تاریخ کے چہرے سے جہالت اور تعصب کے پردے ہٹا رہا ہے۔

اور تمام انسانیت کو یاد دہانی کرا رہا ہے کہ تمہاری مہذہبی بنیادی کتب کے مطابق بھی ہمارا امامؑ موجود ہے اور آنے ہی والا ہے جو تم کو دو جہانوں کی فلاح دے سکتا ہے اسی طرح ہمارے دوسرے امامؑ نے کربلا میں یزیدیت کا پردہ فاش کیا اور اسلام کو جلا بخشی اسی طرح ہمارا آخری امام یزیدیت یعنی ظلم کا قلع قمع کر دے گا اور اسی زمین کو جنت بنا دے گا۔

﴿حق الحقائق تاریخ آغاز شیعت:﴾

لہٰذا، تشیع کوئی نیا مذہب نہیں جہاں سے اسلام شروع ہوتا ہے وہیں سے شیعت کی بھی ابتدا ہوتی ہے۔ چمن آرائے شریعت یعنی سرکار خاتم الانبیاءؐ نے اسلام کے ساتھ ہی ساتھ اپنے ہی ہاتھوں یہ پودا لگایا، آبیاری کی اور خود حضورؐ ہی اس کی نگہداشت فرماتے رہے۔ پودا بڑھ کر ہرا بھرا درخت ہوا، اور رسولِ مقبول کی زندگی ہی میں پھو لنے بھی لگا، مگر پھلنے نہ پایا تھا کہ چراغ نبوت گل ہو گیا۔

﴿حدیث دیگران﴾

اس دعوے میں ہم منفرد نہیں بلکہ سوادِ اعظم کے بڑے بڑے علماء بھی ہمارے ساتھ شریک ہیں چنانچہ علامہ سیوطی اپنی مشہور تفسیر "درمنشور" میں بضمن قول باری تعالیٰ **هو خير البرية**۔ سورہ

بینہ۔پ۳۰۔آیت:۷(وہ یقیناً بہترین خلائق ہیں)تحریر فرماتے ہیں:"ابن عساکر جابر ابن عبداللہ کی زبانی بیان کرتے ہیں،ہم رسالت مآب کی خدمت میں حاضر تھے،کہ سامنے سے علیؑ نمودار ہوئے۔ پیغمبرؐ نے علیؑ کو دیکھ کر فرمایا۔"قسم ہے اُس پاک پروردگار کی جو میری جان کا مالک ہے کہ قیامت میں یہ اور"ان کے شیعہ ہی کامیاب رہیں گے"۔(**اخرج ابن عاسکر عن جابر بن عبداللہ قال کنا عندالنبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم فاقبل علی فقل لنبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم۔ والذی نفسی بیدہ ان ھذا وشیعتہ لھم الفائزون یوم القیمۃ۔** یہ حدیث صواعق محرقہ کے صفحہ ۹۳،اور ابن صباغ مالکی کی الفصول المہمہ کے صفحہ ۱۲۲ پر بھی مرقوم ہے۔)ابن عدی ابن عباس سے ناقل ہیں کہ جب آیہ وافی ہذا یہی"**ان الذین امنو و عملوا الصالحات**"نازل ہوئی تو حضرت ختمی مرتبتؐ نے علی ابن طالب سے ارشاد فرمایا کہ:

"اس سے مُراد تم اور تمھارے شیعہ ہیں،جو قیامت میں خوش وخرم ہوں گے"۔ابن مردویہ نے خود حضرت علی علیہ السلام کی زبانی اس حدیث کی روایت کی ہے۔حضرت کا بیان ہے کہ سرورِ عالم نے مجھ سے فرمایا۔"اے علیؑ!کیا تم نے خداوند عالم کا یہ ارشاد نہیں سُنا: ۲۶ **اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ط ہ** (جو لوگ ایمان لائے،اور جنہوں نے نیک عمل کیے وہ یقیناً بہترین خلائق ہیں۔سورہ بینہ پ۳۰۔آیت:۷)اس سے تم اور تمھارے شیعہ ہی مُراد ہیں۔میرا اور تم لوگوں کا وعدہ حوضِ کوثر پر پورا ہوگا،اور اس وقت جب کہ تمام اُمتیں حساب پیش کرنے کے لئے حاضر ہوں گی تم لوگ تابندہ جبیں،روشن قدم کہہ کر بلائے جاؤ گے"۔

یہ سیوطی کی ترقیم کردہ روایتیں تھیں۔

ابن حجر مکی نے بھی ان میں سے بعض احادیث کو دار قطنی کے حوالے سے صواعق محرقہ "میں درج کیا ہے، اور جناب اُم مسلمہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ اے علیؑ تمھیں اور تمھارے شیعان کو جنت نصیب ہوگی۔(**یا علی انت واصحابک فی الجنة۔**) ابن اثیر نے بسلسلۂ لفظ قمح لکھا کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ سے فرمایا: "بارگاہ ایزدی میں جب حاضری ہوگی تو تمھارے ساتھ تمھارے شیعہ بھی شاد مان آئیں گے اور دشمنوں کا یہ حشر ہوگا کہ غضب میں مبتلا اور ہاتھ پشت گردن سے بندھے ہوئے ہوں گے اس کے بعد آں حضرتؐ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو گردن کے پیچھے لے جا کر بتایا کہ دیکھو یوں بندھے ہوں گے" (**وفی حدیث علی قال له النبی ستقدم علی الله انت وشیعتک راضین مرضیین و یقدم علیه عدک غضابا "مقمحین" ثم جمع یده الیٰ عنقه یریهم کیف الاقماح**")۔ غالباً یہ حدیث ابن حجر نے "صواعق" میں بھی درج کی ہے (صواعق محرقہ، صفحہ ۱۵۹) اور دُوسرے علماء نے بھی اسے مختلف طریقوں سے نقل کیا ہے، جو اس کی شہرت کا ثبوت ہے۔ زمخشری کی "ربیع الابرار" میں سرکارِ دو عالم کا یہ ارشاد نظر آتا ہے:

"اے علیؑ قیامت کے دن دامن رحمت باریؑ میرے ہاتھ میں ہوگا، اور میرا دامن تمھارے ہاتھ میں، تمھارا دامن تمھاری اولاد تھامے گی اور تمھاری اولاد کے شیعہ ان کے دامن سے متمسک ہوں گے۔ اس کے بعد دیکھنا ہمارے لئے کیا حکم ہوتا ہے"۔ (**قال یا علی ازا کان یوم القیامت اخذت بحجزة الله واخذت انت بحجزتی واخذ ولدک بحجزتک واخذت شیعة ولدک بحجزتهم فتری این یؤم بنا**) "مزید اطمینان کے لئے مسند احمد بن حنبل اور خصائص نسائی وغیرہ کا مطالعہ سود مند ہوگا۔ جن میں ایسی حدیثوں کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔

﴿قابل غور﴾

مذکورہ احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ بارہا شیعیان علیؑ کا ذکر کرتے ہیں اور ان کی اس خصوصیت کی جانب بھی اشارے فرماتے ہیں کہ یہ قیامت کے دن محفوظ رہیں گے کامیاب ہوں گے اور خوش خوش نظر آئیں گے۔ اب قابل غور بات یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو خاتم المرسلین کو پیکر صداقت اور آیـــــہ **"ومایـنطق عن الهوی ان هو الا وحی یوحی"** کا مصداق سمجھتا ہے۔ کم از کم اس نے تو ان اقوال کو ضرور سرمایہ ایمان تصور کیا ہوگا۔ اور اگر کسی وجہ سے اس وقت رسولؐ کی پوری محفل علیؑ کا ساتھ دینے کے لئے نہ تیار ہوئی ہوگی تو کچھ اصحاب کرام تو یقیناً ان اوصاف سے متصف ہونے کیلئے علیؑ کا دم بھرنے لگے ہوں گے۔ تاریخی واقعات کی چھان بین کی جائے تو اس مفروضے کی خاصی تائید ہوتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عہد نبوی ہی میں بزرگ اصحاب کا ایک گروہ جناب امیرؑ کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے۔ پھر یہی نہیں بلکہ اس جماعت کا ہر فرد حضرتؑ کو اپنا روحانی پیشوا۔ تعلیم رسول ﷺ کا حقیقی مبلغ نیز احکام و اسرار نبوت کا واقعی شارح و مفسر بھی تسلیم کرتا ہے، اور شیعہ کے نام سے شہرت پاتا ہے۔

ارباب لغت بھی اس حقیقت کے حامی ہیں۔ مشہور فرہنگ "نہایہ" اور "لسان العرب" اٹھا کر دیکھے شیعہ کے معنی ہی یہ ملیں گے کہ یہ اس فرقہ کا اہم خاص ہے، جو علیؑ اور اولاد علی کا چاہنے اور ان کی پیروی کرنے والا ہو۔ اب اگر ہمیں یہ سمجھانے کی کوشش کی جائے کہ شیعہ سے مُراد ہر وہ شخص جو علیؑ سے محبت کرے یا آپ کا دشمن نہ ہو تو پھر اس لفظ کا استعمال ہی بے موقع ہو جائے گا کیونکہ صرف چاہنے یا عداوت نہ رکھنے سے ایک شخص دوسرے شخص کا شیعہ نہیں کہلایا جا سکتا، جب تک اس میں التزام کے ساتھ اقتداء اور اتباع کی خصوصیت نہ پائی جائے اور یہ ایک ایسی کھلی ہوئی بات ہے جسے عربی ادب کا معمولی سا ذوق رکھنے والے بھی آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ غالباً ان حقائق کے پیش نظر ہر معقول

"حدیث طائر "پروردگارا اپنے محبوب ترین بندے کو بھیج دے۔

(اللھم ائتنی باحب خلقک الیک (سنن ترمذی۔ صفحہ ۲۱۳) کل یہ علم اس مرد کو دوں گا جو خود بھی اللہ اور رسول کا چاہنے والا ہوگا اور اللہ اور رسول بھی اس کے چاہنے والے۔ (لاعطین الرایة غداً رجلا یحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ و رسولہ (مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۵، صفحہ ۳۵۳) علیؑ حق کے ساتھ ہیں اور حق علیؑ کے ساتھ۔ (علیٌ مع الحق والحق مع علیٌ) یہ اقوال زیادہ تر صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے ماخوذ ہیں اور ایسی ہی ہزاروں صحیح السند روایتیں موجود ہیں۔ اس مختصر سے رسالے میں اتنی گنجائش کہاں جو تفصیل کو جگہ دی جائے۔ شوق تحقیق رکھنے والے علامہ سید حامد حسین صاحب لکھنوی کی مشہور کتاب "عبقات الانوار" کا مطالعہ کر سکتے ہیں جو بلحاظ ضخامت وافادیت صحیح بخاری سے بڑی اور ہمارے تحقیقی مساعی کا صرف ایک شاہ کار ہے۔

«آل رسول ﷺ کے بعد»

لیکن جب نبوت کا چراغ بجھ گیا تو صحابہ کے ایک فریق نے یہ کوششیں شروع کر دیں کہ کسی طرح خلافت علیؑ کو نہ ملنے پائے۔ اس مخالفت کا سبب خواہ آپ کی صغرسنی ہو یا خاندان قریش کا یہ جذبہ رشک کہ نبوتؐ وامامتؑ بنو ہاشم کے گھر میں نہ جمع ہونے پائے یا کچھ اور اسباب ہوں، جن کے تذکرے کا یہ موقع نہیں! لیکن باتفاق فریقین جب مسلمانوں سے بیعت لی جا رہی تھی، اُس وقت علیؑ نے ابوبکر کے اقتدار کو تسلیم نہیں کیا۔ اور بقول فاضل بخاری (صحیح باب غزوہ خیبر) آپ نے چھ ماہ تک بیعت نہیں کی جس کا فوری اثر یہ ہوا کہ نبیؐ کے بڑے بڑے صحابی جیسے زبیر، عمار، مقداد وغیرہ نے بھی بیعت سے

انکار کردیا۔ یہ واقعہ ہے کہ تقریباً ہر شخص اس حقیقت سے آگاہ تھا کہ علیؑ کو نہ ریاست کی ہوس ہے اور نہ سلطنت کی تمنا۔

﴿امیر المومنینؑ کے پیش نظر صرف ایک مقصد تھا اور وہ یہ کہ دین سلامت رہے، حق کا سکہ چلے اور باطل فنا ہو جائے﴾

صاحب ذوالفقار ان ہی بلند احساسات کے زیر اثر محض احتجاج پر اکتفا کرتے ہیں اور مسند خلافت کو اُلٹنے کی کوئی تدبیر نہیں اختیار فرماتے بلکہ مصالح رشد و ہدایت کے پیش نگاہ بقائے اسلام اور نشر احکام کے سلسلہ میں ہمیشہ حکومت وقت کو اپنے زریں مشوروں سے مستفید کرتے رہے اور اگر علیؑ یہ مسلک اختیار نہ فرماتے تو نہ صرف اسلامی وحدت کا شیرازہ منتشر ہو جاتا بلکہ عوام پھر عوام پھر جاہلیت کی بھول بھلیوں میں گم ہو جاتے۔ شیعہ بھی اپنے امیر کی روش پر چلتے رہے۔ تقاضائے وقت ہی یہ تھا کہ تفریق سے کام نہ لیا جائے، اسی بناء پر خلفائے ثلاثہ کے دور میں اس فرقہ نے بحیثیت فرقہ اُبھرنے کی کوشش نہیں کی۔ البتہ دوستان علیؑ ہر حکمران کے طریق کار اور زمانے کے بدلتے ہوئے حالات کا خاموش مطالعہ کرتے رہے یہاں تک کہ قوم نے خود ہی علیؑ کو منتخب کرلیا امیر المومنینؑ تخت امارت پر متمکن ہوئے لیکن امیر معاویہ بغاوت پر آمادہ ہو گئے، اور انہوں نے صفین میں اپنی فوجیں بھر دیں!

﴿نشر و اشاعت﴾

صحابہ کی ایک جماعت تو پہلے ہی سے جانشین رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھی۔ یہ شورش دیکھ کر بقیہ اصحاب نے بھی آپ کی معیت اختیار کرلی۔ عمار یاسر خزیمہ ذوالشہادتین اور ابوایوب انصاری جیسے اسی

سلطنت کی تمنا۔

﴿امیر المومنینؑ کے پیش نظر صرف ایک مقصد تھا اور وہ یہ کہ دین سلامت رہے، حق کا سکہ چلے اور باطل فنا ہو جائے﴾

صاحب ذوالفقار ان ہی بلند احساسات کے زیر اثر محض احتجاج پر اکتفا کرتے ہیں اور مسند خلافت کو اُلٹنے کی کوئی تدبیر نہیں اختیار فرماتے بلکہ مصالح رشد و ہدایت کے پیش نگاہ بقائے اسلام اور نشر احکام کے سلسلہ میں ہمیشہ حکومت وقت کو اپنے زریں مشوروں سے مستفید کرتے رہے اور اگر علیؑ یہ مسلک اختیار نہ فرماتے تو نہ صرف اسلامی وحدت کا شیرازہ منتشر ہو جاتا بلکہ عوام پھر عوام پھر جاہلیت کی بھول بھلیوں میں گم ہو جاتے۔ شیعہ بھی اپنے امیر کی روش پر چلتے رہے۔ تقاضائے وقت ہی یہ تھا کہ تفریق سے کام نہ لیا جائے، اسی بناء پر خلفائے ثلاثہ کے دور میں اس فرقہ نے بحیثیت فرقہ اُبھرنے کی کوشش نہیں کی۔ البتہ دوستان علیؑ ہر حکمران کے طریق کار اور زمانے کے بدلتے ہوئے حالات کا خاموش مطالعہ کرتے رہے یہاں تک کہ قوم نے خود ہی علیؑ کو منتخب کر لیا امیر المومنینؑ تخت امارت پر متمکن ہوئے لیکن امیر معاویہ بغاوت پر آمادہ ہو گئے، اور انہوں نے صفین میں اپنی فوجیں بھر دیں!

﴿نشر و اشاعت﴾

صحابہ کی ایک جماعت تو پہلے ہی سے جانشین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی۔ یہ شورش دیکھ کر بقیہ اصحاب نے بھی آپ کی معیت اختیار کر لی۔ عمار یاسر خزیمہ ذوالشہادتین اور ابوایوب انصاری جیسے اسی

(۸۰) سر برآوردہ صحابی جو تقریباً سب کے سب بدری اور عقبی تھے۔ ابوتراب کی جماعت میں شامل ہو گئے اور ان میں سے اکثر نے اپنی جانیں امامؑ پر نثار کر دیں۔ بہر حال لڑائیاں ہوتی رہیں اور ساتھ ہی معاویہ کی ریشہ دوانیاں بھی بڑھتی گئیں۔ نتیجۃً علیؑ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ حاکم دمشق نے اطمینان کی سانس لی، مگر اب پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا۔ معاویہ کے شاہی ایوانوں سے اسلام رخصت اور قیصر و کسریٰ کی روایتیں پروان چڑھنے لگیں ایک طرف علیؑ کا مقدس طریق حیات، زاہدانہ اطوار، اعلیٰ کردار اور اس کے مقابلے معایہ کے بگڑے ہوئے رنگ ڈھنگ اور یہ ہوئے اسکے اثرات:

عمرو عاص اور "مصر کی تولیت!"

یزید اور "حادثۂ استخلاف!"

زیاد اور "واقعہ استلحاق!"

یہ ایسے غیر آئینی امور تھے جن سے "معاویائی ذہنیت" بری طرح آشکار ہو چکی تھی۔ پھر عیش و عشرت کے بڑھتے ہوئے طوفان نے تو گوشہ گوشہ نمایاں کر دیا۔ اللہ اللہ! کہاں اسلام کا بتایا ہوا سیدھا سادہ آئین زندگی اور کہاں فرزند ابوسفیان کا بازنطینی طمطراق۔ امیر معاویہ کے شاہانہ ارمان مسلمانوں کی گاڑھی کمائی سے پورے ہو رہے تھے۔ اُموی راج محل کا "سب رس" یعنی وہ پرتکلف دستر خوان جو آج بھی "ضرب المثل" ہے۔ شاہ جم جاہ کی لذت پرستی کا چنا ہوا ثبوت تھا۔ وزیر ابوسعید منصور ابن حسین آبی متوفی ۴۲۲ھ نے اپنی تالیف "نثرالدرر" میں ایک واقعہ لکھا ہے، موصوف تحریر فرماتے ہیں: احنف ابن قیس کہا کرتے ایک دفعہ میں امیر معاویہ کے پاس گیا تو انہوں نے میرے آگے انواع و اقسام کی اتنی غذائیں رکھ دیں جن کا شمار مشکل تھا۔ میں دیکھ کر حیران تھا کہ کھاتے کھاتے انہوں نے "خاصے" کی ایک چیز میرے طرف بڑھائی جسے میں پہچان نہ سکا دریافت کیا یہ کیا ہے؟ جواب ملا "یہ بھیجا بھری بطخ کی آنتیں ہیں۔ پہلے انہیں پستے کے تیل میں تل کیا گیا، اور پھر اُوپر سے مختلف

مصالحے چھڑک دیئے گئے" احنف کا بیان ہے کہ میں یہ سُن کر رونے لگا۔ معاویہ نے پوچھا۔ روتے کیوں ہو؟ میں نے جواب دیا، اس وقت مجھے علیؑ یاد آ گئے۔ ایک دن کی بات ہے۔ خدمت اقدس میں حاضر تھا، افطار کا وقت آ گیا۔

حضرتؑ نے ٹھہرنے کا حکم دیا۔ اتنے میں ایک سر بمہر تھیلی لائی گئی۔ میں نے سوال کیا۔ حضورؑ اس میں کیا ہے؟ ارشاد ہوا، جو کے ستو! عرض کیا، امیر المومنینؑ! چوری کا اندیشہ تھا یا شدت اقتصاد کے باعث تھیلی پر مہر لگائی ہے؟ فرمایا۔ ان میں سے کوئی وجہ نہیں۔ اس احتیاط کا سبب صرف یہ خیال ہے کہ کہیں میرے فرزند حسنؑ اور حُسینؑ ان ستوؤں میں گھی یا روغن زیتون نہ ملا دیں" میں نے پھر استفسار کیا "مولا! کیا گھی یا روغن زیتون کا استعمال ناجائز ہے؟ ارشاد ہوا، ناجائز تو نہیں لیکن آئمہ حق" کے لئے ضروری ہے کہ وہ خستہ حال عوام کی صفوں سے وابستہ رہیں تا کہ عسرت و افلاس اس افلاکت زدہ طبقے کو باغی نہ بنا دے۔ معاویہ نے کہا: احنف! تم نے اس وقت ایسے شخص کی یاد تازہ کر دی جس کے فضائل کا انکار مشکل ہے!" زمخشری کی "ربیع الابرار" وغیرہ میں ایسے اور ابھی واقعات موجود ہیں۔ ہاں! امیر معاویہ کے فساد نفس کو صرف انہی بے ضابطگیوں سے بھلا کہاں قرار مل سکتا تھا، بداعمالیوں کے منتہٰی تک پہنچنے کی آرزو دل میں چٹکیاں لے رہی تھی، چنانچہ انہوں نے امام حسن علیہ السلام سے جتنے عہد و پیمان کئے تھے، سب کی خلاف ورزی کی، اور بالآخر رسولؐ کے لخت جگر کو زہر دلوا دیا۔ اس روش اور ان حادثات کا ردعمل یہ ہوا کہ اسلامی حلقوں میں "شام" کی سیاست کو نفرت و حقارت کی نظروں سے دیکھا جانے لگا، اور کم از کم ارباب دیانت کو یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ امیر معاویہ قطعی طور پر صرف ایک مادی کثافت میں ڈوبا ہوا آدمی ہیں!

بلکہ معاویہ خود اس حقیقت کے معترف تھے۔ فاضل زمخشری کی "ربیع الابرار" میں تاجدار دمشق کا یہ قول اب بھی موجود ہے کہ: حضرت ابوبکر نے دنیا سے بچنا چاہا۔ اور دنیا ان سے بچتی

رہی۔ حضرت عمرؓ نے دنیا کو آزمایا، اور دنیا نے ان کی آزمائش کی۔ رہے حضرت عثمان تو انہوں نے دنیا پر خوب قبضہ جمایا۔ مگر دنیا بھی ہاتھ دھو کر ان کے پیچھے پڑ گئی۔ اور میں تو اسے فرش راحت بنانے کیلئے قدم قدم پر جان بچھاتا رہا پایان کار میں دنیا کا ہو گیا اور دنیا میری ہو گئی" مختصر یہ کہ ایک طرف تو لوگوں کے رجحانات بدل رہے تھے اور دوسری جانب پیغمبرؐ کے موجود الوقت صحابی جمہور اسلام کو علیؑ اور اولاد علیؑ کے ان فضائل سے واقف کرا رہے تھے۔

جو انہوں نے رسولؐ کی زبان فیض ترجمان سے سُنے تھے۔ اُن خصوصیات کا انکشاف کر رہے تھے جو انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی تھیں۔ وہ منظر کسے یاد نہ ہو گا کہ حبیبؐ خدا اپنے چہیتے نواسوں کو پشت مبارک پر بٹھائے ہوئے ہیں اور فرماتے جا رہے ہیں: "کیا کہنا تمھاری سواری کا، بہترین سواری ہے، اور کیا کہنا تمھارا، بہترین سوار ہو" نیز قالب وحی میں ڈھلے ہوئے یہ الفاظ کہ "**حسنؑ و حسینؑ** جوانان جنت کے سردار ہیں" کیا رہ رہ کر اپنی اپنی اشاعت کا تقاضا نہ کرتے ہوں گے؟ حقیقتیں پھیلنے کا حق رکھتی ہیں، اور احساس حق رکھنے والے انہیں پھیلانے کے آرزومند تھے۔ اس صورت حال کا یہ اثر ہوا کہ عام کلمہ گو تشیع کی جانب مائل ہونے لگے، اور اس فرقے کیلئے ترقی کی راہیں کُھل گئیں۔

«سب سے بڑا سبب آشکار الحقائق»

لیکن درحقیقت شیعیت کے فروغ کا سب سے بڑا سبب وہ خونی واقعہ ہے جس نے اسلامی دنیا میں ایک عظیم انقلاب برپا کر دیا۔ ۶۱ ھ کا یہ دردناک سانحہ جسے المیہ کربلا کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اپنی نوعیت کے لحاظ سے تشیع کی نشر و اشاعت میں بہت موثر ثابت ہوا۔ شہادت حُسینؑ کے اثرات نے عمومیت اختیار کر لی۔ زید ابن ارقم، جابر ابن عبداللہ انصاری، سہل ابن سعد ساعدی اور انس ابن

مالک جیسے صحابہ بھی زندہ تھے، فرط درد سے تڑپ اُٹھے، اور فرض و محبت، فضائل اہل بیتؑ کی تشہیر میں انہوں نے اپنی سرگرمیاں اور تیز کردیں۔ اموی جفاؤں نے ان کا پیچھا کیا، اور یہ بقیۃ الصحابہ بھی سیف وسم" کا شکار ہو گئے۔ لیکن

"آہ مظلوم اثر رکھتی ہے!"

یہ واقعات ایسے نہیں تھے کہ قوم ان پر غور نہ کرتی، غور کیا اور اچھی طرح جس کا نتیجہ یہ برامد ہوا کہ لوگ جوق در جوق علیؑ اور اولادِ علیؑ کا دم بھرنے لگے، نیز شیعوں کی عددی قوت میں غیر معمولی اضافہ ہونے لگا جس سُرعت سے بنوامیہ کا ظلم بڑھ رہا تھا، اسی رفتار سے عام قلوب میں اہل بیتؑ کی محبت جاگزیں ہوتی جا رہی تھی، آل امیہ نے بہت ستایا، جی بھر کے ستم ڈھائے لیکن ہر عمل کا ردعمل ہوتا ہے۔ اموی مظالم کا بھی ردعمل ہوا اور بڑی شدت سے!

﴿مشہور محدث، فقیہ اور ادیب عمر ابن عامر شعبی متوفی ۱۰۴ھ اپنے لڑکے سے کہتے ہیں:﴾

"بیٹا! دین نے جن قدروں کو بلند کیا، دنیا ان کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔ مگر دنیا نے جن چیزوں کو بنایا سنوارا، انہوں نے دین مٹا کر رکھ دیا، علیؑ اور اولادِ علیؑ ہی کے حالات پر غور کرلو۔ امیہ زادوں نے کیا کچھ نہیں کیا؟ ان کی فضیلتوں پر پردے ڈالے، حقیقتوں کو چھپانے کی کوشش کی اور **اپنے اسلاف کے گن** گانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا، مگر "اُلٹی ہو گئیں سب تدبیریں" **یعنی آل امیہ کی آبرو مٹی میں مل** گئی، اور آل محمدؐ کا نام روشن سے روشن تر ہوتا چلا گیا۔" **شعبی باوجود یہ کہ** علیؑ کے دشمن کی حیثیت سے

شہرت رکھتے تھے، مگر یہ کلمہ حق ان کی زبان سے نکلا، اور تاریخوں میں محفوظ ہوگیا۔

﴿مزید اسباب﴾

زمخشری نے "ربیع الابرار" میں شعبی کا یہ بیان بھی درج کیا۔ "عجیب کشمکش کا عالم تھا۔ علیؑ سے محبت کرتے تو قتل کا اندیشہ تھا، اور عداوت باندھتے تو ہلاکت کا یقین!" الغرض مصائب و آلام کا تانتا بندھا رہا۔ یہاں تک کہ سفیانی تخت مروانی حاکم بعد المالک کے قبضے میں چلا گیا۔ معلوم ہے یہ عبدالملک کون تھا؟ اُف! وہ شقی جس کے حکم سے حجاج نے خانہ کعبہ کو ڈھا کر اس میں آگ لگائی۔ جوار حرم میں رہنے والوں کو بے جھجک تہ تیغ کیا۔ عبداللہ ابن زبیر کو مسجد الحرام میں قتل کر کے اس مقدس زمین کی حُرمت کو خاک میں ملایا اپنے چچازاد بھائی سعید ابن اشدق سے عہد و پیمان کر کے اس کی جان لے لی۔

﴿سچ کہنا کلمہ گو یو! ایسے سنگین جرائم کا ارتکاب کرنے والے کو مسلمان بھی کہا جاسکتا ھے"؟﴾

چہ جائیکہ خلیفۃ المسلمین؟ الحاصل آل مروان کی پوری حکومت اسی ڈگر پر چلتی رہی اور عمر ابن عبدالعزیز کے علاوہ سب کے یہ نقشے رہے۔ اس کے بعد بنی عباس کا دور شروع ہوتا ہے۔ ان کے دور نے تو ماضی کے عصر ستم کو بھی مات دے دی۔ اُس وقت کا ایک شاعر کہتا ہے۔

یالیت جوربنی مروان دام لنا
ولیت عدل بنی العباس فی النار

"کاش! ہم ہمیشہ آل مروان کی جفائیں سہتے رہتے اور کاش! ان عباسیوں کا عدل وانصاف جہنم واصل ہو جاتا۔"

کس بیدردی سے سادات کا خون بہایا گیا، کن کن طریقوں سے انہیں ملیا میٹ کرنے کی کوششیں کی گئیں؟ اس وقت کا ادب دیکھنے سے وہ تصویریں آنکھوں کے سامنے آجاتی ہیں۔ شعراء نے مختلف پہلوؤں سے ان کے مظالم کو بے نقاب کیا ہے۔ عہد متوکل کے ایک سخنور نے کتنی سچی تصویر کھینچی ہے کہتا ہے۔

تاللہ ان کانت قداتت قتل ابن ننت نبیھا مظلوما
فلقد اتته بنوابیه بمثله ھذالعمر ک قبره مھدوما
اسفواعلیٰ ان لا یکونواشار کوافی قتله فتتبعوه رمیما

"خدا گواہ ہے۔ اگر آل امیہ نے رسولؐ کے نواسے کو ظلم سے شہید کر ڈالا تو عباسی جو اپنے تئیں عم رسولؐ کی اولاد کہتے ہیں، کسی طرح بھی ستم آرائی میں اُموی خاندان سے پیچھے نہیں رہے۔ دیکھو نا! ان جفا کاروں نے تو مظلوم کی قبر تک مسمار کر ڈالی"

"ہاں ہاں! بنی عباسی پچھتاتے ہیں، دست تاسف ملتے ہیں کہ انہوں نے بنوامیہ کے دوش بدوش حسینؑ کا خون ناحق بہانے میں کیوں حصہ نہ لیا، اور اب مظلوم کی لحد مسمار کر کے تلافی مافات کی کوشش کی ہے۔" بنواُمیہ۔ آل مروان اور سلاطین عباسیہ کی سیرت کے یہ چند نمونے تھے۔ اب اگر اس کے مقابل آپ علیؑ اور اولاد علیؑ کی پاکیزہ زندگی پر ایک نگاہ ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ شیعت کیوں پھیلی؟

نیز یہ حقیقت بھی واضح ہو جائے گی کی تشیع ایرانیوں کی جدت طرازی اور سبائیوں کی کرشمہ سازی ہے یا اسلام اور محمدؐ کا بتایا ہوا سیدھا سادہ راستہ ہے۔ **کوئی ہے مادر گیتی جو یہ کہہ سکا ہو کہ علیؑ کی پاکیزہ اولاد نے کسی کو دھوکہ دیا ہو جھوٹ بولا ہو یا دنیا سے محبت کا طلبگار رہا ہو؟؟؟**

«فرزندان علی علیہ السلام»

سید الشہداء حضرات امام حُسین علیہ السلام کے بعد علوی خاندان کے سربراہ امام زین العابدین علیہ اسلام ہوئے۔ دنیا جانتی ہے کہ واقعہ کربلا کے اثر سے آپ بالکل گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ زندگی کا بیشتر وقت یا تو عبادت الٰہی میں گزرتا، یا تربیت اخلاق اور تہذیب نفس کا درس دیتے رہتے تھے۔ حسن بصری، طاؤس یمانی، ابن سیرین اور عمرو ابن عبید جیسے مشہور زاھد و عارف اسی مکتب کے فیض یافتہ ہیں۔ اس سلسلہ میں یہ نکتہ بھی قابل ذکر ہے کہ سید سجادؑ کی اخلاقی درس گاہ سے مسلمانوں کو بروقت اور زبردست مدد ملی، کیوں کہ ابنائے زمانہ حق اور حقیقت کے رستوں سے کوسوں دُور پڑ گئے تھے: امامؑ نے مسلمانوں کے ضمیر روشن کر دیئے!

«عہد زرین»

صادق آل محمدؐ کا زمانہ نسبتاً موافق تھا۔ کیونکہ اُموی اور عباسی حکمران تھک چکے تھے۔ حکومتوں میں اضمحلال پیدا ہو گیا تھا۔ علانیہ ظلم و ستم کے مواقع ذرا کم ہو گئے تھے۔ بنا بریں دبی ہوئی صداقتیں، اور چُھپی ہوئی حقیقتیں سورج کی طرح اُبھریں اور روشنی کی طرح پھیل گئیں۔ خوف و خطر کے باعث جو لوگ تقیہ میں تھے، وہ بھی کُھل گئے، فضا موافق تھی اور راہیں ہموار۔ امامؑ عالی مقام نے تبلیغ و تلقین میں رات اور دن ایک کر دیئے۔ ہاں! تبلیغ و تلقین کا وہ سلسلہ جس کا تعلق محمدؐ و آل محمدؐ کی تعلیمات سے تھا، قائم فرمایا

درس حق عام ہوا، اس عہد کو تشیع کی نشر و اشاعت کا زریں دور کہا جاتا ہے۔ کیونکہ قبل ازیں عام مسلمان اس کثرت سے اور کھلم کھلا شیعیت کی جانب رجوع نہیں ہوئے تھے۔ دریائے فیض جاری تھا، تشنگان معرفت خود بھی سیراب ہوتے تھے اور دوسروں کی بھی پیاس بجھاتے تھے۔

«بقول ابو الحسن وشاء:»

"میں نے اپنی آنکھوں سے مسجد کوفہ میں چار ہزار علماء کا مجمع دیکھا ہے اور سب کو یہ کہتے سنا ہے کہ حدثنی جعفر ابن محمد "یعنی یہ روایت مجھ سے جعفر صادق علیہ السلام نے بیان فرمائی ہے" بہرکیف بنو امیہ اور بنو العباس کی بے پناہ جاہ طلبی طوفانی تشدد، حد سے گزری ہوئی دنیا پرستی پھر غیر محدود رنگ رلیاں اور اس کے برعکس فرزندان علیؑ کی علم دوستی عبادت گزاری، حق پسندی اور غلط سیاست سے احتراز یہ ایسے صریح اور قوی عوامل تھے جو تشیع کے دامن کو وسیع سے وسیع تر کرتے چلے گئے۔ دیکھئے! یہ بالکل سامنے کی بات ہے کہ دنیا والے جی بھر کر دنیا پر جان چھڑکتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ان کے دلوں میں علوم و معارف اور امور دین کی عظمت کا احساس ہوتا ہے، اور ہم جس زمانے کا تذکرہ کر رہے ہیں وہ تو عہد رسالتؐ سے قریب بھی تھا۔ نیز مسلمانوں کے دل و دماغ ان تاثرات سے مملو تھے کہ اسلامی نظام زندگی بے شمار برکتوں کا حامل ہے۔ قرآنی تعلیم سے انہیں وہ فیوض حاصل ہوئے جن کا تصور بھی قبل ازیں ان کیلئے محال تھا۔ قیصر و کسریٰ کو اسلام ہی نے فتح کیا اسلام ہی کے نام پر وہ شرق و غرب عالم کے مالک بنے۔ علاوہ اس کے وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اس مذہب میں کافی حد تک وسعت نظر موجود ہے۔ طریقے جائز ہوں تو یہ دنیوی مال و متاع حاصل کرنے سے بھی کسی کو نہیں روکتا۔ یہ دین کیا ہے سراپا رحمت ہے!

غرضیکہ یہ قلبی احساسات چھپے ہوئے تھے جو عوام کو علوم دین کی جانب متوجہ کرتے

رہے۔ رغبت کامل نہ سہی لیکن قدرے شوق ضرور ہوگا کچھ چاہتے ہونگے کہ ہم اپنی حیات اجتماعی کو احکام شریعت کی روشنی میں سنوارلیں۔ بعضوں کی یہ تمنا ہوگی کہ ہمارا معاشرہ اسلامی رنگ میں رنگ جائے اور کس کا یہ ارمان ہوگا کہ کم ازکم ہماری گھریلو زندگی ہی صحیح قوانین کے مطابق ہوجائے مگر یہ معارف حاصل کہاں سے کرتے؟ ان کجکلاہوں کے دربار سے جو خلیفۃ المسلمین کے تمغے لگائے ہوئے تھے اور بس؟ لیکن وہاں تو ان قدروں کا گزر بھی نہ تھا! پھر کدھر جاتے؟ ہاں! جنہوں نے ڈھونڈھا انہوں نے پایا، اوران کی مُراد پوری ہوئی۔ آل محمدؐ قرآن کا مخزن اور دانش وآگہی کا معدن تھے۔ ان ہی خوبیوں کے باعث عوامی ذہن پر نہ صرف ان کی برتری کے نقوش ثبت ہوگئے۔ بلکہ یہ عقیدہ بھی مسلمانوں کے دلنشیں ہوتا چلا گیا کہ رسول مقبولؐ کے سچے وارث یہی ہیں اور امامت ان ہی کا حق ہے۔

«خلوص کامل»

پھر یہ عقیدہ اس درجہ مستحکم ہوتا گیا کہ اس جماعت میں شریک ہونے والے دُنیا کے ہر خطرے کو ہیچ سمجھنے لگے۔ اکثر شیعہ تو عملی طور پر اتنے جری، جاں باز اور احساس فدویت سے سرشار نظر آتے ہیں کہ جس کی کوئی حد نہیں مثلاً حجر ابن عدی کندی، عمرو ابن حمق خزاعی، رشید ہجری، میثم تمار اور عبداللہ ابن عفیف ازدی وغیرہم یہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے مختلف مواقع پر باطل پرستوں سے باقاعدہ ٹکر لی۔ اچھا خاصہ مقابلہ کیا۔ اگر چہ کہ مخالف عنصر مادی اعتبار سے کافی مضبوط تھا مگر ان کی اخلاقی قوت نے، وہ کردکھایا جو بڑے سے بڑے لشکر سے بھی نہ ہوسکتا۔ یعنی ان کی قربانیوں سے ایک طرف تو قصر ستم میں زلزلہ آگیا۔ اور دوسری جانب عوامی ذہن وفکر کے رُخ بدل گئے!

«"اب کوئی بتائے کہ یہ سرفروش کیوں اس طرح موت سے کھیلتے رہے"؟»

آلِ محمدؐ سے کسی دنیاوی فائدے کی اُمید تھی؟ یا جان و مال کا خوف لاحق تھا؟ تاریخ دونوں سوالوں کا جواب نفی میں دے گی۔ کیونکہ فرزندانِ مُرتضیٰ تو مادی وسائل کے اعتبار سے خود ہی بے چارگی کے عالم میں تھے لہذا کیا دیتے اور کیا لیتے؟ کچھ نہیں ایمان کی بات تو یہ کہ ان مجاہدوں کے نورانی دل، یقینِ محکم اور خلوصِ کامل کے پاکیزہ جذبوں سے معمور تھے، اور یہی جذبے وقت پر بھرے دریا کی طرح اُمنڈنے لگتے تھے علاوہ ازیں پہلی صدی اور دوسری صدی ہجری کے ادباء پر ایک نگاہ ڈال کر دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ اُمید وبیم کے باوجود شعرائے وقت شاہانِ عصر اور ان کے بے راہ روی سے بے زاری کا اظہار کرتے دکھائی دیتے ہیں، اور اہلبیتؑ مصطفویؐ کی تعریف میں وجدانی کیفیت میں ہیں۔ حالانکہ شاعر اپنے بخت بگڑتے کو زیادہ دیکھتا ہے مگر بایں ہمہ اس کے افکار خلفائے زمانہ کے خلاف اور آئمہ حق کے موافق ظاہر ہوتے ہیں، فرزدق، کمیت، سید حمیری، دعبل، دیک اجن اور ابو تمام بحتری سے لے کر ابو فراس حمدانی تک غور کرتے چلے آیئے، سب کے سب عترت طاہرہؑ کی مدح و ثنا میں ڈوبے ہوئے ملیں گے۔ ابو فراس کے مقبول عام قصیدے کا یہ شعر

الدین مخترم والحق مهتضم وفی ال
رسول الله مقتسم

(دین ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ حق نشانہ ستم بن گیا۔ اور آلِ رسولؐ کا حصہ آپس میں بانٹ لیا گیا)

زبان حال سے واضح کررہا ہے کہ اس عہد کے ادیبوں پر کیا اثر تھا۔

دعبل کہتے ہیں کہ " چالیس برس سے میں اپنی موت کا سامان (تختہ دار) لئے پھر رہا ہوں، مگر ابھی تک کسی نے قاتل بننا منظور نہیں کیا۔" دعبل نے رشید، امین، مامون اور معتصم کی خُوب خُوب ہجو کی، اور اس کے برعکس امام جعفر صادق، امام موسیٰ کاظم اور امام رضا علیہم السلام کی شان میں بڑے بڑے قصیدے نظم کئے۔ جو کافی مشہور ہیں۔ آخر یہ تمام کے تمام بے سبب اپنی جان جوکھوں میں ڈال رہے تھے؟ بے مقصد اپنے عیش و آرام کو مٹی میں ملا رہے تھے؟ کوئی توجہ ہوگی؟ جب ہم اسباب و علل کا جائزہ لیتے ہیں تو آثار اس کے سوا اور کچھ نہیں بتاتے کہ یہ آل رسولؐ کی صداقت تھی جو سوچنے سمجھنے والے دماغوں کو سر بفلک زریں ایوانوں سے متنفر اور آیہ مودت کی جانب مائل کرتی جارہی تھی۔ یہ سلسلہ اور آگے بڑھ سکتا ہے مگر ایضاً مطلب کے لئے مزید خامہ فرسائی کی ضرورت نہیں۔ بس! اس تمہید کا مقصد یہ تھا کہ تشیع کی ابتداء اور ارتقاء کے متعلق چند حقائق معلوم ہوجائیں اور غالباً اس ضمن میں کوئی بات مبہم نہیں رہی ہوگی۔ ایک سچی روداد تھی جسے نہایت اختصار کے ساتھ ہم نے پیش کردیا، اور پھر اعادہ کئے دیتے ہیں کہ شیعیت کا آغاز خود نبی کریمؐ کے ہاتھوں ہوا، اور اس کی نشر و اشاعت حالات و واقعات کی ایک زنجیر ہے جس کی ہر کڑی دوسری کڑی سے مربوط اور اسباب و علل کا ایک سلسلہ ہے جس کا ہر حلقہ دوسرے حلقہ سے متصل ہے۔

شیعیت کا بانی

عبداللہ بن سباح ھے

ڈاکٹر حماد حنیف داود قاھرہ یونیورسٹی کی تصدیق سازش:

تاریخ اسلام کی چودہ صدیاں اختتام کو پہنچی ان چودہ صدیوں کے دوران ہمارے دانشوروں کے ایک گروہ نے حتی الامکان شیعوں کے خلاف آواز اٹھائی ہے اور حقائق کو اپنی نفسانی خواہشات سے مخلوط کیا ہے اس ناپسندیدہ روش کی وجہ سے اسلامی فرقوں کے درمیان گہرے اختلافات پیدا ہوئے ہیں، نتیجہ کے طور پر شیعہ دانشوروں کے فکر و اندیشہ کے گوہر کو حقیر سمجھا گیا ہے اسی روش کی بنا پر علمی دنیا کو زبردست نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ شیعہ دانشوروں کے افکار سے علم محروم رہا ہے کیونکہ دشمنوں نے شیعوں کے پاک و صاف دامن کو داغدار بنا کر انہیں ایک تو ہمات و خرافات کے حامل گروہ کے طور پر پہچنوایا ہے۔ بے شک ہم شیعوں کے صاف و شفاف علمی چشمہ نور سے ایک گھونٹ پی سکتے تھے نیز اس مذہب کے سرمایہ سے فائدہ اٹھا سکتے تھے، لیکن افسوس کہ ہمارے گزشتہ دانشوروں نے تعصب سے کام لیا اور علق کو ھوا و ہوس پر ترجیح نہیں دی، اے کاش کہ وہ لوگ قل کی پیروی کرتے اور جذبات کے کھلونے نہ بنتے!! جو کوئی تعصب کے عینک کو اتار کر فقہی مباحث کیلئے اقدام کرے اور فقہ مذاہب چہارگانہ پر تحقیق کرے۔ وہ شیعہ فقہ سے بھی استفادہ کرنے پر مجبور ہے اور بے شک جب فقہ اہل سنت پر تحقیق کرے تو اس وقت شیعہ فقہ کا بھی مطالعہ کرنا چاہئے اور اس سے آگاہ ہونا چاہئے۔ ہم کب تک خواب غفلت میں

رہیں گے؟!

﴿کیا فقہ شیعہ کے پرچم دار، امام جعفر صادق علیہ السلام (وفات ۱٤۸ھ) سنی مذہب کے دو اماموں کے استاد نہیں تھے؟﴾

یہ دو امام اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ انہوں نے اس مکتب میں زانوئے ادب تہہ کیا ہے۔

ابوحنیفہ، نعمان بن ثابت (وفات ۱۵۰ھ) کہتے ہیں:

"لولا السنتان لهلك النعمان"

اگر امام صادق علیہ السلام کے درس میں دو سال شرکت نہ کی ہوتی تو بے شک میں ہلاک ہوجاتا، اور دین سے منحرف ہوتا۔

اس کی مراد وہی دو سال ہیں جس میں انہوں نے حضرت امام صادق علیہ السلام کے علم کے میٹھے اور لازوال چشمہ سے استفادہ کیا ہے۔

اور یہ مالک بن انس ہیں جو واضح طور پر اعتراف کرتے ہیں:

"ما رايت افقه من جعفر بن محمد"

میں نے جعفرؑ بن محمد سے فقیہ تر کسی کو نہیں دیکھا ہے۔ (وفات ۱۷۹ھ)

انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ علم کے بارے میں صرف دور سے کچھ سننے والوں نے اپنے آپ

کو دانشور سمجھ کر اپنے قلم سے تحقیق کی بنیادوں کو اکھاڑ کر حق و حقیقت کو اپنی نفسانی خواہشات پر قربان کیا ہے، نتیجہ کے طور پر گلستان علم کے دروازے ان پر بند ہو گئے اور اس طرح وہ شمع معرفت کے نور سے محروم ہو گئے ہیں۔ اس مذموم روش نے فتنہ کو آگ کو بھڑ کانے کے علاوہ مسلمانوں میں، دن بدن اختلافات کو بڑھاوا دیا ہے۔ افسوس کہ ہمارے استاد "احمد امین" ("فصل" پیدائش افسانہ دور راویان آن، شمارہ ہفتم، کی طرف رجوع کیا جائے تو وہاں پر احمد امین کی باتوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس نے جو کچھ لکھا ہے جس کا سبب شیعوں کے ساتھ اس کی دشمنی اور کینہ ہے) یہ بھی انہیں افراد میں سے تھے، جنھوں نے معرفت کے نور سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا اور ظلمت کے پردوں کے پیچھے زندگی بسر کرتے رہے، یہ وہ کرنیں ہیں جو تشیع کے سورج سے چمکی ہے اور جہالت کی تاریک رات کو نور میں تبدیل کر کے اسلام کے عظیم تمدن کو اس وقت وجود بخشا، جبکہ دوسرے لوگ بہت پیچھے تھے۔ تاریخ نے اس ناپاک رویہ کی بنا پر، احمد امین اور ان جیسے تمام اساتذہ اور دانشوروں کے دامن پر عظیم داغ لگا دیا ہے، جنھوں نے آنکھیں بند کر کے تعصب کی وادی میں قدم رکھا ہے، یہ دانشوروں اور محققین کا طریقہ کار نہیں ہے اور جمود کی بیڑی کو اپنی فکر کے پاؤں سے نہ اتاریں اور بے جا تعصب سے کام لے کر آنکھیں بند کر کے کسی مذہب کی پیروی کریں!!

ان کی فکر و قلم سے بہت ساری غلطیاں اور لغزشیں سرزد ہوئی ہیں اور انہیں الجھن اور بدحواسی سے دوچار کیا ہے، شاید مذکورہ داستان اس کی ایک مثال ہو سکتی ہے۔ انہوں نے جھوٹ بول کر بعض مطالب کو شیعوں سے نسبت دیکر ان کے دامن کو داغدار بنا دیا ہے ہم نے ان میں سے بعض کی طرف اپنی کتاب میں اشارہ کیا ہے۔ (ڈاکٹر حامد حفنی داؤد کی کتاب "مع احمد امین" کے مقدمہ کی طرف رجوع کیا جائے) انہوں نے تصور کیا ہے کہ جتنے بھی خرافات اور جعلی چیزیں اسلام کی تاریخ میں موجود ہیں، سب کی سب شیعہ علما کی گڑھی ہوئی ہیں اور انہوں نے اپنے خود ساختہ گمان سے شیعوں پر حملہ کیا

اوران کو برا بھلا کہا ہے۔جلیل القدر محقق "جناب مرتضٰی عسکری" نے کتاب "عبداللہ بن سبا" میں کافی دلائل مکمل طور پر ثابت کیا کہ "عبداللہ بن سبا" ایک خیالی اور جالی راوی حدیث موجود ہے۔(کتاب سہ جلد اُردو میں ہر جگہ دستیاب ہے) تاریخ نویسوں نے جو حکایتیں بیان کی ہیں اوران کی بناء پر اسے (عبداللہ بن سبا) مذہب شیعہ کا مروج (خودغرض مورخین نے اسے شیعہ مذہب کا بانی و مروج خیال کیا ہے) بیان کیا ہے البتہ یہ جھوٹ کے علاوہ کچھ نہیں ہے،مورخین نے ان گڑھی ہوئی داستانوں کو اس لئے مرتب کیا ہے تاکہ فریب کاری کے جال کو پھیلا کر شیعوں پر حملے کر کے بے جان ان کے خلاف تہمت و افتراء پردازی کریں۔

ہم عصر دانشور، جناب مرتضٰی عسکری نے اپنی کتاب میں اپنی فکر واندیشہ کے سہارے تاریخ کے سمندر میں غوطہ لگا کر، بہت سی کتابوں کا مطالعہ فرمایا اور انتہائی تلاش وجستجو کے بعد اس سمندر سے کافی مقدار میں موتی لے کر ساحل تک آئے ہیں۔انہوں نے زیر بحث حقائق کو ثابت کرنے کیلئے نزدیک ترین راستہ طے کیا ہے،شیعوں کے مخالفوں نے بحث کے دوران ان کے ہی بیانات کو مآخذ قرار دیکر ان کی باتوں کو باطل ثابت کرتے ہیں۔تاریخ اسلام کے آغاز سے عصر حاضر تک "سیف بن عمر" کی روایتوں نے مورخین کو الجھا رکھا ہے جو عام طور پر قابل اعتماد ہیں،اس کتاب میں ان روایتوں کے بارے میں ایک گراں بہا تحقیق کی گئی ہے کہ قارئین بڑی آسانی سے انہیں سمجھ سکتے ہیں۔خدا کی حکمت اسی میں ہے کہ بعض محققین مردانہ وار قلم ہاتھ میں اٹھا کر حقائق سے پردہ اٹھائیں،اور اس راستہ میں دوسروں کی سرزنش اور ملامت کی پرواہ نہ کریں۔

السید علامہ مرتضٰی عسکری پہلی شخصیت ہیں جس نے اپنی گہری تحقیقات کے نتیجہ میں اہل سنت محققین کو اس امر پر مجبور کیا ہے کہ وہ طبری کی کتاب "تاریخ طبری" کے بارے منصفانہ نظر کریں، نیز

انہیں اس بات پر مجبور کیا ہے کہ اس کتاب اور تاریخ کی دوسری بنیادی کتابوں کے بارے میں ازسر نوتوجہ سے غور کرتے ہوئے اور خوب وبد کو ایک دوسرے سے جدا کریں، مزید ان تاریخ کے حوادث کے بارے میں بھی نئے سرے سے غور کریں، جنہیں وہ نازل شدہ وحی کے مانند صحیح اور ناقابل تغیر سمجھتے تھے!! علامہ السید مرتضی عسکری نے کافی، واضح اور روشن شواہد کی مدد سے ان تاریخی واقعات سے ابہام کے پردے کو ہٹا دیا ہے اور حقیقت کو اس کے متوالوں کیلئے آشکار کیا ہے حتی کہ بعض حقائق انتہائی بھیانک اور حیرت انگیز دکھائی دیتے ہیں کیونکہ ایک عمر کی عادات ورسومات چند صدیوں کی اعتقادی میراث کے مخالف ہیں، لیکن حق کی پیروی کرنا لازم وواجب ہے ہر چند کہ یہ امر دشوار ہو "الحق الحق" ان مذکورہ مطالب سے غا ہی چاہتے تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کتاب کا مطالعہ کریں اور تاریخ کے اختلافی حوادث جیسے، اسامہ کی لشکر کشی، پیغمبر اسلام ﷺ کی رحلت اور سقیفہ کی داستان (جس پر سید نے تنقیدی تجربہ کیا ہے) کا توجہ حق وانصاف کے ساتھ مطالعہ کریں۔

جس وقت رسول خدا ﷺ موت کا شیرین جام نوش فرما رہے تھے، اسامہ کے لشکر سے بعض افراد حکم کی نافرمانی کرتے ہوئے مدینہ لوٹے اور ریاست وخلافت کی امید سے جہاد سے منہ موڑ لیا، سید نے ان افراد کو پہچنوایا ہے۔ رسول خدا ﷺ کے بستر مرگ پر جب وصیت لکھنے کا حکم دیدیا، کچھ لوگوں نے اس حکم پر عمل کرنے میں رکاوٹ ڈالی اور اسے ہذیان سے تعبیر کیا (گویا انہوں نے گمان کیا کہ پیغمبر ہذیان کہہ رہے ہیں) کیونکہ اس امر سے خائف تھے کہ آنحضرت ﷺ اس وصیت میں علی علیہ السلام کی خلافت کی خبر دیں گے اور ان آخری لمحات میں بھی انہیں اپنی وصی کے طور پر تعارف کرائیں گے۔ سید اس حادثہ کی حقیقت وکیفیت کو بھی آشکار کرتے ہیں عمر کے آنحضرت ﷺ کی رحلت سے انکار کرنے کا مقصد کیا تھا؟ کیوں وہ ان افراد کو موت کی دھمکی دیتے تھے جو یہ کہتے تھے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے رحلت

کی ہے؟ جس وقت امام علی علیہ السلام پیغمبر اسلام ﷺ کے چچیرے بھائی اور آنحضرت ﷺ کے چچا عباسؓ اور چند بوڑھے اور سن رسیدہ اصحاب کی مدد سے آنحضرت ﷺ کے بدن نازنین کو غسل دینے میں مشغول تھے، تو اس وقت کس غرض سے عمر اور ابو عبیدہ نے انتہائی عجلت کے ساتھ اپنے آپ کو سقیفہ کے اجتماع میں پہنچا دیا اور لوگوں سے ابوبکر کے حق میں بیعت لے لی؟

بے شک، اگر تھوڑا سا انتظار کرتے تا کہ رسول خدا ﷺ کو سپرد لحد کر کے اور علی علیہ السلام بھی اس اجتماع میں حاضر ہوتے تو علی علیہ السلام خلافت کے مستحق قرار پاتے اور بنی ہاشم ان کے علاوہ کسی اور کو امام المسلمین کے طور پر قبول نہیں کرتے! سید نے مذکورہ تین مباحث میں صحیح کو غلط سے اور برے کو بھلے سے جدا کر کے ان مسلم حقائق تک رسائی حاصل کی ہے اور ان کی اس تحقیق کے نتیجہ میں فریب کاروں کیلئے مکرو فریب کے دروازے بند ہو گئے ہیں۔ کتاب کے دوسرے مباحث بھی مذکورہ بالا تین مباحث کی طرح، انصاف کے ساتھ حقائق کو ایسے آشکار کرتے ہیں کہ بہت جلد ہی تاریخ اسلام کے اندر گہرے اثرات رونما ہوں گے۔ میں اس مقالہ کو ختم کرنے سے پہلے چاہتا ہوں کہ درج ذیل تین سوالات کا جواب دیدوں:

۱۔ کیا پیغمبر خداؐ کا صحابی غلطی کر سکتا ہے اور لغزش سے دوچار ہو سکتا ہے؟
۲۔ کیا اس کے کام اور کردار پر تنقیدی نگاہ سے دیکھا جا سکتا ہے؟
۳۔ کیا پیغمبر خدا ﷺ کے صحابی کو منافق یا کافر کہا جا سکتا ہے؟

سوال نمبر ایک اور دو کا میں مثبت جواب دیتا ہوں، لیکن تیسرے سوال کا جواب منفی ہے۔ اس لئے نہیں کہ میں تعصب سے کام لیتا ہوں اور علم کے اصول کے خلاف کہتا ہوں۔ بلکہ ایک ایسا استدلال

رکھتا ہوں کہ عقل اس کو قبول کرتی ہے اور منطق اسکی تائید کرتی ہے کیونکہ کفر و نفاق کا تعلق قلب و دل سے ہے اور وہاں تک خدا کے سوا کسی کی رسائی نہیں، علمی تجربہ وہاں تک نہیں پہنچ سکتا ہے، صرف خداوند عالم ہے جو انسان کے اندرونی اسرار سے واقف ہے اور پوشیدہ چیزوں کا مکمل طور پر علم رکھتا ہے۔ (ڈاکٹر حامد نے اس خط کو نصف کتاب السید مرتضی عسکری کے شائع ہونے کے پیش نظر مصر میں لکھا ہے)

ایک محترم دانشور

"شیخ محمد جواد کا نظریہ"

مذہب شیعہ کے خلاف لکھنے کے علاوہ دنیا کی تمام چیزوں میں دگر گونی اور تغیرات پیدا ہوئے ہیں۔۔۔ شیعوں پر تہمت و افتراء کے علاوہ ہر آغاز کا خاتمہ ہے۔۔۔ شیعوں کے خلاف جاری کئے جانے والے احکام کے علاوہ ہر حکم کی ایک دلیل و علت ہے۔۔۔ آخر کیوں؟

«کیا شیعہ شورشی اور فتنہ گر ہیں اور لوگوں کے سکون و اطمینان کو درہم برہم کرنا چاہتے ہیں؟؟؟»

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ:

سیف بن عمر تمیمی (وفات دوسری صدی ہجری) ایک شخص نے گزشتہ دوسری صدی کے دوران دو کتابیں لکھی ہیں، اس کی پہلی کتاب "**الفتوح و الردۃ**" اور دوسری کتاب "**الجمل و مسیر عائشۃ و علی**" ہے ان دونوں کتابوں میں درج ذیل مطالب کی ملاوٹ کی گئی ہے:

۱۔ایسے حوادث واتفاقات کی تخلیق کرنا،جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

۲۔رونما ہوئے حقیقی حوادث واقعات میں تحریف کر کے مثبت کو منفی اور منفی کو مثبت دکھانا۔

اس بے لگام اور جھوٹے شخص نے رسول خدا ﷺ کیلئے چند من گھڑت اصحاب جعل کیے جن کے سعیر، ہزہاز، اط، جمیضہ وغیرہ نام رکھے ہیں۔اس نے تابعین اور غیر تابعین کے کچھ اشخاص جعل کئے ہیں اور ان کی زبانی اپنی جعلی احادیث نقل کی ہیں۔اس کی انہیں تخلیقات میں سے ایک سورما ہے جس کی شخصیت کو اس نے جعل کیا ہے اور اس کا فرضی نام معین کیا ہے، اور چند داستانوں کو گڑھ کر اس سے نسبت دی ہے۔۔۔یہ خیالی سورما "عبداللہ بن سبا" ہے جس کسی نے بھی شیعوں پر تہمتیں لگائی ہیں اور ان کے بارے میں جہل یا نفاق کے سبب افتراپردازی کی ہے، ان سب نے اسی پر اعتماد کیا اور اس کی باتوں پر تکیہ کیا ہے۔"سیف" کے بعد مورخین کی ایک جماعت نے فریب اور دھوکہ سے بھری ان دو کتابوں کو سند بنا کر کسی قسم کے تفکر وتدبر کے بغیر دشمن اسلام اور چالباز سیف ابن عمر یہودی کے سازشی کرداروں کو نقل کیا ہے۔اس طرح اس کے مذموم تفکر سے استفادہ کیا ہے۔

«"طبری" پہلا شخص تھا جو»

"سیف" کے دام فریب میں پھنس گیا تھا اس کے بعد ابن اثیر، ابن عساکر اور ابن کثیر اور دوسرے لوگ "طبری" سے آنکھیں بند کر کے روایت نقل کرنے کے سبب اس گڑھے میں گر گئے ہیں۔اس طرح جھوٹے "سیف" کی تخلیقات کی تاریخی کتابوں اور منابع میں بلاواسطہ طور پر ملاوٹ ہوئی ہے لیکن اختلاف امت کی جڑ اور بنیاد، وہی سیف کی دو کتابیں "الفتوح" اور "الجمل" ہیں۔میں نے مختلف افراد سے بارہا بحث کی ہے، اور ان کے اعتراضات اور شبہات کا جواب دیا ہے لیکن اس گفتگو

ہیں میں نے شیخ مفیدؒ، سید مرتضیٰؒ اور علامہ حلیؒ سے آگے قدم نہیں بڑھایا ہے، میری روش صرف یہ تھی کہ میں ان بزرگوں کے طرز بیان کو بدل دیتا تھا اور مخاطب کے لئے مطالب کا آشکار اور واضح تر بیان کرتا تھا، کیونکہ کوئی تازہ اعتراض نہیں تھا کہ میں اس کا تازہ اور نیا جواب دیتا بلکہ اعتراض وہی تھا جو پچھلے لوگوں نے سن رکھا تھا اور اس کا جواب ذہن نشین کر چکے تھے، چونکہ یہ لوگ بھی گزشتہ لوگوں کی طرح اعتراض کرتے ہیں لہذا مجبور ہیں وہی جواب سنیں، میں اپنے علمائے سلف کی باتوں کی تکرار کرتا تھا، کیونکہ میں یہ سمجھتا تھا کہ بے خبر، معترضین علماء کی باتوں پر اعتراض کرتے ہیں لہذا ضروری ہے کہ ان کی ہی باتوں سے آگاہ ہو جائیں۔

بے شک میں علمائے تشیع کی پیروی کرتے ہوئے "عبداللہ بن سبا" کے وجود کا معترف تھا، لیکن اس کی رفتار کو حقیر اور شرم آور سمجھتا اور اس کی باتوں کا انکار کرتا تھا۔ لیکن اب سید علماء نے خصوصاً علامہ علیقدر جناب سید مرتضیٰ عسکری نے اس عمارت کی بنیاد ہی اکھاڑ کر رکھدی اور اپنی گہری تحقیقات سے ثابت کر دیا ہے کہ "عبداللہ بن سبا" کی حقیقت ایک افسانہ کے علاوہ کچھ نہیں ہے! اور یہ وہ حقیقت ہے جو سید کی کتاب میں بے نقاب ہوئی ہے۔

ہم نے فرمانرواؤں اور ظالم حکام کی طرف سے بدترین عذاب اور مشکلات برداشت کی ہیں تاکہ اسلام کی یکجہتی کا تحفظ کر کے دشمنی سے پرہیز کریں، لیکن وہ روز بروز اپنی دروغ بیانی میں تشویق ہوتے رہے ہیں اور ان کی پہلی اور آخری سند "ابن سبا" کا افسانہ اور "ابن السوداء" کا خرافہ تھا کہ افسانہ

ساز "سیف" نے انہیں خدا اور اپنے ضمیر کے سامنے کسی ذمہ داری کا احساس کئے بغیر جعل کیا ھے لیکن آج "عبداللہ ابن سبا" نام کی کتاب لکھی جانے کے بعد یہ کاسہ لیس اور چاپلوس لوگ کیا جواب دیں گے؟ جن کی توھمت کی عمارت گر کر چکنا چور ھو چکی ھے۔

والسلام شیخ جواد مغنیہ (لبنان)۔

الازھر یونیورسٹی کے مجلہ "جامع الازھر" میں شائع شدہ اعتراضات کا جواب

مجلّہ "جامع الازھر" مصر میں "عبداللہ بن سبا" کے بارے میں دو مقالے لکھے گئے ہیں (یہ مقالہ مجلّہ کی جلد ۳۲ ج ۱۰، ۱۳۸۰ھ "باب الکتب" کے صفحہ ۱۱۵۰۔۱۱۵۱ میں شائع ہوا ہے۔ دوسرا مقالہ اسی کتاب کے مصر میں طبع شدہ نسخہ پر ایک تنقید ہے اور یہ مقالہ مجلّہ کی جلد ۳۲ ج ۶، ۱۳۸۱ھ کے صفحہ ۷۶۰۔۷۶۱ میں شائع ہوا ہے)۔ اہم ترین مطلب جو ان دو تنقیدی مقالوں میں ملاحظہ کے قابل ہے عبارت ہے: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے اصحاب اور ان کے باہمی اختلافات، چودہ صدی پرانی بات ہے اور وہ سب اپنے مالک حقیقی سے جا ملے لہذا اچاہیے کہ ان مسائل سے صرف نظر کیا جائے۔ (یہ جملہ پہلے مقالہ کے آخر پر لکھا گیا ہے اور باقی تمام مطالب اسی جملہ کی تفسیر اور تشریح میں لکھے گئے ہیں)

اس بات کے جواب میں ہم کہتے ہیں:

اولاً: ہم سیف کی روایتوں کی تحقیق کی فکر میں تھے۔ جس موضوع پر اس نے روایتیں نقل کی تھیں،

ہم نے مجبور ہو کر ان ہی موضوعات پر بحث و تحقیق کی ہے، چونکہ کتاب "عبداللہ بن سبا" میں عبداللہ بن سبا کے افسانہ اور رسول خدا ﷺ کے اصحاب کے باہمی اختلافات کے بارے میں سیف ابن عمر کی نقل کی گئی روایتوں پر بحث کی گئی ہے لہذا ہم مجبور ہوئے کہ ہر موضوع کے بارےمیں بحث کو جاری رکھتے ہوئے تجزیہ و تحقیق کریں۔ سیف کی روایتوں پر تحقیق نے ہمیں اس بات پر مجبور کیا کہ ایسی بحثوں میں داخل ہو جائیں جنہیں بہت سے دانشوروں نے پردے میں رکھا ہے۔ لہذا ان موضوعات پر بحث و تحقیق نے انہیں برہم اور رنجیدہ کیا ہے، البتہ ہم بھی ان کی طرح ایسے وقائع اور رزوداد کے رونما ہونے سے خوشحال نہیں ہیں اور ان سے پردہ اٹھانے اور ان پر غور فکر کرنے سے ہمارا رنج و غم بھڑک اٹھتا ہے لیکن کیا کیا جائے کہ خداوند عالم نے پیغمبر خداؐ کے اصحاب کو ملک و فرشتہ خلق نہیں کیا ہے کہ جبلت انسانی سے عاری ہوں بلکہ وہ دوسرے افراد کی طرح انسانی جبلت میں ان کے شریک ہیں، اور ایمان اور اسلام میں استقامت کے مراتب میں بھی ایک دوسرے سے متفاوت ہیں، اس حد تک کہ رسول خدا ﷺ نے ان میں پر حد جاری کی ہے (کوڑے لگائے ہیں) اور ان میں سے بعض کے بارے میں "**آیات افک**" نازل ہوئی ہیں جن میں ان کی اس بات پر ملامت کی گئی ہے کہ انہوں نے پیغمبر خداؐ کی بیوی کی جانب نازیبا نسبت دی تھی اور ان میں سے بعض کے بارے میں نفاق کی آیات نازل ہوئی ہیں۔

ان تمام مطالب کے باوجود ہم نہیں سمجھتے کہ پیغمبر خداؐ کے اصحاب کو ان اختلافات اور تحولات کے ساتھ کیسے چھوڑ دیں جبکہ وہ رسول خدا ﷺ کے احکام اور عقائد کو ہم تک پہنچانے کے واسطہ ہیں کیا اس طرح صرف پیغمبرؐ کو درک کرنے کی بنا پر اصحاب رسول ﷺ کا عزت و احترام کرنا بحث و تحقیق کیلئے رکاوٹ اور دینداری کے نام پر علم و دانش کے دروازہ کو بند کرنے کے مترادف نہیں ہے؟ چونکہ مسلمانوں کے ایک گروہ نے صدیوں سے اپنے اجتہاد کا دروازہ بند کر رکھا ہے۔ لہذا تحقیق و علم کا دروازہ بھی ان پر بند ہو گیا ہے۔ خدارا! ہم نے اس مطلب کو قبول نہیں کیا ہے اور اسکی تائید نہیں کرتے ہیں بلکہ دین و

اسلام کے نام پر اور اس پر عمل کرنے کیلئے اسلام کی راہ میں بحث و تحقیق کیلئے قدم اٹھاتے ہیں۔ ثانیاً: کاش کہ ہم یہ جانتے کہ قدیم و جدید دانشور جو پیغمبر خداؐ کے اصحاب کی عزت و احترام میں جو غیرت و حمیت دکھاتے ہیں، کیا اس میں پیغمبر خداؐ کے تمام اصحاب شامل ہیں خواہ اس کے سزاوار ہوں یا نہ خواہ وہ عیش پرست ہوں یا زاہد و پرہیز گار؟ کیا یہ احترامِ عام اس لئے ہے کہ انہوں نے رسول خداؐ کا دیدار کیا ہے؟ یا ان کیلئے مخصوص ہے جو سرمایہ دار قدرتمند تھے اور حکومت تک ان کی رسائی تھی؟ اور ایسا لگتا ہے کہ یہ احترام شعوری یا لاشعوری طور پر صرف ان افراد سے مخصوص ہو کے رہ گیا جو حکومت اور ایوان حکومت سے وابستہ و مربوط ہیں۔ جو کچھ ایک دور رس اور نکتہ شناس محقق کیلئے قابل اہمیت ہے وہ دوسرا مطلب ہے کیونکہ اگر تاریخ طبری میں ۳۰ ھ کے حوادث پر غور کیا جائے تو دیکھا جاتا ہے کہ اس نے یوں لکھا ہے:

> اس سال، یعنی ۳۰ ھ میں جو کچھ ابوذرؓ اور معاویہ کے درمیان پیش آیا، اور جسکا انجام ابوذر کے شام سے مدینہ جلاوطن کئے جانے پر تمام ہوا، اس سلسلے میں بہت سی روایتیں نقل کی گئی ہیں کہ جنکو میں نقل کرنا پسند نہیں کرتا ہوں، لیکن اس سلسلہ میں معاویہ کیلئے عذر پیش کرنے والوں نے ایک داستان نقل کی ہے، اس داستان میں کہا گیا ہے:
>
> شعیب نے اسے سیف سے نقل کیا ہے۔۔۔

اس کے بعد طبری نے ابوذر اور معاویہ کے بارے میں نقل کی گئی داستان کے سلسلے میں سیف کی باقی روایت کو اپنی تاریخ میں ثبت کیا ہے۔

اگر ہم اس سلسلے میں تاریخ ابن اثیر کی طرف رجوع کریں گے تو دیکھتے ہیں کہ وہ کہتا ہے:

اس سال (۳۰ ھ) ابوذر کی داستان اور معاویہ کے توسط سے انھیں شام سے مدینہ جلاوطن کرنے کا مسئلہ پیش آیا، اس رفتار کی علت کے بارے میں بہت سے مطالب لکھے گئے ہیں، من جملہ یہ کہ: معاویہ نے انہیں گالیاں بکیں اور موت کی دھمکی دی۔ شام سے مدینہ تک انہیں ایک بے کجاوہ اونٹ پر سوار کرکے نہایت ہی بیدردی سے ایک ناگفتہ بہ حالت میں مدینہ کی طرف جلاوطن کردیا، مناسب نہیں ہے اسے یہاں بیان کیا جائے۔۔۔ میں اسے نقل کرنا پسند نہیں کرتا ہوں لیکن جنھوں نے اس سلسلے میں عذر پیش کیا ہے یوں کہا ہے۔۔۔

اس بنا پر طبری نے یہاں پر ان بہت سی روایتوں کو درج نہیں کیا ہے جن میں معاویہ اور ابوذر کی روداد بیان ہوئی ہے اور ان کو بیان کرنا پسند نہیں کرتا تھا، پھر بھی اس نے ان روایتوں کو بالکل ہی درج کرنے سے چشم پوشی نہیں کی ہے۔ بلکہ سیف کی ان تمام روایتوں میں سے ایسی روایات کا انتخاب کیا ہے کہ معاویہ کیلئے عذر پیش کرنے والوں کیلئے سند کی حیثیت لگتی ہے اور اسے اس کے کام کی توجیہ کے طور پر پیش کرتے ہیں، جبکہ اس روایت میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بزرگوار صحابی "ابوذر" کی حد سے زیادہ توہین کی گئی ہے۔ اس کی دینداری پر طعنہ زنی کی گئی ہے، اسے بیوقوف اور احمق کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور اس پر ناروا تہمتیں لگائی گئی ہیں۔ کیونکہ اس روایت میں معاویہ کو حق بجانب ٹھہرایا گیا ہے اور اس کے عذر کو درست قرار دیا گیا ہے اور اس طرح مورخین کا یہ قائد، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس تہی دست صحابی کی شخصیت اور احترام سے چشم پوشی کرتا ہے اور ان کی عظمت کو معاویہ جیسے حاکم اور ثروتمند شخص کے

حرمت کے تحفظ میں قربان کرتا ہے یہی کام ابن اثیر، ابن خلدون اور دوسروں نے بھی انجام دیا ہے اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے، بنیادی طور پر اسی سبب سے تاریخ طبری نے رواج پیدا کیا ہے اور دوسروں کی نسبت زیادہ مشہور ہوئے اور اس لئے سیف (بے دینی کا ملزم ٹھہرائے جانے کے باوجود) کی روایتوں کو اس قدر اشاعت ملی ہے اور اسی لئے مشہور ہوتی ہیں۔ اس بنا پر ایسے دانشوروں نے صرف ایسے اصحاب کے احترام کے تحفظ کیلئے اقدام کیا ہے جو صاحب قدرت وحکومت تھے اور "معاویہ بن ابوسفیان" جیسے شخص کی اس لئے عزت کرتے ہیں کہ وہ صاحب حکومت و اقتدار تھا، جبکہ رسول خداﷺ نے اسے اور اس کے باپ کو "**المولفة قلوبهم**" (تمام سیرت لکھنے والوں نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ رسول خداﷺ نے فتح حنین کے بعد معاویہ اور اس کے باپ کو "**المولفة قلوبهم**" میں شمار فرمایا ہے اس لئے انہیں کچھ چیزیں دیدی ہیں۔) میں شمار فرمایا ہے اور اس کی نفرین کرتے ہوئے فرمایا:

"خداوند عالم اس کے شکم کو کبھی سیر نہ کرے" (صحیح مسلم کے اس باب کی طرف رجوع کیا جائے کہ "پیغمبر خدا نے جن پر لعنت کی ہے") اسی طرح "عبداللہ بن سعد بن ابی سرح" (اس کے حالات پر اگلے صفحات میں روشنی ڈالی جائے گی) جو ابتداء میں مسلمان ہوا تھا اور پیغمبر اکرمﷺ کے کاتبوں میں شمار ہوتا تھا، لیکن ایک مدت کے بعد مرتد ہو گیا اور آنحضرتﷺ اور قرآن مجید پر تہمت لگائی، پیغمبر اکرمﷺ نے فتح مکہ کے دن اس کا خون بہانا مباح قرار فرمایا تھا، ایسے شخص کو ان خصوصیات کے باوجود مصر کا گورنر ہونے کے ناطے اس کا نام تاریخ میں درج کر کے اس کا احترام کیا گیا ہے۔

اس طرح خلیفہ عثمان کے بھائی ولید، جس کے بارے میں آیہ نبا نازل ہوئی ہے:

۶.۴۹ **يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَ كُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ**

فَتَبَيَّنُوٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ہ (اے ایمان والوں! اگر کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کرو، ایسا نہ ہو کہ ایسی قوم تک ناواقفیت میں پہنچ جاؤ کہ جس کے بعد اپنے اقدام پر شرمندہ ہونا پڑے "حجرات/٦")

لیکن کوفہ کا حاکم ہونے کی وجہ سے اس کا احترام کیا گیا ہے۔ یا ایک اور شخص "مروان حکم" جسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے باپ کے ساتھ طائف جلاوطن کیا تھا، بعد میں ایک حاکم واقع ہونے کی وجہ سے عزت واحترام کا مستحق بن جاتا ہے اور تاریخ میں اس کا نام عظمت کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ قریش کے بزرگوں اور حکمران، فرمان روا اور امراء طبقے کے ایسے لوگوں کیلئے ضروری ہے کہ انکی عزت واحترام محفوظ رہے اور ہم ان کی شخصیت کی حرمت کے محافظ بنیں، لیکن اس کے مقابلے میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متقی و پرہیز گار تہی دست صحابی "ابوذر غفاری" یا با تقویٰ اور خدا ترس صحابی "سمیہ" نامی کنیز کے بیٹے "عبدالرحمان بن عدلیس بلوی" نامی نیک و پارسا صحابی جو اصحاب بیعت شجرہ میں سے تھے اور ان کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی:

۱۸۔ف لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ہ (یقیناً خدا صاحبان ایمان سے اس وقت راضی ہو گیا، جب وہ درخت کے نیچے آپ کی بیعت کر رہے تھے پھر اس نے وہ سب کچھ دیکھ لیا جو ان کے دلوں میں

تھا تو ان پر سکون نازل کر دیا اور انھیں اس کے عوض قریبی عنایت فرما دی "فتح/۱۸"

یا رسول خدا ﷺ کے دوسرے صحابی جیسے "صوحان عبدی" کے بیٹے زید اور "معصعہ" اور ان جیسے دسیوں جو ریاست و حکومت کے عہدہ درانہ تھے اور قریش کے سرداروں میں سے بھی نہ تھے، انہیں اہمیت نہ دی جائے بلکہ ان کی ملامت اور طعنہ زنی کی جائے اور یمن کے صنعا سے ایک یہودی کو خلق کر کے اس خیالی اور جعلی شخص کو فرضی طور پر ان مقدس اشخاص میں قرار دیکر صاحبان قدرت اور حکومت سے ان کو ٹکرایا جائے اور اسی طرح سیف کی جعلی روایتیں شہرت پا کر رائج ہو جاتی ہیں اور ان کے بارے میں کسی قسم کی چھان بین اور تحقیق نہیں ہوتی ہے۔ اس قسم کی داستانوں اور افسانوں (جنہیں جعل کرنے والوں نے صاحبان قدرت و حکومت کے دفاع اور ان کے مخالفوں کی سرکوبی کیلئے گڑھ لیا ہے) کی اشاعت ہوئی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ رائج ہو گئی ہیں۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض افسانے اس حد تک مسلم تاریخی حقائق میں تبدیل ہو گئے ہیں کہ کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہا ہے اور بعض دانشور حضرات اس کے تحفظ کو اپنا دینی فریضہ سمجھتے ہیں۔ جبکہ اس حالت میں ہے کہ جسے انہوں نے دین کا نام دیا ہے وہ حکمران طبقے اور ان سے مربوط افراد کی عزت و احترام کے تحفظ کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

لیکن اصحاب و تابعین سے مربوط وہ لوگ جو مجبور ہو کر قدرت و حکومت سے دور رہ کر کمزور واقع ہوئے ہیں، ان دانشوروں کی نظروں میں قابل اہمیت و مورد توجہ قرار نہیں پائے ہیں، کیونکہ انہوں نے صاحبان قدرت و دولت کی پیروی نہیں کی ہے بلکہ ان کے موافق نہیں تھے۔ یہاں پر میں ایک بار پھر خداوند عالم کو شاہد قرار دیکر کہتا ہوں کہ جس چیز نے مجھے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اصحاب کی زندگی کے حالات کے بارے میں مطالعہ کرنے کی ترغیب دی، وہ یہ ہے کہ مجھے بچپنے ہی سے اسلام،

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اصحاب کے وقائع اور روئدادوں کو پہچاننے اور ان کی طرف بڑھنے کی راہ کو آسان کرنے کیلئے اپنی تحقیقات کے نتیجہ کو شائع کیا ہے اور اس امید میں بیٹھا ہوں کہ محققین اس کام کو آگے بڑھائیں گے اور اس چھان بین کو دقیق اور مضبوط تر صورت میں انجام دیں گے، میں اس کتاب کے قارئین کو اطمینان دلاتا ہوں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کے بارے میری محبت اور وفاداری ان سے کم نہیں ہے جو اس سلسلے میں تظاہر کرتے ہیں۔ البتہ اس سلسلہ میں اصحاب کے وہ افراد جن کا تاریخ اسلام کی نسبت نفاق اور دورخی ہونا ثابت ہو چکا ہے، اس کے علاوہ میں احترام اور ان کی پرستش میں فرق کا قائل ہوں، کیونکہ میں مشاہدہ کر رہا ہوں کہ ان دانشوروں نے اصحاب کی عزت و احترام کو تقدیس وستائش کی اس حد تک آگے بڑھا دیا ہے کہ ان میں سے بعض افراد اپنے شائستہ اسلاف کی (خدا کی پناہ ہو) غیر شعوری طور پر پرستش کرنے لگے ہیں۔ خداوند ہمیں، ان کو اور تمام مسلمانوں کو اس غلطی سے نجات دے۔

سبیلِ سکینہؑ حیدرآباد سندھ پاکستان

بعض لوگ یہ تصور کرتے ہیں کہ جس کسی نے بھی پیغمبر خدا کو دیکھا ہے اور اس دیدار کے دوران اگر ایک لحہ (کتاب الاصابہ (۱/۱۰) ـ ـ ـ ـ "فی تعریف الصحابی" کی طرف رجوع کیا جائے) کیلئے بھی مسلمان ہو گیا ہے، وہ صحابی ہے اور ان کے اعتقاد کے مطابق صحابی فرشتہ جیسا ہے جس کی فطرت میں خواہشات اور خطا کا دخل نہیں ہوتا، لہذا وہ جب اس کے برعکس کچھ سنتے ہیں تو برہم ہو جاتے ہیں اور ایسی باتوں کو پسند کرتے ہیں اور اس طرز تفکر کی وجہ سے یہ لوگ کافی مشکلات سے دوچار ہوئے ہیں فی الحال ان پر بحث کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ ان مؤلفین نے مذہبی فرقوں کے بارے میں عام لوگوں سے جمع کر کے ملل ونحل کی کتابوں میں درج کی گئی روایتوں کو نقل کر کے اپنی کتابوں میں ثبت کیا ہے اور ان کی سند متن کے بارے میں کسی قسم کی کوئی تحقیق نہیں کی ہے۔ ان کے بعد والے مؤلفین، جیسے ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ نے مذکورہ کتابوں سے ان مطالب کو کسی تحقیق و

تصدیق کے بغیر اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے اسی سلیقہ اور روش کے مطابق بعض مؤلفین نے سیبہ کی داستان کو لوگوں کی زبانی سنائی گئی صورت میں حاصل کر کے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے اور اس طرح یہ افسانے لوگوں کی زبان سے کتابوں میں داخل ہوئے ہیں اور ایک کتاب سے دوسری کتاب میں منتقل ہوئے ہیں اس طرح عبداللہ بن سبا کا افسانہ جو ایک افسانہ تھا رفتہ رفتہ دو افسانہ بن گیا:

پہلا: سیف کا افسانہ جو اپنی پہلی حالت میں باقی ہے۔

دوسرا: وہ افسانہ جو عام لوگوں کی زبانوں پر تھا، وقت گزرنے کے ساتھ نقل و انتقال کی تکرار سے تغیر پیدا کر کے نشو نما پا چکا ہے اور افسانہ عبداللہ بن سبا میں اس تغیر و تحول کے نتیجہ میں جو تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں اس کے پیش نظر خود عبداللہ بن سبا بھی دو شخصیتوں کے طور پر ابھر کر سامنے آیا ہے اس طرح مؤلفین کے لئے غلط فہمی اور تشویش کا سبب بنا ہے انشاء اللہ ہم اگلی فصل میں اس پر روشنی ڈالیں گے۔

﴿عبداللہ ابن سبا کون ہے؟﴾

ولم نجد فی کتاب نسب عبداللہ بن سبأ

ہم نے ہزاروں کتابیں چھان لیں لیکن عبداللہ بن سبا کے نسب کے بارے میں کوئی نام و نشان نہیں پایا

"سُبئیہ"، "عبداللہ بن سبا" اور "ابن سودا" (دو فرضی کردار افسانہ)

ہم گذشتہ فصلوں میں "سبئیہ" کی حقیقت اور اس کلمہ کے معنی میں مختلف ادوار میں تغیر و تحویل اور اس کے اصلی معنی سے سیاسی معنی میں اور سیاسی معنی سے مذہبی معنی میں اسکی تحریف سے آگاہ ہوئے اب ہم اس فصل میں عبداللہ بن سبا کی حقیقت آشکار کرنا چاہتے ہیں تا کہ اس افسانوی سورما کو اچھی طرح پہچان سکیں۔

«عبداللہ بن سبا کا نسب، پہلے مرحلہ کی کتابوں میں»

لفظ "عبداللہ بن سبا" چار لفظوں: "عبد"، "اللہ"، "بن" و "سبا" پر مشتمل ہے۔ یہ چاروں لفظ عربی زبان سے مخصوص ہیں۔ یہ ایک مضبوط دلیل ہے کہ یہ باپ بیٹے یعنی "عبداللہ" و "سبا" دونوں عرب ہیں۔ اس افسانہ کو جعل کرنے والا یعنی سیف بن عمر بھی عبداللہ بن سبا کو واضح طور پر اہل صنعا (یمن) ہی بتاتا ہے اور تمام مؤرخین اور مؤلفین کو محدود کیا ہے اس کیلئے جس سرگرمی اور فعالیت کے زمان کا ذکر کیا گیا ہے وہ پہلی صدی ہجری کی چوتھی دہائی سے بیشتر نہیں ہے اور عبداللہ ابن سبا کے بارے میں جتنے بھی افسانے اور داستانیں ملتی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے زمانے کا معروف و مشہور شخص تھا۔ ان تین تمہیدات کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن سبا ایک عرب اور ایک عرب کا بیٹا تھا اور پہلی صدی ہجری کی چوتھی دہائی کے دوران حضرت عثمان اور علی علیہ السلام کے زمانے میں جزیرۃ العرب میں زندگی گزارتا تھا اور مسلمانوں کے سیاسی اور دینی مسائل میں نمایاں سرگرمی انجام دیتا تھا، اسی لئے وہ اس زمانے کا ایک معروف و مشہور شخص تھا۔

یہاں پر ایک نا قابل حل مشکل پیش آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ جزیرۃ العرب میں اسلام کی پہلی

صدی میں اموی خلافت کے زمانے تک کوئی ایسا عرب مرد تاریخ میں نہیں ملتا ہے کہ اس کا نام، اس کے باپ کا نام اور رہائش کی جگہ کا نام اور اس کی سرگرمیاں معلوم ہوں، معروف و مشہور اور لوگوں کا فکری قائد بھی ہو، لیکن اس کے جد اور شجرہ نسب نامعلوم ہو! کیونکہ عرب اپنے شجرہ نسب کے تحفظ میں اتنی غیر معمولی سرگرمی اور دلچسپی دکھاتے تھے کہ ان کی یہ سرگرمی غلو اور افراط کی حد تک بڑھ گئی تھی، یہاں تک کہ نہ صرف افراد کے انساب کے بارے میں خود دسیوں کتابیں تالیف کر چکے ہیں بلکہ اپنے گھوڑوں کے انساب کے تحفظ کے سلسلے میں بھی خاص توجہ رکھتے تھے کہ یہاں تک بعض دانشوروں نے گھوڑوں کے شجرۂ نسب کے بارے میں کتابیں لکھی ہیں جیسے: ابن کلبی (وفات سنہ ۲۰۴ھ) گھوڑوں کے نسب کے بارے میں اس نے کتاب "انساب الخیل" موجود ہے اس وقت اسلام کے زمانے کی تاریخ، تشریح، انساب اور تمام فنون و اداب کے بارے میں ہزاروں جلد قلمی اور مطبوع کتابیں ہمارے اختیار میں ہیں اور ان کتابوں میں سے کسی ایک میں بھی عبداللہ بن سباء کے شجرہ نسب کے بارے میں کوئی نام و نشان نہیں ملتا ہے۔

پس عبداللہ بن سبا کون ہے؟ اس کے جد کا نام کیا ہے؟ اس کے آباء و اجداد کون ہیں ان کا شجرہ و نسب کس سے ملتا ہے؟ اور وہ کس قبیلہ اور خاندان سے تعلق رکھتا تھا؟ اتنے علماء اور دانشوروں اور مؤلفین نے عبداللہ بن سبا سے متعلق افسانوں اور داستانوں کو درج کرنے میں نمایاں اہتمام کیا ہے لیکن کیا وجہ ہے کہ اس کے باوجود مذکورہ موضوع کے بارے میں انہوں نے خاموشی اختیار کی ہے اور اس کے شجرہ نسب کے بارے میں کسی قسم کا اشارہ تک نہیں کیا ہے۔ اور نہ اس کے بارے میں کوئی مطلب لکھا ہے؟!

ہم جو دسیوں سال سے مختلف اسلامی موضوعات کے بارے میں مدارک و مآخذ کے سلسلہ میں تحقیق و تفتیش کر رہے ہیں، تا بہ حال اس سوال کا جواب کہیں نہیں پایا اور عبداللہ بن سبا کا اس موضوع کے بارے میں کہیں کوئی نام و نشان نہیں ملا ہے۔

«عبداللہ بن سبا کون تھا؟»

ابن قتیبہ (وفات سنہ ۲۷۶ھ) کی کتاب "الامامۃ والسیاستہ" میں آیا ہے:

فقام حجر بن عدی و عمر بن الحمق الخزاعی و عبدالله بن وهب الراسبی علی فاسئلوه عن ابی بکر و عمر۔۔۔۔(الامامۃ والسیاستہ ج۱/۱۴۲) اور ثقفی (وفات سنہ ۲۸۳ھ) اپنی کتاب "الغارات" میں لکھتا ہے: دخل عمر بن الحمق و حبة العرنی والحارث بن الاعور و عبدالله بن سبا علی امیر المؤمنین بعد ماافتتحت مصر و هو مغموم حزین فقالو اله: بین لنا ماقولک فی ابی بکر و عمر۔۔۔(الغارات، ثقفی، انتشارات انجمن آثار ملی نمبر ۱۱۴ ج۱/۳۰۲)

ان دو کتابوں میں آیا ہے کہ امیر المومنین کے چند اصحاب حضرت کے پاس گئے اور حضرت ابوبکر و عمر کے بارے میں سوال کیا، کتاب الامامۃ والسیاستہ میں ان افراد میں عبداللہ وھب راسبی کا ذکر کیا ہے اور ثقفی کی کتاب "غارات" میں عبداللہ بن سبا کا نام لیا گیا ہے کہ ظاہر میں آپس میں اختلاف رکھتے ہیں اور اس اختلاف کو بلاذری (وفات سنہ ۲۷۹ھ) نے انساب الاشراف میں حل کیا ہے اس نے داستان کو یوں نقل کیا ہے: حجر بن عدی الکندی و عمرو بن الحمق الخزاعی و حبة بن جوین الجبلی ثم العرفی و عبدالله بن وهب الهمدانی و هوابن سبأ فاسئلوه عن بی ابی بکر و عمر۔۔۔۔(انساب الاشراف ج۲/۳۸۳) طبوع موسسہ اعلمی بیروت سنہ ۱۳۹۴ھ)۔ بلاذری اسی داستان کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: اور عبداللہ بن وھب وہی ابن سبا ہے اس بنا پر عبداللہ بن سبا، عبداللہ بن دھب

ہے۔سعد بن عبداللہ اشعت (وفات سنہ ۳۰۰ھ یا سنہ ۳۰۱) نے اپنی کتاب "المقالات والفرق" میں یہی بات بیان کی ہے جہاں پر غالی اورانتہاپسند گروہوں کے بارے میں کہتا ہے:"غلو کرنے والوں میں پہلا گروہ جس نے افراط اور انتہاپسندی کا راستہ اختیار کیا اسے سبئیہ کہتے ہیں وہ عبداللہ بن سبا کے پیرو ہیں کہ جو عبداللہ بن وھب راسبی ہے۔۔۔۔"

(۱) مزید کہا ہے: مذکورہ غالی گروہوں میں سے ایک "سبیئہ" ہے اور وہ عبداللہ بن سبا کے پیرو ہیں ابن ماکولا (وفات سنہ ۴۷۵ھ) اپنی کتاب "الاکمال" میں لفظ "سبئی" کے ضمن میں سبائیوں کی تعداد کے بارے میں لکھتا ہے کہ:"سبائیوں" میں سے ایک عبداللہ بن وھب سبئی، رئیس خوارج ہے"۔

(۲) ذھبی (وفات سنہ ۷۴۸ھ) اپنی کتاب "المشتبہ" میں لفظ سبئی کے ضمن میں کہتا ہے:

"عبداللہ بن وھب سبئی خوارج کا رئیس اور سرپرست تھا"

(۳) ذہبی اپنی دوسری کتاب "العبر" میں جہاں پر سنہ ۳۸ھ کے حوادث میں بیان کرتا ہے کہتا ہے:"اس سال علی علیہ السلام اور خوارج کے درمیان جنگ نہروان چھڑ گئی اور اسی جنگ میں خوارج کا رئیس وسردار عبداللہ وھب سبائی قتل ہوا۔

(۴) ابن حجر (وفات ۸۵۲ھ) اپنی کتاب "تبصیر المنتبہ" میں کہتا ہے:"سبائی ایک گروہ ہے ان میں عبداللہ بن وھب سبائی سردار سرپرست خوارج ہے"۔

(۵) مقریزی (وفات سنہ ۸۴۸ھ) اپنی کتاب "الخطط" میں کہتا ہے: "علی ابن ابی طالب علیہ اسلام کے زمانے میں "عبداللہ بن وھب بن سبا" معروف بہ "ابن السوداء سبئی" نے بغاوت کی اور اس عقیدہ کو وجود میں لاکر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے اپنے بعد علی ابن ابی طالب علیہ اسلام کو وصی و جانشین مقرر کیا اور انھیں امامت کیلئے معین فرمایا ہے اور پھر اس عبداللہ بن سبا نے پیغمبرؐ اور علی علیہ اسلام کی رجعت کا عقیدہ بھی مسلمانوں میں ایجاد کر کے یوں کہا: علی ابن ابی طالب علیہ السلام زندہ ہیں اور خدا کا ایک جزء ان میں حلول کر گیا ہے اور اسی "ابن سبا" سے غالی، انتہا پسند اور رافضیوں کے مختلف گروہ وجود میں آئے"۔

﴿عبداللہ بن سبا وہی عبداللہ بن وھب ہے:﴾

گزشتہ صفحات میں بیان کیے گئے مطالب کے پیش نظر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ عبداللہ کون ہے؟ اس کا شجرہ نسب کہاں اور کس شخص تک پہنچتا ہے؟ اور اس کی داستان کیا تھی؟ جو کچھ تحقیق اور جانچ پڑتال کے بعد ان سوالوں کے جواب میں کہا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ: وہ عبداللہ بن وھب بن راسب بن مالک بن میدعان بن مالک بن نصر الازد بن غوث بن بنت مالک بن زید بن کہلان بن سبا ہے۔ چونکہ اس کا نسب راسب، ازد اور سبا تک پہنچتا ہے اسے سبائی وازدی اور راسبی کہا جاتا ہے: عربی زبان میں خاندان کی طرف نسبت دینا باپ سے نسبت دینے سے مترادف ہے کہتے ہیں: بنی ہاشم و بنی امیہ ہاشم کے بیٹے اور امیہ کے بیٹے یہاں پر قبیلہ کے تمام افراد کو خاندان سے نسبت دی گئی ہے کبھی ایک نامور شخص کو خاندان سے نسبت دیتے ہیں جیسے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ کو کہتے ہیں "ابن ہاشم" بجائے اسکے کہ کہیں ابن عبداللہ اور آنحضرتؐ کو اپنے باپ سے نسبت دیتے۔

اسی قاعدہ کے مطابق عبداللہ بن وھب سبائی کو اپنے خاندان سے نسبت دیکر ابن سبا نے کہا ہے علمائے نسب شناس کا مقصود ابن سبا بھی یہی ہے کہ عبداللہ بن وھب کے بارے میں ذکر کیا ہے اب ہم تحقیق کریں گے کہ یہ عبداللہ بن وھب راسبی سبائی جسے ابن سبا کہا گیا ہے کون تھا؟ یہ عبداللہ سبائی "ذی الثفنات" یعنی گھٹے دار کا لقب پایا ہے کیونکہ کثرت سجود کی وجہ سے اس کے ہاتھ اور زانو پر اونٹوں کے زانوں پر گھٹوں کے مانند گھٹے پڑ گئے تھے۔ یہ عبداللہ سبائی علی ابن ابی طالب کی جنگوں میں حضرت علیہ السلام کی رکاب میں تھا جب جنگ صفین میں حکمیت کی روداد پیش آئی اور خوارج کے بعض افراد نے علی علیہ السلام سے مخالفت کی اور ان کے مقابلہ میں محاذ آرائی کی، عبداللہ بھی ان کے ساتھ تھا اس شخص کے دل میں علی علیہ السلام کے خلاف اس قدر بغض وعداوت تھی کہ حضرت کو منکر خدا جانتا تھا، اور خوارج کے دوسرے افراد نے اس کے گھر میں اجتماع کیا اور اس نے ان میں ایک تقریر کی اور انہیں پرہیز گاری کی حوصلہ افزائی کی اور آخرت تلاش کرنے کیلئے ترغیب دیتے ہوئے کہا: بھائیوں! جتنا جلد ممکن ہو سکے اس وادی سے جہاں ظالم رہتے ہیں چلے جائیں اور دیہات اور کوہستانوں یا دوسرے شہروں میں زندگی بسر کریں ان گمراہ کنندہ بدعتوں سے انکار کریں تو بہتر ہے۔

(ابن حزم کہتا ہے: عبداللہ وھب المعروف "ذوالثفنات" پہلا شخص تھا جس نے جنگ نہروان میں خوارج کی باگ ڈور سنبھالی اور اسی جنگ میں قتل ہوا جبکہ اس سے قبل نیک تابعین میں شمار ہوتا تھا، بدانجامی سے خدا کی پناہ (جمہرۃ الانساب ۳۸۶) ان لوگوں نے سنہ ۳۷ ھ میں اسی عبداللہ کی بیعت کی اور اسے پیغمبر ﷺ کے خلیفہ کے طور پر اپنا قائد وسرپرست منتخب کیا اور اس کے بعد ایک ایک کرکے چوری چھپے کوفہ سے باہر نکلے امام نے جب حالات کو یوں پایا تو اپنے سپاہیوں کے ہمراہ ان کا پیچھا کیا اور دریائے نہروان سے پہلے ہی ان تک پہنچے اور ان سے جنگ کی اس جنگ میں عبداللہ بن وھب

سبائی راسی، ہانی بن زیاد خصفی اور زیاد بن خصفہ کے ہاتھوں قتل کیا گیا۔ تمام افراد جو عبداللہ بن وہب کے ساتھ تھے قتل ہوئے صرف معدود چند افراد جن کی تعداد دس افراد سے زیادہ نہ تھی اس معرکہ سے زندہ بچ نکلے۔ یہ تھا وہ عبداللہ سبا جو عصر امام میں تھا، صحیح تاریخ نے اس زمانے میں اس کے علاوہ کسی اور کو اس نام ونشان سے نہیں جانا ہے اور نہ ہی کوئی نشان دہی کی ہے۔ (وہی عبداللہ ابن وہب سبئی ہے کہ لفظ "وھب" لکھنے حذف کرنے اور "سبئی" کی یا کے الف میں تغیر پیدا کرنے سے عبداللہ بن سبا میں تحریف ہوگیا ہے ورنہ کوئی بھی "عبداللہ بن سبا" جیسا تاریخ وعقائد کی کتابوں میں وجود نہیں رکھتا ہے اس تحریف کی کیفیت اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے)۔

«آخری نتیجہ»

جو کچھ عبداللہ بن سبا کے تعارف اور شناخت میں کہا گیا ہے جو بھی روایت حادثہ یا داستان عبداللہ کے نام سے نقل ہوئی ہے اگر اس عبداللہ بن وہب سبائی تطبیق کرتی ہے تو اس کے واقع اور صحیح ہونے کا امکان ہے اور اگر اسکی تاریخ اور زندگی تطبیق نہ کرے تو اس قسم کی روایت اور داستان کا وجود نہیں ہے بلکہ غلط اور جعلی ہے اور اس کی حقیقت ایک افسانہ سے زیادہ نہیں ہوسکتی کیونکہ اس زمانے میں عبداللہ بن وھب کے علاوہ کوئی دوسرا عبداللہ بن سبا وجود نہیں رکھتا تھا اور یہ عبداللہ وھب سبئی بھی امام علی علیہ السلام کی وصایت اور امامت کے عقیدہ کا بانی نہ تھا اور نہ اس کا موجد تھا اور نہ علی علیہ السلام کی الوہیت اور خدائی کا بانی تھا، بلکہ وہ صرف خوارج کا سرپرست وسردار تھا جس نے حضرت علی علیہ السلام سے جنگ کی۔ اس لحاظ سے نہ تو جوسیف نے اس کے بارے میں مطلب لکھے ہیں اور مورخین نے انہیں اس سے نقل کیا ہے صحیح اور درست ہے اور نہ ملل ونحل کی کتابیں لکھنے والوں نے اس کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے کوئی بنیاد اور حقیقت رکھتا ہے جی ہاں اس درمیان میں جو بعض روایتیں اور اس عبداللہ کے بارے میں شیعہ کتابوں میں ذکر ہوئی ہیں صحیح ہوسکتی ہیں۔

جیسے یہ روایت کہ: ابن سبا نے دعا کے وقت آسمان کی طرف ہاتھ اٹھانے پر امیر المومنین علیہ السلام سے اعتراض کیا اور اس موضوع کو روح توحید اور یکتا پرستی کے مخالف جانا" اور دوسری روایت کہ جس میں کہتا ہے: ابن سبا کو اس سے سنے گئے بیان کے سلسلے میں۔ امامؑ کے پاس لایا گیا حضرتؑ نے اس کی بات کی تائید و تصدیق کی اور پھر اسے آزاد کر دیا" یہ تھا اس کا خلاصہ جو عبداللہ بن سبا اور اسکے بارے میں نقل کی گئی داستانوں کی تحقیق اور حوادث و وقائع کے موازنہ سے حاصل ہوا ہے اب دیکھنا چاہئے کہ "ابن السوداء" کون ہے اور کیا معنی رکھتا ہے؟

رجال کشی وغیرہ میں ابن سباح کی روایات

﴿کتاب رجال کشی﴾

کشی ابن بابویہ (وفات سنہ ۳۶۹ھ) کا ہم عصر تھا، اس کی روایتوں کا مضمون کتاب "المقالات" تالیف سعد بن عبداللہ اشعری (وفات سنہ ۳۰۱ھ)، کتاب "فرق الشیعہ" تالیف نوبختی (وفات ۳۱۰ھ) اور "مقالات الاسلامیین" تالیف علی ابن اسماعیل (وفات ۳۳۰ھ) میں نقل ہوا ہے۔ یہ سب مؤلفین کشی اور ابن بابویہ سے پہلے تھے، فرق صرف اتنا ہے کہ انہوں نے روایتوں کو ایک ہی روش اور سیاق میں سند کے بغیر نقل کیا ہے، لیکن رجال کشی میں یہ روایتیں مختلف صورتوں میں اور سند کے ساتھ نقل ہوئی ہیں انشاء اللہ ہم ان پر آنے والی فصل میں تحقیق کریں گے۔ یہ روایتیں "معرفۃ الناقلین" نامی رجال کشی سے شیعوں کی دوسری کتابوں میں درج ہو کر منتشر ہوئی ہیں۔ کیونکہ شیخ طوسی وفات سنہ ۴۶۰ھ نے اسی رجال کشی کو خلاصہ کر کے اس کا نام "اختیار معرفۃ الرجال" رکھا ہے اور یہی کتاب آج رائج اور معروف اور ہماری دسترس میں ہے۔ اس کے علاوہ احمد بن طاؤس (وفات

۶۷۳ھ) نے اپنی کتاب "حل الاشکار" ۶۴۴ھ) میں تالیف کی ہے، اس نے اس کتاب میں مندرجہ ذیل پانچ کتابوں کی عبارتوں کو یکجا کر دیا ہے۔

۱۔ رجال شیخ طوسی۔

۲۔ فہرست شیخ طوسی۔

۳۔ اختیار رجال کشی، تالیف شیخ طوسی۔

۴۔ رجال نجاشی (وفات ۴۵۰ھ) اور

۵۔ کتاب "الضعفاء" جو ابن غضائری (وفات ۴۰۰ھ) سے منسوب ہے، ابن طاؤس کے بعد ان کے دو شاگردوں نے اس کی پیروی کی اور ان کے استاد نے نے جو کچھ اپنی کتاب میں درج کیا ہے انہوں نے بھی اس کو من وعن اپنی کتابوں میں نقل کر دیا ہے ان میں دو میں سے ایک علامہ حلی (وفات ۷۲۱ھ) میں جنہوں نے اپنی رجال کی کتاب "خلاصۃ الاقوال" میں اور دوسرے ابن داؤد ہے انہوں نے ۷۰۷ھ) میں تالیف کی گئی اپنی رجال کی کتاب میں درج کیا ہے ان کے بعد مرحوم شیخ محسن بن زین الدین عاملی (وفات ۱۰۱۱ھ) نے "اختیار رجال کشی" کو ابن طاؤس کی کتاب "حل الاشکال" سے الگ کر کے اس کا نام "تحری طاؤس" رکھا ہے، قہبائی نے ۱۰۱۶ھ) میں تالیف کی گئی اپنی کتاب "مجمع الرجال" میں مذکورہ پنجگانہ کتابوں کو اکٹھا کر کے اپنی کتب میں ان کتابوں کی من وعن عبارتوں کو نقل کیا ہے۔ اس طرح یہ کتابیں شیعہ دانشوروں میں رجال وحدیث کے راویوں کے بارے میں بحث وتحقیق کے منابع و مآخذ قرار پائی ہیں اور رجال شناسی میں شیعوں کے مباحث، صرف انہی کتابوں پر

منعصر ہین۔ان کتابوں کے مولفین نے مطالب کوایک دوسرے سے نقل کر کے ایک کتاب سے دوسری کتاب میں منتقل کردیا ہے۔

بعد میں آنے والے علماء حدیث اور رجال نے بھی اسی روش کو جاری رکھا ہے، جیسے:

الف) تفرشی: جو علمائے رجال میں سے ایک ہیں نے سنہ ۱۰۱۵ھ) میں تالیف کی گئی اپنی کتاب "نقد الرجال" میں "ابن سبا" کے حالت کی تشریح میں کشی کی روایتوں سے ایک کو نقل کیا ہے اور علامت " کش" سے اسے مختص کیا ہے۔

ب) اردبیلی: اس سنہ ۱۱۰۰ھ) میں تکمیل کو پہنچائی گئی اپنی تالیف "جامع الرواۃ" میں عبداللہ بن سبا کے حالات کی تشریح کو کشی اوران سے نقل کیا ہے جنھوں نے کشی سے لیا ہے اور اسے علام "کش" سے مشخص کیا ہے"۔

ان کے علاوہ علم رجال کے دوسرے دانشوروں نے بھی اسی روش کی تقلید کرتے ہوئے رجال کشی اوران کے تابعین کو اپنا منبع و مآخذ قرار دیا۔

علمائے حدیث:

ج) علمائے حدیث میں سے علامہ مجلسی (وفات سنہ ۱۱۱۰ھ) نے کشی پنجگانہ روایتوں کو اسی بیان میں وضاحت کے ساتھ۔ جسے آخر میں ذکر کیا ہے۔اپنی اہم ترین کتاب "بحار الانوار" میں نقل کیا ہے۔

د) شیخ محمد بن حسن حر عاملی (وفات سنہ ۱۱۰۴ھ) جو اکابر علمائے حدیث میں شمار ہوتے ہیں، نے اپنی کتاب "تفصیل الوسائل" میں عبداللہ بن سبا کے بارے میں کشی کی پہلی اور دوسری روایت نقل کی ہے۔

ھ) ابن شہر آشوب (سنہ ۵۵۸ھ) نے بھی اپنی کتاب "مناقب" میں کشی کی پہلی روایت کو اس کے مآخذ کسی قسم کا اشارہ کئے بغیر نقل کیا ہے۔

«بحث کا خلاصہ»

خلاصہ یہ کہ ہم عبداللہ بن سبا کے بارے میں شیعہ کتابوں میں ذکر کی گئی روایتوں کے بارے میں تحقیق کے دوران اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ سب روایتیں کتاب رجال کشی سے نقل کی گئی ہیں اور درج اہل منابع نے بھی ان روایتوں کو اسی سے نقل کیا ہے۔

۱۔"اختیار رجال کشی"	تالیف	شیخ طوسی (وفات ۴۶۰ھ)
۲۔"بحار الانوار"	تالیف	مجلسی (وفات ۱۱۱۱ھ)
۳۔"وسائل"	تالیف	شیخ حر عاملی (وفات سنہ ۱۱۰۴ھ)
۴۔"جامع الرواۃ"	تالیف	اردبیلی (وفات ۱۱۰۰ھ)
۵۔"مجمع الرجال"	تالیف	قہپائی (وفات سنہ ۱۰۱۶ھ)
۶۔"نقد الرجال"	تالیف	تفرشی (وفات سنہ ۱۰۱۵ھ)
۷۔"تحریر طاؤس"	تالیف	شیخ حسن عاملی (وفات سنہ ۱۰۱۱ھ)
۸۔"الخلاصہ"	تالیف	علامہ حلی (وفات ۷۲۶ھ)

کیا عقیدہ امامت کا موجد عبد اللہ بن سبا یہودی ہے یہ رجال کشی میں لکھا ہے:

رجال کشی اور اس کی روایتوں کی جانچ پڑتال

روی الکشی عن الضعفاء کثراً و فی رجالہ اغلاط کثیرۃ

کشی غیر قابل اعتماد افراد سے بہت روایتیں نقل کرتا ہے اور اس کی کتاب رجال غلطیوں سے بھری پڑی ہے۔ (نجاشی) جبکہ ہمارے لئے یہ واضح ہو گیا کہ شیعوں کی حدیث اور رجال کی تمام کتابوں نے عبداللہ بن سبا کے غلو کی داستان کو کسی کی معروف کتاب "معرفتہ الناقلین" سے نقل کیا ہے، تو اب ہمیں مذکورہ کتاب کی روایتوں کی جانچ پڑتال پر توجہ دینی چاہیے۔

﴿۱۔ کتاب "معرفتہ الناقلین" کا مؤلف﴾

اس کتاب کا مولف، ابو عمر محمد بن عمرو بن عبدالعزیز کشی ہے، نجاشی نے اس کے بارے میں کہا ہے: کشی ایک موثق اور قابل اعتماد شخص ہے لیکن اس نے کثرت سے ضعیف اور نا قابل اعتماد افراد سے روایت کو نقل کیا ہے مزید کہتا ہے کشی عیاشی کا شاگرد تھا لہذا اس نے بعض مطالب اسی سے سیکھے ہیں اور عیاشی کے حالات کی تشریح میں یوں کہتا ہے: وہ ضعیف اور نا قابل اعتماد افراد سے زیادہ نقل کرتا ہے: نیز عقیدہ و مذہب کے لحاظ سے ابتداء میں مکتب تسنن کا پیرو تھا اور اہل سنت کی احادیث کو زیادہ سن چکا تھا، لہذا اس نے ایسی احادیث زیادہ نقل کی ہیں۔

﴿۲۔معرفتہ الناقلین یار جال کشی﴾

رجال کشی"معرفة الناقلين عن الائمة المعصومين" کے نام سے تھی۔شیخ طوسی نے اسکا خلاصہ کیا ہے اور اس کا "اختیار رجال الکشی" نام رکھا ہے۔یہ کتاب آج تک دانشوروں کی دسترس میں ہے۔نجاشی نے کشی کی کتاب کے بارے میں کہا: علم رجال میں کشی کی ایک کتاب ہے اس کتاب میں بہت زیادہ مطالب ہیں، جن میں بے شمار غلطیاں پائی جاتی ہیں۔نجاشی نے کشی کے بارے میں کہا ہے، وہ ضعیف اور نا قابل اعتماد افراد سے نقل کرتا ہے۔مرحوم محدث نوری کتاب "مستدرک الوسائل" کے خاتمہ کے فائدہ سوم میں، شیخ طوسی کی "اختیار جال کشی" کے بارے میں کہتے ہیں: "بعض قرائن سے ہمارے لئے واضح ہوا ہے کہ اس کتاب میں بعض علماء مولفین اور ناسخوں سے کچھ تصرفات اور تغیرات انجام دیے ہیں"۔(مستدرک (۵۴۰/۳) مرحوم نوری اس بیان کے بعد اپنی بات کیلئے کئی دلائل پیش کرتے ہیں) قاموس الرجال کے مولف نے کہا ہے "رجال کشی کا کوئی صحیح نسخہ کسی کے پاس نہیں پہنچا ہے حتی شیخ طوسی اور نجاشی کو بھی"۔نجاشی نے اس بارہ میں کہا ہے "رجال کشی میں بہت ساری غلطیاں ہے"۔

اسکے بعد "قاموس" کے مولف کہتے ہیں: رجال کشی میں اس قدر تحریف ہے کہ ان کا شمار کرنا ممکن نہیں ہے اس کتاب میں تحریف نہ ہوئے مطالب معدود چند اور انگشت شمار ہیں جیسے: "احمد بن عاحملہ"، "احمد بن فضل"، "اسامہ بن حفص"، "اسماعیل بن فضل"، "اشاعشہ"، "حسین بن مبید"، "درست بن ابی منصور"، "ابوجریرقی"، "عبدالواحد بن مختار"، "علی بن حدید"، "علی بن اعبان"، "عمر بن عبدالعزیز زحل"، "عنبسہ بن بجاد"، اور "منزر بن قابوس" کی تشریح۔

اس کے بعد کہتے ہیں:

"میں نے ان چند ناموں میں کوئی تحریف نہیں پائی اگرچہ احتمال ہے کہ ان میں بھی تحریف کی گئی ہے ان ناموں کے علاوہ میں نے کتاب کی تمام تشریحوں میں تحریفات مشاہدہ کی ہیں اور تمام تحریفات کی اس کے مقام پر بحث و تحقیق کی ہے"۔ اس کتاب میں بہت کم ایسی روایتیں پائی جاتی ہیں جو تحریف و تغیرات سے پاک وصاف ہوں، یہاں تک کہ کتب کے بہت سے عنوان بھی تحریف ہوئے ہیں کسی شخص سے متعلق روایت کو کسی دوسرے شخص کے حالات میں بیان کیا گیا ہے ایک طبقہ کے راویوں کے دوسرے طبقہ میں درج کیا ہے۔ ابو بصیر لیث مرادی کی روایت کی غلطی سے ابو بصیر یحییٰ اسدی کی تشریح میں ذکر کیا ہے۔ ابو بصیر یحییٰ کی روایت کو اشتباہ سے "علباء اسدی" کے سلسلے میں درج کیا ہے اور ابو بصیر عبدالہ فرزند محمد اسدی کے بارے میں بھی غلطی کا شکار ہوا ہے۔ عبداللہ بن عباس کی تشریح کے سلسلہ میں پہلی روایت کو حزیمہ کی تشریح میں اس تشریح سے پہلے نقل کیا ہے۔ علی بن یقطین کی تشریح کے آخر میں ایک روایت اور ابتداء میں ایک اور روایت کو حذف کیا ہے۔ ابو الخطاب کی تشریح میں ۲۳ روایتیں نقل کی ہیں کہ جن کا ابو الخطاب سے کوئی ربط نہیں ہے۔ یہی وجہ تھی کہ قہپائی نے اپنی کتاب میں ابو الخطاب کی تشریح میں ان روایتوں کو نقل کرنے کے بعد انھیں کاٹ دیا ہے۔

حمیری کہ جو امام حسن عسکری علیہ السلام کے صحابی تھے کو امام رضا علیہ السلام کے اصحاب میں شمار کیا ہے۔ لوط بن یحییٰ کو حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے اصحاب میں درج کیا ہے جبکہ لوط امام باقر علیہ السلام یا امام صادق علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھا اور اس کا دادا امیر المومنین علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھا۔ شیخ طوسی نے اس کتاب کے ایک حصہ کو اس میں موجود تمام تحریفات، تغیرات اور اشتباہات کے ساتھ انتخاب کیا ہے اور ان کے ابواب کے عنوان کو حذف کیا ہے۔ قہپائی نے اس کتاب کی بعض خرابیوں کو صحیح کرنا چاہا ہے لیکن اس کے برعکس اس کتاب میں خرابیوں میں اضافہ ہی کر دیا ہے

اور باطل کام انجام دیا ہے۔ان سب تحریفات کے باجود کتاب کشی کا یہ نتیجہ ہوا کہ اس کتاب کے مطالب پر کسی بھی طرح کا اعتماد نہیں کیا جاسکتا مگر یہ مطلب صحیح ہونے کے سلسلہ میں کتاب کشی کے علاوہ کسی کتاب میں دلیل موجود ہو۔

اس بنا پر متاخرین دانشوروں نے کتاب کشی پر اعتماد کر کے متفق القول کہا ہے کہ: "ابان عثمان" فرقہ ناوسیہ سے ہے جیسا کہ رجال کشی میں ایسا ہی ذکر ہوا ہے ان علماء کا رجال کشی پر یہ اعتماد بے جا تھا اور احتمال یہ ہے کہ یہ جملہ اس کتاب میں تحریف ہوا ہے اور یہ جملہ در حقیقت کان من القادسیہ تھا یعنی ابان اہل قادسیہ تھا۔اصل کتاب کشی کے علاوہ "اختیار رجال کشی" شیخ طوسی کا خلاصہ ہے اور شیخ کے بعد آج تک یہ کتاب دانشوروں کے پاس موجود ہے اس کتاب میں اصل کتاب رجال کشی میں موجود تحریفات کے علاوہ، شیخ یا اسکے بعد والے علماء نے بھی اس میں بعض تبدیلیاں کی ہیں اس سبب سے اس کے نسخوں میں اختلاف پایا جاتا ہے جیسے: قہپائی کا نسخہ موجودہ طبع شدہ نسخوں سے اختلاف رکھتا ہے، گویا قہپائی کے نسخہ میں کتاب کا حاشیہ متن میں داخل کیا گیا ہے۔جو کچھ علامہ حلی نے "خلاصۃ الاقوال" میں کشی سے نقل کیا ہے، اس میں بھی تحریفات ہیں، لیکن کم ہیں۔جو کچھ اس کتاب سے نقل کر کے ابن داؤد کی رجال میں آیا ہے، اس کی تحریفات بے شمار ہیں اور کو دا ابن داؤد کی کتاب رجال متاخرین دانشوروں کی کتابوں میں وہی حیثیت رکھتی ہے جو کتاب کشی گزشتہ دانشوروں کی کتابوں میں رکھتی تھی۔(مذکورہ مطالب کو کتاب قاموس الرجال طبع مصطفوی تہران ۱۳۷۹ھ (ج ۱۲/۴۲-۴۸) سے خلاصہ کے طور پر نقل کیا گیا ہے)۔اس دانشور کے محققانہ بیان کے صحیح ہونے کی حقیقت کتاب رجال کشی کی طرف رجوع کرنے سے واضح و آشکار ہوجاتی ہے۔اگر ہم اسکے علاوہ اس کتاب کی اصل کے بارے میں بحث کرنا چاہیں، تو ایک مستقل کتاب تالیف ہوگی کہ اس کی ضرورت نہیں ہے اور موجودہ نسخہ کی جانچ پڑتال کے بارے میں ہم اتنے ہی پر اکتفاء کرتے ہیں۔

﴿۳۔ گزشتہ پانچ روایتیں﴾

الف) علماء نے ان روایتوں پر اعتماد نہیں کیا گیا: گزشتہ روایتوں کو شیخ کلینی (وفات سنہ ۳۲۹ ھ) نے اپنی کتاب "کافی" میں درج کیا ہے۔

اس طرح شیخ صدوق (وفات سنہ ۳۸۱ ھ) نے اپنی کتاب "من لا یحضرہ الفقیہ" میں اور شیخ طوسی۔ جو خود ہی کتاب اختیار رجال کشی کے مؤلف تھے۔ اپنی کتاب "تہذیب" اور "استبصار" میں ان روایتوں کی طرف اشارہ تک نہیں کیا ہے اور یہ مطلب خود اسکی دلیل ہے کہ یہ بزرگوار ان روایتوں پر اعتماد نہیں کرتے تھے، خاص کر پہلی اور دوسری روایت کو نقل کرتے تھے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے عبداللہ بن سبا کو مرتد ہونے کے جرم میں نذر آتش کیا ہے اس طرح فقہاء نے آج تک مرتد حکم کے بارے میں ان دو روایتوں کی طرف اشارہ تک نہیں کیا۔

ب) تناقص کا اشکال: شیعہ کتابوں میں عبداللہ بن سبا کے بارے میں دو اور روایتیں موجود ہیں جو کشی کی ان پانچ روایتوں سے تناقص رکھتی ہیں ان دو روایتوں کا مفہوم ان پانچ روایتوں کے مضمون کو مکمل طور پر جھٹلاتا ہے۔

پہلی روایات: کتاب "من لا یحضرہ الفقیہ"، "خصال"، "تہذیب"، "خدائق"، "وسائل" اور "دافی" میں نقل ہوئی ہے اور وہ روایت یہ ہے:

امام صادق علیہ السلام اپنے بابا امام باقر علیہ اسلام سے نقل کرتے

ہیں کہ ایک دن امیر المومنین نے فرمایا: جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو،
اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کرو اور خدا سے مناجات کرو، ابن سبا نے
جب امیر المومنین علیہ السلام کے اس بیان کو سنا، تو اعتراض کیا اور کہا:
اے امیر المومنینؑ! کیا خداوند عالم ہر جگہ موجود نہیں ہے؟

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: ہاں خداوند متعال ہر جگہ موجود ہے ابن سبا نے کہا: پھر کیوں حالت دعا میں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے جائیں؟ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم نے قرآن مجید میں اس آیت کو نہیں پڑھا ہے کہ خداوند عالم فرماتا ہے:

﴿وفی السماء رزقکم وماتوعدون﴾

تمہارا رزق اور جس چیز کا وعدہ کیا گیا ہے آسمان پر ہے پس رزق کیلئے اپنی جگہ سے درخواست کرنی چاہئے اور رزق وہیں پر ہے جس کا خدا نے وعدہ کیا ہے اور وہ آسمان ہے۔ (خدا کی طرف دل سے توجہ کرتے وقت جسم بھی ایک خاص کیفیت میں ہونا چاہئے وہ بھی ایک خاص کیفیت میں تا کہ روحانی وفکری توجہ زیادہ ہو جائے یہ جہت اور کیفیت بھی خدا کی طرف سے معین ہونی چاہئے) شیخ طوسی کی امالی میں یہ روایت اس طرح نقل ہوئی ہے کہ: ایک دن "مسیّب بن نجبہ" (مسیّب، علی علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھا اور "جنگ عین الوردہ" کے توبہ کرنے والوں کا کمانڈر تھا جنہوں نے حضرت سید الشہداء کی خونخواہی کی راہ میں بغاوت کی تھی "جمہر ابن حزم/۲۵۸" وہ اسی جنگ میں ۶۵ ھ میں قتل ہوا "سفینۃ البحار ج۱/۶۷۷" ترمذی نے اس سے حدیث نقل کی ہے "التقریب ۲/۲۵۰") نے عبداللہ بن سبا کا گریبان پکڑ لیا اور اسے گھسیٹتے ہوئے امیر المومنین علیہ السلام کے پاس لایا۔ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: کیا ہوا ہے؟ مسیّب نے کہا: یہ شخص خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ کی نسبت دیتا ہے؟ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: کیا کہتا ہے؟ راوی کہتا ہے کہ میں نے اس قدر سنا کہ امیر المومنین نے فرمایا: ھیھات! ھیھات! "بعید ہے! بعید ہے!" لیکن ایک مرد جو تند رفتار اونٹ پر سوار ہے

اور اونٹ پر کجاوہ بندھا ہوا تمہارے درمیان آئے گا حج وعمرہ کی خاک کو ابھی پاک نہ کیا ہوگا تم لوگ اسے قتل کر ڈالو گے (اس شخص سے علی کا مقصود ان کے فرزند حسینؑ بن علیؑ تھے)۔

غیبت نعمانی میں یہ روایت مسیّب بن نجبہ سے یوں نقل ہوئی ہے کہ: ایک شخص "ابن سوداء" نامی ایک مرد کے ہمراہ مولا امیر علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور کہا: یا امیر المومنین! یہ مرد "ابن مواد ء" خدا اور رسول خداﷺ نے فرمایا: "لقد اعرض و اطول" بکواس کی بات ہے کیا کہتا ہے۔ اس نے کہا، لشکر غضب کے بارے میں کہتا ہے، کہ امام نے فرمایا: اُسے چھوڑ دو، ہاں، لشکر غضب ایک ایسا گروہ ہے جو آخر زمانہ میں ظاہر ہوگا۔ یہ تھیں دو روایتیں جن کا مضمون کشی کی پنجگانہ روایتوں سے مخالف اور تناقض رکھتا ہے کیونکہ روایات دلالت کرتی ہیں کہ ابن سبا الوہیت و بشری خدائی کا دعویدار تھا یعنی جو شکل و صورت اور جسم رکھتا تھا، انتقال مکانی کرتا رہتا ہے، کبھی حاضر ہوتا تھا اور کبھی غائب۔۔۔ کا قائل تھا، جبکہ یہاں پر پہلی روایت دلالت کرتی ہے کہ ابن سبا خدا کو منزہ اور اس سے بلند تر جانتا تھا کہ اجسام کی طرح کسی مکان میں ہو اور کسی دوسرے مکان میں نہ ہو۔ اور دوسرے روایت اس پر دلالت کرتے کہ ابن سبا یا ابن سوداء نے پیشن گوئی کی ہے اور یہ خبر مسیّب کی نظر میں (یا دوسرے شخص کی نظر میں) عجیب اور نا قابل یقین ہے اور اسے خدا اور خوارج کا رئیس تھا سیف کے افسانہ اشاعت ملنے کے بعد یہ لفظ اپنے اصلی معنی سے تحریف ہو کر آیا تازہ پیدا شدہ مذہبی فرقہ میں استعمال ہوا ہے جس کا بانی بقول سیف عبداللہ سبا نامی ایک یہودی تھا، اس جدید معنی میں اس لفظ نے شہرت پائی، اور عبداللہ بن وھب سبائی بھی عبداللہ سبائی یہودی میں تبدیل ہو گیا اس کو تاریخ کے بعد رفتہ رفتہ لفظ "سبئیہ" کے قبیلہ سے نسبت کے طور پر استعمال ہونا متروک ہو گیا۔

خاص طور پر عراق کے شہروں اور عراق کے گرد و نواح شہروں اور افسانہ عبداللہ بن سبا اور فرقہ

سبائیہ کی پیدائش کی جگہ میں اس کا اصلی معنی میں استعمال مکمل طور پر فراموشی کی نظر ہوگیا یہاں تک کہ ہم نے اپنے مطالعات میں اس کے بعد کسی کو نہیں دیکھا جو ان شہروں میں سبا بن یشجب سبئی سے منسوب ہوا ہو لیکن یمن، مصر اور اندلس میں دوسری اور تیسری صدی ہجری میں بھی یہ لفظ اسی اصلی معنی میں استعمال ہوتا تھا، بعض افراد جو فرقہ "سبئیہ " کے بانی عبداللہ بن سبا سے اصلاً کوئی ربط نہیں رکھتے تھے سبا بن یشجب اور قبیلہ قحطان سے منسوب ہونے کے سبب سبئیہ کہے جاتے تھے صحاح کی کتابوں کے مولفین نے بھی حدیث میں ان سبئی افراد کو بعنوان حدیث کے قابل اعتماد راویوں کے طور پر ذکر کیا ہے لیکن بعد میں ان شہروں میں بھی زمانہ کے گزرنے کے ساتھ سبئیہ کا استعمال بعنوان قبیلہ بلکل نابود ہوگیا اور اس طرح اس لفظ نے تمام شہروں اور عالم میں ایک مذہبی فرقے کے نام سے شہرت پائی ہم اگلی فصل میں اسی کی وضاحت کریں گے۔

تاریخ، ادیان اور عقائد کی کتابوں میں عبداللہ بن سبا

هم الذين يقولون ان عليا فى السحاب وان الرعد صوته و البرق سوطه

گروہ سبائیہ معتقد ہیں کہ علی "علیہ السلام " بادلوں میں ہیں اور رعد ان کی آواز اور برق ان کا تازیانہ ہے علماے

ادیان و عقائد

﴿تاریخ میں عبداللہ سبا کی متضاد تصویریں﴾

سیف نے افسانہ عبداللہ سبا و سبئیہ کو جعل کر کے اپنی کتابوں میں تاریخی حوادث کے طور پر

ثبت کیا ہے، اس کے بعد طبری اور دوسرے مورخین نے اس کی دو کتابوں سے اس افسانہ اور سیف کے دوسرے افسانوں کو نقل کر کے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے خاص کر افسانہ سبئیہ کو مسلمانوں میں پہلے سے زیادہ منتشر کیا اس افسانہ کے منتشر ہونے کے بعد لفظ "سبئیہ" تمام نقاط میں اور تمام لوگوں کی زبانوں پر عبداللہ بن سبا کے ماننے والوں کیلئے استعمال ہوا اور اس معنی میں خصوصیت پیدا کر گیا اس کے بعد اس کا اپنے اصلی معنی میں۔ کہ قبیلہ قحطان اور سبا بن یشجب سے منسوب ہونا۔ استعمال متروک ہو گیا ہے۔ لیکن بعد میں سبئی کا مفہوم اس معنی سے تغیر پیدا کر گیا اور اس میں ایک تبدیلی آ گئی اور لفظ مختلف صورتیں اختیار کر گیا اس کا جعل کرنے والا بھی متعدد قیافوں اور عنوان سے ظاہر ہوا، مثلاً دوسری صدی ہجری کے اوائل میں سیف کی نظر میں "سبئی" اس کو کہا جاتا تھا جو علی علیہ السلام کی وصایت کا معتقد ہو لیکن تیسری صدی کے اواخر میں "سبئی" اس کو کہتے تھے جو علی علیہ السلام کے خدا ہونے کا معتقد ہو اسی طرح عبداللہ بن سبا سیف کی نظر اور اسکے زمانے میں وہی ابن سودا تھا لیکن پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں عبداللہ بن سبا، ابن سودا کے علاوہ کسی اور شخصیت کی حیثیت سے پہچانا گیا بلکہ یہ الگ الگ دو افراد پہچانے گئے کہ ہر ایک اپنی خاص شخصیت کا مالک تھا اور وہ افکار و عقائد بھی ایک دوسرے سے جدا رکھتے تھے کلی طور پر جو مطالب پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں عبداللہ سبا کے بارے میں ذکر ہوئے ہیں ان سے یوں استفادہ کیا جا سکتا ہے عبداللہ سبا چند اشخاص تھے اور ہر ایک کیلئے اپنی مخصوص داستان تھی:

اول: عبداللہ بن وھب سبائی جو علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے زمانے میں زندگی بسر کرتا تھا وہ خوارج کے گروہ کا سردار تھا لیکن علماء کی ایک مخصوص تعداد کے علاوہ اسے کوئی نہیں جانتا۔

دوم: وہ عبداللہ بن سبا جو ابن سودا کے نام سے مشہور تھا سیف کے کہنے کے مطابق یہ عبداللہ سبا فرقہ "سبائیہ" کا بنی کہ جو علی علیہ السلام کی رجعت اور وصایت کا معتقد تھا اس نے اکثر اسلامی ممالک اور شہروں میں فتنے اور بغاوتیں برپا کی ہیں، لوگوں کو گورنروں اور حکمرانوں کے خلاف اکسانا تھا نتیجہ کے طور پر سبائی مختلف شہروں سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں پر جمع ہونے کے بعد مسلمانوں کے خلیفہ عثمان کو قتل کر ڈالا یہ وہی تھے جنہوں نے جنگ جمل کی آگ بھڑکائی اور مسلمانوں میں ایک زبردست قتل عام کرایا۔

سوم: عبداللہ سبائی، غالی، انتہا پسند تیسرا عبداللہ سبا ہے وہ فرقہ سبیہ کا بانی تھا جو علی علیہ السلام کے بارے میں غلو کر کے انکی الوہیت کا قائل ہوا تھا۔

پہلا عبداللہ سبائی حقیقیت میں وجود رکھتا تھا اور علی ابن ابیطالب کے زمانہ میں زندگی بسر کرتا تھا اپنے حقیقی روپ میں کم وبیش تاریخ کی کتابوں میں درج ہوا ہے دوسرا عبداللہ بن سبا وہ ہے جسے بنی امیہ کی حکومت کے اواخر میں سیف کے چاپلوس ہاتھوں سے جعل کیا گیا ہے اس کی زندگی کے بارے میں روایتیں اسی صورت میں تاریخ کی کتابوں میں ہیں جیسے سیف نے ان کو جعل کیا ہے۔ لیکن تیسرا عبداللہ بن سبا، جو تیسری صدی ہجری میں پیدا ہوا ہے اس کے بارے میں روایتیں دن بہ دن وسیع سے وسیع تر ہوتی گئی ہیں اور اسکے بارے میں مختلف داستانیں و مطالب مفصل طور پر نقل کیے گئے ہیں کہ تاریخ، رجال اور مخصوصاً ادیان وعقائد کی کتابیں ان سے بھری پڑی ہیں۔ ایک مختصر و تحقیق کے پیش نظر شاید اس روداد کی علت اور راز یہ ہو کہ عبداللہ بن دھب سبائی یا پہلا عبداللہ چونکہ حقیقت میں وجود رکھتا تھا اس کے بارے میں سرگزشت اور روایتیں جس طرح موجود تھیں اسی طرح تاریخ میں آ گئی ہیں اور اس مقدار کے ساتھ اختتام کو پہنچی ہیں لیکن دوسرا عبداللہ بن سبا، چونکہ اس کو خلق کرنے والا سیف بن عمر

ہے اس لئے اس نے اس افسانہ کو حسب پسند اپنے خیال میں تجسم کر کے جعل کیا ہے اس کے بعد اسے اپنی کتاب میں درج کیا ہے اور بعد والے مورخین نے بھی اس جعل کردہ افسانہ کو اس سے نقل کر کے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے اس لحاظ سے ان دو عبداللہ بن سبا کے بارے میں اخبار رو روایتوں میں زمانہ اور صدیاں گزرنے کے باوجود کوئی خاص فرق نہیں آیا ہے۔

لیکن تیسرا عبداللہ سبا چونکہ مورخین اور ادیان و عقائد کے علماء نے اس کے بارے میں روایتوں اور داستانوں کو عام لوگوں اور گلی کوچوں سے لیا ہے اور عام لوگوں کی جعلیات میں بھی ہر زمانے میں تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ اس لئے تیسرے عبداللہ بن سبا کے افسانہ میں زمانے کے گزرنے کے ساتھ ساتھ وسعت پیدا ہو کر تغیرات آگئے ہیں تیسری صدی ہجری کے آواخر سے نویں صدی ہجری تک کتابوں میں عبداللہ بن سبا کی شناخت یوں کرائی گئی ہے۔

الف) عبداللہ سبا وہی ہے جو علی علیہ اسلام کی خلافت کیلئے بیعت کے اختتام پر حضرت کی تقریر کے بعد اٹھا اور بولا: "یا علی! آپ علیہ السلام کائنات کے خالق ہو اور رزق پانے والوں کو رزق دینے والے ہوا" امام علیہ السلام اس کے بیان سے بے چین ہوئے اور اسے مدینہ سے مدائن جلا وطن کیا اس کے بعد ان کے حکم کے مطابق ان کے "سبیہ" نامی گیارہ ماننے والوں کو گرفتار کر کے آگ میں جلا دیا، ان گیارہ افراد کی قبریں اسی سرزمین صحرا میں معروف ہیں۔

ب) عبداللہ بن سبا وہی ہے جس نے امام علی علیہ السلام کے بارے میں غلو کیا ہے اور انہیں پناہ خدا تصور کیا، لوگوں کو اپنے باطل عقیدہ کی طرف دعوت دی، ایک گروہ نے اس کی اس دعوت کو قبول کیا، علی علیہ السلام نے بھی اس گروہ میں سے بعض افراد کو آگ کے دو گڑھوں میں ڈال کر جلا دیا یہاں پر بعض شعراء نے کہا ہے:

التـرم بـی الـحـوادث حیث شاء ت اذا لم ترم فی الحضرتین

یعنی: حوادث روزگار ہمیں جس خطرناک عذاب میں ڈال دیں، ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے مگر ہمیں علی علیہ السلام آگ کے ان دو گڑھوں میں نہ ڈالیں۔

علی علیہ السلام نے جب ابن سبا کی اس غلو وانحراف کا مشاہدہ کیا تو اسے مدائن میں جلاوطن کر دیا وہ علی علیہ السلام کی رحلت کی خبر سننے تک مدائن میں تھا، اس خبر کو سننے کے بعد اس نے کہا علی علیہ السلام نہیں مرے ہیں، جو مر گیا ہے وہ علی علیہ السلام نہیں تھے بلکہ شیطان تھا، جو علی علیہ السلام کے روپ میں ظاہر ہوا تھا کیوں کہ علی علیہ السلام نہیں مریں گے بلکہ انہوں نے عیسیٰ کے مانند آسمانوں کی طرف پرواز کی ہے اور ایک دن زمین پر اتر کر دشمنوں سے انتقام لیں گے!

ج) عبداللہ سبا، وہی تھا جو کہتا تھا کہ علی مرنے کے بعد بھی زندہ ہیں جب وہ مدائن میں جلاوطنی کے دن گذار رہا تھا جب اسکو علی علیہ السلام کی رحلت کی خبر دی گئی، تو اس نے اس خبر کو قبول نہیں کیا جس نے یہ خبر دی تھی اسے کہا: اے دشمن خدا! خدا کی قسم تو جھوٹ بول رہا ہے، اگر علی علیہ السلام کے سر کی کھوپڑی بھی میرے سامنے لاؤ گے اور ستر عادل مومن گواہی دیں گے علی علیہ السلام وفات کر گئے ہیں پھر بھی میں تیری بات کی تصدیق نہیں کروں گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام نہیں مریں گے اور نہ قتل کیے جائیں گے یہاں تک کہ پوری دنیا پر حکمرانی کریں گے، اس کے بعد عبداللہ بن سبا اسی دن اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مدائن سے کوفہ کی طرف روانہ ہو گیا وہ علی کے گھر کے دروازے پر پہنچے دروازہ پر کھڑے ہو کر جس طرح کسی زندہ انسان سے گھر میں داخل ہونے کی اجازت چاہتے ہیں علی علیہ السلام سے اجازت طلب کی، امام کے خاندان والوں نے ان کی رحلت کی خبر دی، انہوں نے علی کی وفات کو قبول نہیں کیا اور امام کی رحلت کے بارے میں امام کے اہل بیت علیہم السلام کی

بات کو ماننے سے انکار کیا اور اسے جھوٹ کہا:

یہ تھا ان مطالب کا ایک خلاصہ جو تیسرے عبداللہ سبا کے بارے میں کہے گئے ہیں اور اسکی زندگی کے حالات اور عقیدہ کے طور پر کتابوں میں ثبت ہو کر رائج ہوئے ہیں اسی کے بارے میں کہا گیا ہے: عبداللہ بن سبا وہی ابن سودا ہے یعنی ایک سیاہ فام کنیز کا بیٹا، اس کے باوجود معروف ہے کہ ابن سبا اور ابن السوداء دو افراد اور الگ الگ شخصیتیں ہیں۔ اور کہا گیا کہ: دوسرا عبداللہ بن سباہ سبا حیرہ کے یہودیوں میں سے تھا، اس نے علی علیہ السلام اور ان کی اولاد کے بارے میں تاویلات کر کے مسلمانوں کے دین کو فاسد منحرف کرنا چاہا تا کہ مسلمان علی علیہ السلام اور ان کے فرزندوں کے بارے میں وہی اعتقاد پیدا کریں جو عیسائی حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں رکھتے ہیں اس کے علاوہ وہ کوفہ کے لوگوں پر ریاست اور سرپرستی کرنا چاہتا تھا اس لئے اس نے کوفہ کے لوگوں میں افواہ پھیلائی کہ توریت میں آیا ہے کہ "ہر پیغمبر کا ایک وصی ہے اور علی علیہ السلام بھی محمد خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں" لوگوں نے یہ بات اس سے سن کر علی علیہ السلام کو پہنچا دی کہ ابن سوداء آپ کے دوستداروں اور چاہنے والوں میں سے ہے، علی (علیہ السلام) نے اس کا کافی احترام کرتے اور اسے اپنے منبر کے نیچے بٹھاتے تھے لیکن جس دن علی علیہ السلام کے بارے میں عبداللہ کا غلو ظاہر ہوا اور حضرت تک پہنچا تو حضرت نے اس کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا، لیکن چونکہ حضرت اس کے ماننے والوں کے سفاد و بغاوت سے ڈر گئے اس لئے اس کے قتل سے منحرف ہوئے اور عبداللہ بن سبا کو مدائن جلاوطن کیا جب اس نے مدائن میں گروہ رافضہ سید کو کفر اور بے دینی میں شدید ترین اور منحرف ترین افراد پایا تو وہ ان کے ساتھ جا ملا۔

گروہ سبئیہ جن کا بانی یہی تیسرا عبداللہ سبا تھا، کہتے تھے:

علی علیہ السلام بادلوں میں ہیں، رعد اس کی آواز اور برق انکا تازیانہ ہے اور جب بھی رعد کی

آوازان کے کانوں تک پہنچی ہے اس کے مقابلے میں کھڑے ہوکر تعظیم واحترام کے ساتھ کہتے ہیں

السلام علیک یا امیر المئومنین

﴿یہ گروہ سبئی وہی ہیں جو کہتے ہیں: امام علی ابن ابیطالب وہی مہدی موعود ہیں کہ دنیا اس کے انتظار میں ہے﴾

وہ تناسخ کا اعتقاد رکھتے ہیں اور کہتے ہیں: ائمہ اہل بیت علیہم السلام خدا کا جزء ہیں۔ وہ کہتے ہیں: خدا کے ایک جزء نے علی علیہ السلام میں حلول کیا ہے" وہ کہتے ہیں: ہمارے ہاتھ میں جو قرآن ہے وہ حقیقی قرآن کے نو حصوں میں سے ایک حصہ ہے کہ اس کا پورا علم علی علیہ السلام کے پاس ہے۔ وہ "ناووسیہ" سے متحد ہیں اور کہتے ہیں: جعفر بن محمد علیہ السلام تمام تعالیمات اور احکام دین کے علیم ہیں۔ انہوں نے ہی مختار کو نبوت کا دعویٰ کرنے پر مجبور کیا۔ یہ وہی فرقہ "طیارہ" ہے جو کہ کہتے ہیں: ان کی موت ان کی روح کا عالم بالا کی طرف پرواز کے علاوہ کچھ نہیں ہزید کہتے ہیں: روح القدس عیسیٰ سے محمد میں منتقل ہوا ہے اور محمد سے علی میں اور ان سے حسن و حسین علیہ السلام میں اور ان سے دیگر ائمہ میں جو ان کی اولاد ہیں۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

وہ اسی رم ابن حرث کندی کے اصحاب ہیں جس نے اپنے ماننے والوں کو دن رات کے اندر سترہ (۱۷) نمازیں واجب کیں کہ ہر نماز پندرہ رکعت کی تھی یہ گروہ اعتقاد رکھتا تھا کہ علی نہیں مرے ہیں بلکہ اپنی مخلوق سے ناراض ہوکر ان سے غائب ہو گئے ہیں اور ایک دن ظہور کریں گے وہ وہ وہی ناسمجھ فرقہ ہے جو مختار کا ماننے والا ہے۔ وہ، وہی گروہ ممطور ہیں۔ اسی طرح وہ دوسرے دسیوں گروہ ہیں۔۔۔! جو تیسرے عبداللہ بن سبا کے پیرو گروہ "سبئیہ" کے بارے میں نقل ہوئے ہیں۔ ہم نے

جعل کئے گئے فرقہ سبائی کے بارے میں ان بیہودگیوں، بہتانوں، ملاوٹوں اور تحریفات کو دیکھا۔

«جعل و تحریف کے محرکات»

انھا کانت تدمغ ائمۃ اھل البیتؑ فی جمیع العصو

یہ جعلیات اور افسانے نے تمام زمانوں میں شیعوں کو نقصان پہنچانے اور انھیں کچلنے کیلئے تھے۔

اگر ہم تمدن اسلامی کے بعض مواقع کے بارے میں ایجاد کی گئی تحریفات اور تغیرات پر دقیق بحث و تحقیق کریں گے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ان تحریفات میں سے بعض مؤلفین کی غلطیوں کی وجہ سے وجود میں آئی ہیں ان غلطیوں سے دوچار ہونے والے افراد، انکی اشاعت کرنے میں شاید سیاسی محرک یا خاندانی تعصب یا مذہبی تعصب کارفرما نہیں تھا۔ لیکن افسانہ عبداللہ بن سبا اور سبئیہ کے جعل و نشر میں عام طور پر ملوث افراد اور خصوصی طور پر وقت کی حکومتیں مختلف عزائم اور محرکات رکھتی تھیں، کیونکہ:

۱) افسانہ عبداللہ بن سبا، اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ پر ہونے والے اعتراضات پر پردہ پوشی کرتا ہے اور انہیں ان اعتراضات سے پاک اور سزاء سے پاک کرتا ہے یہ ایک نازک اور سیاسی مطلب ہے جو تمام ادوار میں لوگوں کے مختلف طبقات اور صاحب قدرت اور حکومتوں کا پسندیدہ تھا۔

۲۔ یہ افسانہ اسلام کی ابتدائی صدیوں کے تمام تاریخی مظالم، عیوب، خطاؤں اور گناہوں کو قبائل قحطان کی گردن میں ڈالتا ہے اور اس کے مقابلہ میں تمام فضائل و تاریخی کارناموں کو قبائل عدنان

سے نسبت دیتا ہے چونکہ خاندان عباسی کے اواخر تک حکومتیں قبیلہ قریش اور عدنانیوں میں رہی ہیں، لوگ قحطانیوں اور سبائیوں سے عداوت اور شدید مخالفت رکھتے تھے اس لئے انہوں نے اس افسانہ کی اشاعت اور ترویج میں جو ان حکومتوں کے حق اور ان کے دشمنوں کے نقصانات میں تھا۔ تمام قدرت اور پوری طاقت کے ساتھ ہر ممکن کوشش کی۔

۳۔ ان سب سے اہم یہ کہ یہ افسانہ خلفاء کی حکومت کے مخالفوں۔۔۔ جو خاندان عصمت کے شیعہ تھے۔ پر کفر والحاد کا الزام لگا کر انہیں دین و مذہب سے خارج کرتا ہے کیونکہ یہ لوگ خلفا عثمانی کے دور تک ادوار میں حتی کہ آج تک وقت کی حکومتوں کے مخالف تھے۔ خود یہی افسانہ ہے جس نے گزشتہ زمانہ میں وقت کی حکومتوں کیلئے شیعوں پر حملہ کرنے کا راستہ ہموار کیا ہے اور شیعوں پر ہم قسم کے دباؤ، مشکلات اور دشواریاں ایجاد کرنے کیلئے حکومتوں کیلئے قوی سہارا اور مضبوط دستاویز کا کام کیا ہوا ہے بالکل واضح ہے کہ وقت کی حکومت اس قسم کی فرصت سے فائدہ اٹھانے کی پوری پوری کوشش کرتی اور اس قسم کے وسائل کی تائید و تبلیغ کرنے کے لئے پوری طاقت اور قدرت کو بروئے کار لائی ہے۔

خود یہی محرک اور اس کے علاوہ دوسرے محرکات تھے جس نے اس افسانہ کو وجود بخشا نیز اس کو اشاعت اور شہرت دی اور اس سلسلے میں علماء پر بحث و تحقیق کے دروازے مسدود کر دیے یہاں تک خداوند عالم نے اس پر بحث و تحقیق کرنے کی توفیق ہمیں عنایت فرمائی وما علینا البلاغ۔

﴿سیف کی دوسری تحریفات اور جعلیات﴾

سیف کی جعلیات و تحریفات صرف افسانہ عبداللہ سبا تک ہی محدود نہیں تھیں بلکہ اس سے پہلے

اشارہ کئے گئے محرکات کے علاوہ اپنے الحاد اور زندقہ کے محرکات کے پیش نظر بھی افسانے جعل کئے ہیں اور ان افسانوں کیلئے سورما بھی خلق کئے ہیں جن کی تحقیق کیلئے ہم نے کئی کتابیں جیسے "خمسون و مآۃ صحابی مختلق" یونی "ایک سو پچاس جعلی اصحاب" "رواۃ مختلق یعنی جعلی راوی اور "عبداللہ بن سبا" جیسی ان کتابوں میں ضمنی طور پر ان سوالات کا جواب بھی آیا ہے کہ:

یہ تاریخ اسلام میں یہ تحریفات، تبدیلیاں اور جلعلیات کیوں اور کیسے وجود میں آئے ہیں؟!

تاریخ اور حدیث کے علماء نے اس کے مقابلہ میں کیوں بالکل خاموشی اختیار کی ہے اور گزشتہ کئی صدیوں کے دوران اس سلسلہ میں کسی قسم کی تحقیق اور جانچ پڑتال نہیں کی گئی ہے؟! اس کے علاوہ سیف بن عمر نے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے قاتل عبدالرحمان ابن ملجم کے نام کو کیسے خالد بن ملجم میں تحریف کر کے اسے علی علیہ السلام کے بارے میں غلو کرنے والے فرقہ "سبئیہ" کی ایک بزرگ شخصیت دکھایا ہے اس کے علاوہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کے مشہور صحابی "خزیمہ بن ثابت انصاری" کو کیسے دو اشخاص ایک "ذو الشہادتین" کے نام سے اور دوسرے کو "غیر ذو الشہادتین" کے نام سے پیش کیا ہے اسی طرح "سماک بن خرشنہ انصاری" کو دو اشخاص دکھائے ہیں۔ ایک معروف بہ ابود جانہ اور دوسرا غیر ابودجان، اور عبداللہ بن سبا کو بھی دو اشخاص دکھانے میں کامیاب ہوا ایک ابن دھب سبائی جو علی علیہ السلام کی خلافت کے دوران گروہ خوارج کا سردار تھا اور دوسرا ابن سبا جس کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں تھا اور اس نے کسی ماں سے جنم ہی نہیں لیا تھا بلکہ یہ سیف کے ذہن کی پیداوار تھا اس لحاظ سے تاریخ اسلام میں جعل، تحریف اور تخلیق سیف کی بلکل گنجائش نہیں ہے پھر بھی ان تحریفات و جعلیات کے مقابلہ میں علماء کی خاموشی تازہ نہیں تھی اور افسانہ عبداللہ بن سبا سے ہی مخصوص نہیں تھی کہ جو ایک فرد محقق کیلئے بُعد اور نا قابل قبول اور نا قابل حل دکھائی دے۔

پانچ جعلی اصحاب

یاد دہانی کے طور پر سیف کے سورماؤں کو تخلیق کرنے کا کارنامے اور ان کارناموں کے نمونے پیش کرنے کے لئے یہاں پر مناسب ہے درج ذیل پانچ افسانوی اصحاب کی طرف اشارہ کریں۔

قعقاع بن عمرو بن مالک تمیمی اسد: سیف نے ایک زبردست اور الہام شدہ شاعر، پیغمبر کا صحابی اور لشکر اسلام کے کمانڈر کی حیثیت سے پہچوایا ہے سنی اور شیعہ علماء نے بھی اس کی زندگی کے حالات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

۲۔ عامر بن عمرو، قعقاع کا بھائی۔

۳۔ نافع بن اسود بن قطبہ بن مالک تمیمی اسید، قعقاع کا چچیرا بھائی۔

۴۔ زیادہ بن حنظلہ تمیمی۔

۵۔ طاہر بن ابی ہالہ خدیجہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی کا بیٹا۔

اس قسم کے افسانوی افراد بہت زیادہ ہیں جنہیں سیف نے اپنے تصور اور خیال میں خلق کیا ہے اور انہیں بعنوان: راوی، شاعر، صحابی یا جنگی سورما وغیرہ کی موت کی صورت میں پیش کیا ہے۔ اسلامی تمدن کی حسب ذیل شیعہ وسنی کتابوں میں ان کا ذکر آیا ہے:

اھل سنت علماء کی وہ کتابیں جنھوں نے بلا تحقیق سیف بن عمر سے نقل کیا ھے

۱۔ سیف بن عمر تمیمی (وفات تقریباً سنہ ۱۷۰ھ) نے اپنی دو کتابوں: "الجمل" اور "الفتوح"

میں۔

۲۔طبری (وفات سنہ ۳۱۰ھ) نے اپنی "تاریخ" میں۔

۳۔بغوی (وفات سنہ ۳۱۷ھ) نے اپنی "معجم الصحابہ" میں

۴۔رازی (وفات سنہ ۳۲۷ھ) نے اپنی "الجرح والتعدیل" میں

۵۔ابن سکن (وفات سنہ ۳۵۳ھ) میں اپنی "حروف الصحابہ" میں۔

۶۔اصفہانی (وفات سنہ ۳۵۶ھ) نے اپنی "اغانی" میں

۷۔مرزبانی (وفات سنہ ۳۷۴ھ) نے اپنی "معجم الشعراء" میں

۸۔دارقطنی (وفات سنہ ۳۸۵ھ) نے اپنی کتاب "المؤتلف والمختلف" میں

۹۔ابونعیم (وفات سنہ ۴۳۰ھ) نے اپنی "تاریخ اصفہان" میں

۱۰۔بن عبدالبر (وفات سنہ ۴۳۰ھ) نے اپنی "استیعاب" میں۔

۱۱۔ابن ماکولا (وفات سنہ ۴۷۵ھ) نے "الاکمال" میں

۱۲۔ابن بدرون (وفات سنہ ۵۶۰ھ) نے "شرح قصیدہ ابن عبدون" میں

۱۳۔ابن عساکر (وفات سنہ ۵۷۱ھ) نے اپنی "تاریخ دمشق" میں

۱۴۔حموری وفات (سنہ ۶۲۶ھ) نے "معجم البلدان" میں۔

۱۵۔ابن اثیر (وفات سنہ ۶۳۰ھ) نے "اکامل التاریخ" میں

۱۶۔ابن اثیر (وفات سنہ ۶۳۰ھ) نے "اسد الغابہ" میں

۱۷۔ذہبی (وفات سنہ ۷۴۸ھ) نے "النبلاء" میں

۱۸۔ذہبی (وفات سنہ ۷۴۸ھ) نے "تجرید الاسماء الصحابہ" میں.

۱۹۔ابن خلدون (وفات سنہ ۸۰۸ھ) نے اپنی "تاریخ" میں

۲۰۔حمیری (وفات سنہ ۸۲۶ھ) نے اپنی "روض المعاطار" میں۔ اس کتاب کی

تاریخ تالیف سنہ ۸۲۶ھ ہے۔

۲۱۔ابن حجر(وفات سنہ ۸۵۲ھ)نے اپنی "اصابہ" میں

۲۲۔ابن بدران (وفات سنہ ۱۳۴۶ھ) نے اپنی "تہذیب تاریخ ابن عساکر" میں۔

﴿شیعہ علماء کی کتابیں﴾

بعض شیعہ علماء (علمائے شیعہ نے فقہ کے علاوہ تمام موضوعات جیسے: تفسیر سیرت پیغمبر ﷺ، رجال اور تاریخ میں علمائے سنی کی اکثریت سے نقل کیا ہے) اور مورخین نے اہل سنت کی کتابوں پر اعتماد کی وجہ سے ان ہی افسانوی افراد کے نام اور ان کی روایتوں اور داستانوں (مصنف کی کتاب "ایک سو پچاس جعلی اصحاب" اس افسانوی صحابی کے حالات ملاحظہ ہوں)۔ کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے، جیسے:

۱۔نصر بن مزاحم (وفات سنہ ۲۱۲ھ) اس کے اپنی کتابوں میں درج کئے بعض مطالب میں سے بعض کو اپنی کتاب "وقعتہ الصفین" میں نقل کیا ہے۔

۲۔شیخ طوسی (وفات سنہ ۴۶۰ھ) نے اپنی "رجال" میں۔

۳۔قہپائی نے "مجمع الرجال" میں ۱۰۱۶ھ میں اس کی تالیف سے فارغ ہوا ہے۔

۴۔اردبیلی (وفات سنہ ۱۱۰۱ھ) نے "جامع الرواۃ" میں۔

۵۔(مقانی (وفات سنہ ۱۳۵۲ھ) نے "تنقیح المقال" میں۔

۶۔سید عبدالحسین شرف الدین (سنہ ۱۳۷۷ھ) نے "الفصول المہتمہ" میں۔

۷۔تستری "معاصر قاموس الرجال" میں

نتیجہ:

اس بحث وگفتگو سے جو نتیجہ حاصل کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ: تاریخ اسلام میں پیدا ہوئے یہ تمام جعلیات، تحریفات اور اختلافات علماء، اور مؤلفین کیلئے پوشیدہ اور ناشناختہ رہے ہیں اس لئے انہوں نے تحقیق وتجسس کے بغیر ان جعلی افراد اور ان کی جھوٹی افسانوی داستانوں اور روایتوں کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے اور یہی امر اس بات کی علامت ہے کہ عبداللہ بن سبا کا افسانہ بھی مؤرخین اور مؤلفین اور علم رجال وادیان کے علماء سے پوشیدہ اور غیر معروف رہ گیا ہے۔

آپ کے اعتراضات

گزشتہ بحث کا خلاصہ

اہل سنت کے نزدیک "بدا" بہت ہی قابلِ اعتراض اور مکروہ عقیدہ ہے، اسی طرح تقیہ کو بھی وہ برا سمجھتے ہیں۔ اور اس پر شیعہ بھائیوں کا مذاق اڑاتے ہیں، بلکہ شیعوں کو منافق سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں

کہ شیعوں کے دل میں کچھ اور ہوتا ہے اور ظاہر کچھ کرتے ہیں۔ میں نے اکثر اہل سنّت سے گفتگو کر کے انھیں یقین دلانے کی کوشش کی کہ تقیہ نفاق نہیں ہے لیکن انھیں تو کسی بات کا یقین ہی نہیں آتا سوائے اس کے کہ جو انھیں ان کی مذہبی عصبیت نے سکھا دیا ہے یا جو ان کے بڑوں بزرگوں نے ان کے دل میں بٹھا دیا ہے، یہ بڑے پوری کوشش کرتے ہیں کہ ان انصاف پسند اور تحقیق کے طالب لوگوں سے جو شیعوں اور شیعہ عقائد کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں، حقائق کو چھپاتے ہیں اور یہ کہہ کر انھیں شیعوں سے متنفر کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ عبداللہ بن سبا یہودی کا فرقہ ہے جو رجعت، بدا، تقیہ، عصمت، اور متعہ کا قائل ہے اور اس کے عقائد میں بہت سے خرافات اور فرضی باتیں شامل ہیں جیسے مثلاً مہدی منتظر وغیرہ وغیرہ کا عقیدہ۔ جو شخص ان کی باتوں کو سنتا ہے وہ کبھی اظہار نفرت کرتا ہے اور کبھی اظہار حیرت۔ اور یہی سمجھتا ہے کہ ان خیالات کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، یہ سب شیعوں کی منگھڑت اور فرضی باتیں ہیں۔

مگر جب کوئی شخص تحقیق کرتا ہے اور انصاف سے کام لیتا ہے تب اسے معلوم ہوتا ہے کہ ان سب عقائد کا اسلام سے گہرا تعلق ہے اور یہ قرآن وسنّت کی کوکھ سے پیدا ہوئے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اسلامی عقائد وتصورات ان عقائد کے بغیر اپنی صحیح شکل اختیار ہی نہیں کر سکتے۔ اہل سنّت میں عجیب بات یہ ہے کہ جن عقائد کو وہ برا سمجھتے ہیں ان ہی عقائد سے ان کی کتابیں اور احادیث کے معتبر مجموعے بھرے ہوئے ہیں۔ اب ایسے لوگوں کا کیا علاج جو کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ اور ہیں۔ اور جو خود عقائد کی اس لئے ہنسی اڑاتے ہیں کیونکہ شیعہ ان کے عامل ہیں۔

اب آئیے دیکھیں تقیّہ کے مسئلہ میں

اہل سنّت والجماعت کیا کہتے ہیں

اس کی بناپر وہ شیعوں پر منافق ہونے تک کا الزام لگاتے ہیں۔ ابن جریر طبری اور ابن حاتم نے عونی کے واسطے سے ابن عباس سے روایت بیان کی ہے کہ اس آیت **الا ان تتقوا منھم تقۃ** کے بارے میں ابن عباس کہتے تھے کہ: "تقیہ زبان سے ہوتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی کسی شخص کو ایسی بات کہنے پر مجبور کرے جو اصل میں معصیت ہے تو وہ اگر لوگوں کے ڈر کے مارے وہ بات کہہ دے جب اس کا دل پوری طرح ایمان پر قائم ہو تو اسے کچھ نقصان نہیں ہوگا یہ بھی یاد رکھو کہ تقیہ محض زبان سے ہوتا ہے"۔ یہ روایت حاکم نے نقل کی ہے اور اسے صحیح کہا ہے، بیہقی نے بھی اپنی سُنن میں عطاء عن ابن عباس کے حوالے سے **اِلَّا اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰةً ط** (مگر ہاں ایسی صورت میں کہ تم کو ان سے کچھ اندیشہ ضرر ہو۔ (سورۃ آل عمران۔ آیت ۲۸) کا مطلب بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ ابن عباس کہتے تھے۔ کہ **"تقۃ"** کا تعلق زبان سے کہنے سے ہے بشرطیکہ دل ایمان پر قائم ہو"۔

عبد بن حمید حسن بصری سے روایت بیان کی ہے کہ۔ " حسن بصری کہتے تھے کہ تقیہ روز قیامت تک جائز ہے"۔ عبن بن ابی رجاء نے نقل کیا ہے کہ حسن بصری اس آیت کو اس طرح پڑھتے تھے: **اَلَّا اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقْيَةً ط** عبدالرزاق، ابن سعد، ابن جریر طبری، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے مندرجہ ذیل روایت بیان کی ہے، حاکم نے مستدرک میں اسے صحیح کہا ہے۔ بیہقی نے دلائل میں اس کو نقل کیا ہے، روایت یہ ہے: مشرکین نے عمار بن یاسر کو پکڑ لیا اور اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک عمار بن یاسرؓ نے نبی اکرم کو گالی نہ دی اور مشرکین کے معبودوں کی تعریف نہ کی۔ (ابن سعد، طبقات الکبریٰ)۔ آخر جب عمارؓ کو مشرکین نے چھوڑ دیا تو وہ رسول اللہؐ کے پاس آئے، رسول اللہؐ نے پوچھا کہو کیا گزری؟ عمارؓ نے کہا: بہت بری گزری، انھوں نے مجھے اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک میں نے

آپ کی شان میں گستاخی نہ کی اوران کے معبودوں کی تعریف نہ کی ۔رسول اکرمؐ نے پوچھا: تمھارا کیا کہنا ہے؟عمارؓ نے کہا: میرا دل تو ایمان پر پختہ اور قائم ہے۔رسول اللہؐ نے فرمایا۔ اگر وہ لوگ تم پر پھر زبر دستی کریں تو پھر ایسے ہی کہہ دینا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

۱۰۶۔ مَنۡ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنۡ مۢ بَعۡدِ اِيۡمَانِهٖۤ اِلَّا مَنۡ اُكۡرِهَ وَقَلۡبُهٗ مُطۡمَئِنٌّ بِالۡاِيۡمَانِ

یعنی جو شخص ایمان لانے کے بعد خدا کے ساتھ کفر کرے مگر وہ نہیں جو کفر پر زبردستی مجبور کر دیا جائے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو ۔(سورۂ نحل۔ آیت ۱۰۶)

ابن سعد نے محمد بن سیرین سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہؐ نے دیکھا کہ عمارؓ رو رہے ہیں ۔آپ نے ان کے آنسو پونچھے اور کہا۔ (مجھے معلوم ہے کہ) کفار نے تمھیں پانی میں ڈبو دیا تھا تب تم نے ایسا کہا۔ اگر وہ تمھارے ساتھ ایسا ہی سلوک کریں، تو پھر یہی کہہ دینا۔ ابن سعد، طبقات الکبریٰ ابن جریر، ابن منزر، ابن ابی حاتم نے اور بیہقی نے اپنی سنن میں عن علی عن ابن عباس کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں کہتے تھے، **من کفر باللہ** کہ اللہ نے خبر دی ہے کہ جس نے ایمان کے بعد کفر کیا، اس پر اللہ کا غضب نازل ہوگا اور اس کے لئے سخت عذاب ہے مگر جسے مجبور کیا گیا اور اس نے دشمن سے بچنے کے لئے زبان سے کچھ کہہ دیا مگر اس کے دل میں ایمان ہے اور اس کا دل اس کی زبان کے ساتھ نہیں، تو کوئی بات نہیں کیونکہ اللہ اپنے بندوں سے صرف اس بات کے سوا مؤاخذہ کرتا جس پر ان کا دل جم جائے۔

ابن ابی شیبہ، ابن جریر طبری، ابن مُنذر اور ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت بیان کی ہے کہ آیت مکّے کے کچھ لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی، ہوا یوں کہ یہ لوگ ایمان لے آئے تو انھیں بعض صحابہ نے مدینے سے لکھا کہ ہجرت کر کے یہاں آ جاؤ۔ جب تک تم ہجرت کر کے یہاں نہیں آؤ گے، ہم تمھیں اپنا سا تھی نہیں سمجھے گے۔ اس پر وہ مدینہ کے ارادے سے نکلے۔ راستے میں انھیں قریش نے پکڑ لیا اور ان پر سختی کی۔ مجبوراً انھیں کچھ کلماتِ کفر کہنے پڑے۔ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ **الا من اکرہ و قبلہ مطمئن بالا یمان** بخاری نے اپنے صحیح میں باب المداراۃ مع الناس میں ایک روایت نقل کی ہے، جس کے مطابق ابوالدرداءؓ کہتے تھے۔ کچھ لوگ ہیں جن سے ہم بڑی خندہ پیشانی سے ملتے ہیں، لیکن ہمارے دل ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔ صحیح بخاری جلد نمبر ۷ صفحہ نمبر ۱۰۲۔

حلبی نے اپنی سیرت میں یہ روایت بیان کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ "جب رسول اللہؐ نے شہر خیبر فتح کیا تو حجاج بن علاطہ نے آپ سے عرض کیا: یا رسول اللہؐ! مکّے میں میرا کچھ سامان ہے اور وہاں میرے گھر والے بھی ہیں۔ میں انھیں لانا چاہتا ہوں، کیا مجھے اجازت ہے اگر میں کوئی ایسی بات کہہ دوں جو آپ کی شان میں گستاخی ہو؟ رسول اللہؐ نے اجازت دے دی اور کہا، جو چاہے کہو "۔ علی بن برہان الدین سامعی، انسان العیون المعروف نے سیرت حلبیہ جلد ۳ صفحہ ۶۱

۱۰۶ مَنْ کَفَرَ بِاللّٰہِ مِنْ م بَعْدِ اِیْمَانِہٖۤ اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَ قَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ

یعنی جو شخص ایمان لانے کے بعد خدا کے ساتھ کُفر کرے مگر وہ نہیں جو کُفر پر زبردستی مجبور کر دیا جائے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔ (سورۂ نحل، آیت ۱۰۶)

ابن سعد نے محمد بن سیرین سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ نے دیکھا کہ عمارؓ رو رہے ہیں۔ آپ نے ان کے آنسو پونچھے اور کہا: (مجھے معلوم ہے کہ) کفار نے تمھیں پانی میں ڈبو دیا تھا تب تم نے ایسا کہا۔ اگر وہ پھر تمھارے ساتھ ایسا ہی سلوک کریں، تو پھر یہی کہہ دینا۔ ابن سعد، طبقات الکبریٰ ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم نے اور بیہقی نے اپنی سنن میں عن علی عن ابن عباس کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ابن عباس اس آیت کی تفسیر میں کہتے تھے: **من کفر باللہ کہ اللہ** نے خبر دی ہے کہ جس نے ایمان کے بعد کفر کیا، اس پر اللہ کا غضب نازل ہوگا اور اس کے لیے سخت عذاب ہے مگر جسے مجبور کیا گیا اور اس نے دشمن سے بچنے کے لیے زبان سے کچھ کہہ دیا مگر اس کے دل میں ایمان ہے اور اس کا دل اس کی زبان کے ساتھ نہیں، تو کوئی بات نہیں کیونکہ اللہ اپنے بندوں سے صرف اس بات کا مواخذا کرتا ہے جس پر ان کا دل جم جائے۔

ابن ابن شیبہ، ابن جریر طبری، ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت بیان کی ہے کہ یہ آیت مکے کے کچھ لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ ہوا یوں کہ یہ لوگ ایمان لے آئے تو انھیں بعض صحابہ نے مدینے سے لکھا کہ ہجرت کر کے یہاں آجاؤ۔ جب تک تم ہجرت کر کے یہاں نہیں آؤ گے، ہم تمھیں اپنا ساتھی نہیں سمجھیں گے۔ اس پر وہ مدینہ کے ارادے سے نکلے۔ راستے میں انھیں قریش نے پکڑ لیا اور ان پر سختی کی۔ مجبوراً انھیں کچھ کلمات کفر کہنے پڑے۔ ان کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئی: **الا من اکرہ وقلبہ مطمن بالایمان**۔ بخاری نے اپنی صحیح میں **باب المدارۃ مع الناس** میں ایک روایت نقل کی ہے جس کے مطابق ابوالدردا، کہتے تھے: کچھ لوگ ہیں جن سے ہم بڑی خندہ پیشانی سے ملتے ہیں، لیکن ہمارے دل ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔ صحیح بخاری جلد ۷ صفحہ ۱۰۲ حلبی نے اپنی سیرت میں یہ روایت بیان کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ "جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہر خیبر فتح کیا تو حجاج بن علاط نے

آپ سے عرض کیا: یا رسول اللہؐ! مکے میں میرا کچھ سامان ہے اور وہاں میرے گھر والے بھی ہیں، میں انھیں لانا چاہتا ہوں، کیا مجھے اجازت ہے اگر میں کوئی ایسی بات کہہ دوں جو آپ کی شان میں گستاخی ہو؟ رسول اللہؐ نے اجازت دے دی اور کہا: جو چاہے کہو"۔ (علی بن برہان الدین ساعی، انسانُ العیون المعروف بہ سیرت حلبیہ جلد ۳ صفحہ ۶۱)

امام غزالی کی کتاب احیا العلوم میں ہے کہ:

"مسلمان کی جان بچانا واجب ہے۔ اگر کوئی ظالم کسی مسلمان کو قتل کرنا چاہتا ہو اور وہ شخص چھپ جائے تو ایسے موقع پر جھوٹ بول دینا واجب ہے"۔ (حجتہ السلام ابو حامد غزالی، احیاء علوم الدین) جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب الاشباہ والنظائر میں ایک روایت بیان کی ہے۔ اس میں لکھا ہے: "فاقہ کشی کی حالت میں مردار کھانا، شراب میں لقمہ ڈبونا اور کفر کا کلمہ زبان سے نکالنا جائز ہے۔ اگر کسی جگہ حرام ہی حرام ہو اور حلال شاذ و نادر ہی ملتا ہو تو حسبِ ضرورت حرام کا استعمال جائز ہے"۔ ابو بکر رازی نے اپنی کتاب **احکامُ القرآن** میں اس آیت **الا ان تتقو المنھم تُقاۃ** کی تفسیر میں بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ اگر تمھیں جان جانے یا کسی عضو کے تلف ہو جانے کا اندیشہ ہو تو تم کفار سے بہ ظاہر دوستی کا اظہار کر کے اپنی جان بچا سکتے ہو۔

آیت کے الفاظ سے یہی معنی نکلتے ہیں اور اکثر اہل علم اسی کے قائل ہیں۔ قتادہ نے بھی **لا یتخذ المومنون الکافرین اولیاء من دُونِ المُومنین** کی تفسیر کرتے ہوئے یہ ہی کہا ہے کہ مومن کے لیے جائز نہیں کہ کسی کافر کو دین کے معاملے میں اپنا دوست یا سرپرست بنائے سوائے اس کے کہ ضرر کا اندیشہ ہو۔ قتادہ نے مزید کہا ہے کہ **الا ان تتقوا امنھم تُقاۃ** سے ظاہر ہوتا ہے کہ تقیہ کی صورت میں زبانی کفر کا اظہار جائز ہے۔" (ابو بکر رازی، احکام القرآن جلد ۲ صفحہ

۱۰) صحیح بُخاری میں عُروہ بن زُبیر سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ نے انھیں بتلایا ایک دفعہ ایک شخص نے رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا: لغو آدمی ہے، خیر آنے دو۔ جب وہ شخص آیا تو آپ نے بڑی نرمی سے اس سے بات چیت کی۔ میں نے پوچھا: یا رسول اللہؐ! ابھی تو آپ نے کیا فرمایا تھا پھر آپ نے اس سے گفتگو اتنی خوش اخلاقی سے کی؟ آپ نے جواب دیا: عائشہ! اللہ کے نزدیک وہ بدترین آدمی ہے جس سے لوگ اس کی بدزبانی کی وجہ سے بچیں یا اس کی بدزبانی کی وجہ سے اسے چھوڑ دیں۔ (**صحیح بخاری جلد ۷ باب لم یکن النبی فاحشاً ولا متفحشا**)۔

"اس قدر تبصرہ یہ دکھانے کے لیے کافی ہے کہ اہل سُنت تقیہ کے جواز کے پوری طرح قائل ہیں"۔ وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ تقیہ قیامت تک جائز رہے گا اور جیسا کہ غزالی نے کہا ہے، ان کے نزدیک بعض صورتوں میں جھوٹ بولنا واجب ہے اور بقول رازی جُمہور علماء کا یہی مذہب ہے۔ بعض صورتوں میں اظہار کُفر بھی جائز ہے اور۔ جیسا کہ بخاری اعتراف کرتے ہیں بہ ظاہر مُسکرانا اور دل میں لعنت کرنا بھی جائز ہے اور۔ جیسا کہ صاحب سیرۃ حلبیہ نے لکھا ہے، اپنے مال کے ضائع ہو جانے کے خوف سے رسول اللہؐ کی شان میں گُستاخی کرنا بلکہ کچھ بھی کہہ دینا روا ہے اور۔ جیسا کہ سیوطی نے اعتراف کیا ہے لوگوں کے خوف سے ایسی باتیں کہنا بھی جائز ہیں جو گناہ ہیں۔ اب اہل سُنت کے لیے اس کا قطعاً جواز نہیں کہ وہ شیعوں پر ایک ایسے عقیدے کی وجہ سے اعتراض کریں جس کے وہ خود بھی قائل ہیں اور جس کی روایات ان کی مستند حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں جو تقیہ کو نہ صرف جائز بلکہ واجب بتلاتی ہیں جن باتوں کے اہل سُنت قائل ہیں، شیعہ ان سے زیادہ کچھ نہیں کہتے۔

یہ بات البتہ ہے کہ وہ تقیہ پر عمل کرنے میں دوسروں سے زیادہ مشہور ہو گئے ہیں۔ اور وجہ اس کی وہ ظلم و تشدد ہے جس سے شیعوں کو اُموی اور عباسی دور میں سابقہ پڑا۔ اس دور میں کسی شخص کے قتل کر دیے

جانے کے لیے کسی کا اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ "یہ بھی شیعانِ اہل بیت میں سے ہے"۔ ایسی صورت میں شیعوں کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار ہی نہیں تھا کہ وہ ائمہ اہل بیت علیہ السلام کی تعلیمات کی روشنی میں تقیہ پر عمل کریں۔ مولا جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: **التقيةُ ديني و دين ابائي** تقیہ میرا اور میرے آباءؤاجداد کا دین ہیاور یہ بھی فرمایا کہ جو تقیہ نہیں کرتا، اس کا دین ہی نہیں تقیہ خود ائمہ اہل بیت کا شعار تھا، اور اس کا مقصد اپنے آپ کو اور اپنے پیروکاروں اور دوستوں کو ضرر سے محفوظ رکھنا، ان کی جانیں بچانا اور مسلمانوں کی بہتری کا سامان کرنا تھا جو اپنے عقائد حقہ کی وجہ سے تشدد کا شکار ہو رہے تھے، جیسے مثلاً عمار بن یاسر بعض کو تو عمار بن یاسرؓ سے بھی زیادہ تکلیف اُٹھانی پڑی یہ ہے آپ حضرات کے اعتراض مقررہ کا جواب۔

اہل سُنت ان مصائب سے محفوظ تھے کیونکہ ان کا ظالم حکمرانوں کے ساتھ مکمل اتحاد تھا۔ اس لیے انھیں نہ قتل کا سامنا کرنا پڑا، نہ لوٹ کھسوٹ کا، نہ ظلم وستم کا۔ اس لیے یہ قدرتی امر ہے کہ وہ نہ صرف تقیہ کا انکار کرتے ہیں بلکہ تقیہ کرنے والیوں پر طعن و تشنیع بھی کرتے ہیں۔ دراصل بنی اُمیہ اور بنی عباس کے حکمرانوں نے تقیہ کی بناپر شیعوں کو بدنام کرنے میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔ ان ہی کی پیروی اہل سُنت والجماعت نے کی ہے۔ جب اللہ سبحانہ نے قرآن میں تقیہ کا حکم نازل فرمایا ہے اور جب اصحاب رسولؐ نے اس پر عمل کیا ہے، جیسا کہ بخاری کی روایت میں آپ پڑھ چکے ہیں اس کے علاوہ رسول اللہؐ نے عمار بن یاسرؓ کو اجازت دی کہ اگر کفار پھر ان پر تشدد کریں اور اذیت دیں تو جو کلمات کفر کفار کہلوانا چاہیں وہ کہہ دیں۔ نیز یہ کہ قرآن وسنت پر عمل کرتے ہوئے علماء نے بھی تقیہ کی اجازت دی ہے تو پھر آپ ہی انصاف سے بتائیں کہ کیا اس کے بعد بھی شیعوں پر طعن کرنا اور ان پر اعتراض کرنا درست ہے؟ صحابہ کرام نے ظالم حکمرانوں کے عہد میں تقیہ پر عمل کیا ہے۔ اس وقت جبکہ ہر شخص کو جو علی ابن طالبؑ پر لعنت کرنے سے انکار کرتا تھا قتل کر دیا جاتا تھا حجر بن عدی کندی اور ان کے ساتھیوں کا قصہ تو مشہور ہے۔ اگر میں صحابہ کے تقیہ کی مثالیں جمع کردوں تو ایک الگ کتاب کی ضرورت ہوگی۔ لیکن میں نے ان اہل سُنت

کے حوالوں سے جو دلائل پیش کیے ہیں وہ بحمد اللہ کافی ہیں۔

لیکن اس موقع پر ایک دلچسپ واقعہ ضرور بیان کروں گا جو خود میرے ساتھ پیش آیا۔ ایک دفعہ ہوائی جہاز میں میری ملاقات اہل سُنت کے ایک عالم سے ہوگئی۔ دو گھنٹے تک ہم شیعہ سُنی مسئلے پر گفتگو کرتے رہے۔ یہ صاحب اسلامی اتحاد کے داعی اور حامی تھے۔ مجھے بھی ان میں دلچسپی پیدا ہوگئی تھی لیکن اس وقت مجھے بُرا معلوم ہوا جب انہوں نے یہ کہا کہ شیعوں کو چاہیے کہ وہ اپنے بعض ایسے عقائد چھوڑ دیں جو مسلمانوں میں پھوٹ ڈالتے اور ایک دُوسرے پر طعن و تشنیع کا سبب بنتے ہیں۔ میں نے پُوچھا: مثلاً؟ انہوں نے بے دھڑک جواب دیا: مثلاً مُتعہ اور تقیہ۔ میں نے انہیں سمجھانے کی بہت کوشش کی کہ متعہ تو جائز ہے اور قانونی نکاح کی ایک صورت ہے اور تقیہ اللہ کی طرف سے ایک رعایت اور اجازت ہے۔ لیکن وہ حضرت اپنی بات پر اڑے رہے اور میری ایک نہ مانے، نہ ہی میرے دلائل انھیں قائل کر سکے۔ کہنے لگے: جو کچھ آپ نے کہا ہے، ممکن ہے کہ وہ صحیح ہو، لیکن مصلحت یہی ہے کہ مسلمانوں کی وحدت کی خاطر ان چیزوں کو ترک کر دیا جائے۔

مجھے ان کی منطق عجیب معلوم ہوئی، کیونکہ وہ مسلمانوں کی وحدت کی خاطر اللہ کے احکام کو ترک کرنے کا مشورہ دے رہے تھے۔ پھر بھی میں نے ان کا دل رکھنے کو کہا: اگر مسلمانوں کا اتحاد اسی پر موقوف ہوتا تو میں پہلا شخص ہوتا جو یہ بات مان جاتا۔ ہم لندن ائیر پورٹ پر اُترے تو میں ان کے پیچھے چل رہا تھا۔ جب ہم ائیر پورٹ پولیس کے پاس پہنچے تو ہم سے برطانیہ آنے کی وجہ پوچھی گئی۔ ان صاحب نے کہا: میں علاج کے لیے آیا ہوں۔ میں نے کہا کہ میں اپنے کچھ دوستوں سے ملنے آیا ہوں۔ اس طرح ہم دونوں کسی تاخیر کے بغیر وہاں سے گزر کر اس ہال میں پہنچ گئے جہاں سامان وصول کرنا تھا۔ اس وقت میں نے چپکے سے ان کے کان میں کہا کہ: آپ نے دیکھا کہ کیسے تقیہ (نظریہ

ضرورت) ہر زمانے میں کارآمد ہے؟ کہنے لگے! کیسے؟ میں نے کہا: ہم دونوں نے پولیس سے جھوٹ بولا۔ میں نے کہا میں دوستوں سے ملاقات کے لئے آیا ہوں، اور آپ نے کہا کہ میں علاج کے لیے آیا ہوں۔ حالانکہ ہم دونوں کانفرنس میں شرکت کے لیے آئے ہیں۔ وہ صاحب کچھ دیر مُسکراتے رہے۔ سمجھ گئے تھے کہ میں نے ان کا جُھوٹ سن لیا۔ پھر کہنے لگے: کیا اسلامی کانفرنسوں میں ہمارا رُوحانی علاج نہیں ہوتا؟ میں نے ہنس کر کہا: تو کیا ان کانفرنسوں میں ہماری اپنے دوستوں سے ملاقات نہیں ہوتی؟

اب پھر اپنے موضوع پر واپس آتا ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ اہلِ سُنت کا یہ کہنا غلط ہے کہ تقیہ نفاق کی کوئی شکل ہے بلکہ بات اس کی اُلٹ ہے، کیونکہ نفاق کے معنی ہیں: ظاہر میں ایمان اور باطن میں کفر۔ اور تقیہ کے معنی ہیں ظاہر میں کفر اور باطن میں ایمان۔ ان دونوں باتوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ نفاق کے متعلق اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے:

ب۔۱۴ وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ

جب وہ مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی مومن ہیں اور جب اپنے شیطانوں کے ساتھ میں ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمھارے ساتھ ہیں، ہم تو مذاق کر رہے تھے۔ (سورۂ بقرہ۔ آیت ۱۴)

اس کا مطلب ہوا: ایمان ظاہر + کُفرِ باطن = نفاق تقیہ کے بارے میں اللہ سُبحانہ نے کہا ہے:

وقال رجل مومن من ال فرعون يكتم ايمانه

فرعون کو قوم میں سے ایک مومن شخص جو اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا، کہا......"

اس کا مطلب ہوا: کُفرِ ظاہر + ایمانِ باطن = تقیہ

یہ مومنِ آلِ فرعون اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا جس کا علم سوائے اللہ کے کسی کو نہیں تھا، وہ فرعون اور دوسرے سب لوگوں کے سامنے یہی ظاہر کرتا تھا کہ وہ فرعون کے دین پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر قرآن کریم میں تعریف کے انداز میں کیا ہے۔ اب قارئین باتمکین آیئے دیکھیں! خود شیعہ تقیہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں تاکہ ان کے بارے میں جو غلط سلط باتیں مشہور ہیں، جو جھوٹ بولا جاتا اور طوفان اُٹھایا جاتا ہے، ہم اس سے دھوکا نہ کھانے پائیں۔ شیخ محمد رضا مظفر اپنی کتاب عقائد الامامیہ میں لکھتے ہیں: تقیہ بعض موقعوں پر واجب ہے اور بعض موقعوں پر واجب نہیں ہے۔ اس کا دارومدار اس پر ہے کہ ضرر کا کتنا خوف ہے۔ تقیہ کے احکام فقہی کتابوں کے مختلف ابواب میں علماء نے لکھے ہیں۔ ہر حالت میں تقیہ واجب نہیں۔ صرف بعض صورتوں میں تقیہ کرنا جائز ہے۔ بعض صورتوں میں تو تقیہ نہ کرنا واجب ہے، مثلاً اس صورت میں جب کہ حق کا اظہار، دین کی مدد، اسلام کی خدمت اور جہاد ہو۔ ایسے موقع پر جان و مال کی قربانی سے دریغ نہیں کیا جاتا۔ بعض صورتوں میں تقیہ حرام ہے یعنی ان صورتوں میں جب تقیہ کا نتیجہ خونِ ناحق، باطل کا رواج یا دین میں بگاڑ ہو یا تقیہ کے باعث مسلمانوں کا سخت نقصان ہونے، مسلمانوں میں گمراہی پھیلنے یا ظلم و جور کے فروغ پانے کا اندیشہ ہو۔

بہر حال شیعوں کے نزدیک تقیہ کا جو مطلب ہے وہ ایسا نہیں کہ اس کی بنا پر شیعوں کو تخریبی مقاصد کی کوئی خُفیہ پارٹی سمجھ لیا جائے، جیسا کہ شیعوں کے بعض و غیر محتاط دشمن چاہتے ہیں جو صحیح بات کو سمجھنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتے۔ (ہم غیر محتاط شیعوں سے بھی کہیں گے کہ) اپنی زبان سے ان کی احکایت نہ کیجئے اسی طرح تقیہ کے یہ بھی معنی نہیں کہ اس کی وجہ سے دین اور اس کے احکام ایسا راز بن جائیں جسے شیعہ مذہب کو نہ ماننے والوں کے سامنے ظاہر نہ کیا جا سکے۔ اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے جبکہ شیعہ علماء کی تصانیف خصوصاً ان کی فقہ، احکام عقائد اور علم کلام سے متعلق کتابیں مشرق و مغرب میں

ہر جگہ اتنی تعداد میں پھیلی ہوئی ہیں کہ اس سے زیادہ تعداد کی کسی مذہب کے ماننے والوں سے توقع نہیں کی جاسکتی"۔ اب آپ خود دیکھ لیجیے کہ دشمنوں کے خیال کے برخلاف یہاں نہ نفاق ہے نہ مکروفریب، نہ دھوکا ہے نہ جھوٹ! شیعوں اور اہلسنت حضرات کے درمیان تقیہ سے زیادہ کوئی مسئلہ سوفہم کا باعث نہیں اور اہل سنت حضرات کی نظروں میں تقیہ سے زیادہ کوئی دوسرا مسئلہ پردہ خفا میں نہیں۔

ہمارے سنی بھائی ہمیشہ ہم سے یہی کہتے ہیں کہ آپ جس قدر چاہیں اپنے عقیدے کی وضاحت کریں اور چاہے جتنا کہیں کہ ہم قرآن میں کسی تحریف کے قائل نہیں اور ہمارے تمام گھروں اور شہروں میں قرآن موجود ہے اور وہی قرآن جو دوسرے مسلمانوں کے پاس ہے۔ لیکن ہم آپ کی اس بات پر یقین نہیں کرتے۔ اس لے کہ ممکن ہے آپ اس میں تقیہ سے کام لے رہے ہوں۔ چوں کہ تقیہ آپ کے نزدیک اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ہے۔ اسی طرح جب دوسرے اسلامی مسائل کے سلسلے میں ہم ان سے (اہل سنت حضرات) سے گفتگو کرتے ہیں اور اپنے عقائد کو جن کی بنیاد قرآن و سنت اور کلمات اہلبیتؑ پر استوار ہے بیان کرتے ہیں تو انکا جواب وہی ہوتا ہے (کہ ممکن ہے آپ تقیہ کر رہے ہوں) یہ صورت حال اس امر کی غمازی کرتی ہے کہ اہل سنت حضرات کماحقہ تقیہ کے معنی اور مفہوم سے آگاہ نہیں ہیں نیز ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ تقیہ کی بنیاد قرآن وسنت ہے آیات قرانی اور سنت رسول بھی اس کا واضح ثبوت ہے اور اسکا انکار قرآن وسنت کا انکار ہے۔

حضرات: اہلسنت کے ہاں بھی تقیہ ہے لیکن جب جہاد کا موقع ہو یا اسلام کے تحفظ و بقا کے لئے جان و مال کی قربانی کی ضرورت ہو وہاں تقیہ نہیں ہے بلکہ ایسے موقع پر، خوشنودی خدا اور رسولؐ حاصل کرنے کو اور اسلام کے تحفظ و بقا کے لیے ہر قسم کی قربانی پیش کرنا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے کربلا میں تقیہ نہ کیا۔ کیونکہ ایک طرف تو جانوں اور مالوں کی قربانی کا سوال تھا۔ دوسری طرف دین کے نقصانِ عظیم کا خوف، پس سرکارِ سید الشہداؑ نے اپنے فرزندوں، بھتیجوں، بھانجوں، بھائیوں اور اصحاب باؤفا

کی جانوں کو اسلام کے لئے اللہ کی راہ میں قربان کر کے، تین روز بھوکے پیاسے رہ کر سجدہ کی حالت میں اپنے گلوئے مُبارک پر خنجرِ ستم چلوا لینا منظور کیا۔ لہذا قربانی کا موقع ہو تو تقیہ نہیں ہوتا۔

﴿تقیہ کب جائز ہے﴾

جب جہاد کا موقع نہ ہو اور اسلام کے لئے مال و جان کی قُربانی درکار نہ ہو۔ بلکہ جان و مال دینے سے اسلام کی افرادی و مالی قوم کو نقصان پہنچتا ہو وہاں تقیہ محض جائز نہیں بلکہ ضروری ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مُسلمانوں کی جانوں اور اُن کے مالوں کے بے موقع اور بے مقصد ضائع کروانا ہرگز مقصودِ اسلام نہیں ہے، بلکہ مُسلمان کی جان اور اُس کا مال اسلام ہی کا سرمایہ ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ اضطراری کیفیت میں جان بچانے کے لئے سُور تک کھا لینے کی اجازت دی گئی۔ اسی طرح جان و آبرو کے تحفظ کے لئے، نرغہ کفار میں گھرا ہوا مُسلمان بحالتِ مجبوری اپنے دین کو چھپا سکتا ہے۔ اور دُشمنانِ ایمان کے ظلم سے محفوظ رہنے کے لئے مومن اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھ سکتا ہے۔ اسی کو تقیہ کہتے ہیں۔

﴿فرق تقیہ و منافقت﴾

خیال رہے کہ تقیہ منافقت نہیں بلکہ منافقت کے بالکل برعکس ہے کیونکہ منافقت اُسے کہتے ہیں کہ دل میں ایمان نہ ہو، لیکن ظاہر کرے اور تقیہ اُسے کہتے ہیں کہ دل میں ایمان ہو لیکن ظاہر نہ کرے۔

تقیہ منافی ایمان نہیں:

ظالموں کے ظلم و ستم سے بچنے کے لئے اپنے ایمان کو چھپانے سے ایمان زائل نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حضرت حزقیلؑ کو اللہ نے خود مومن فرمایا حالانکہ وہ فرعون کے ظلم سے محفوظ رہنے کے لئے اپنے ایمان کو چھپاتے رہے۔ جیسا کہ سورۃ "المومن" میں اللہ خود فرماتا ہے "**وقال رجل مومن قل ال فرعون**

یکتم ایمانہ " ترجمہ۔علامہ اشرف علی تھانوی:۔ایک مومن شخص نے جو کہ فرعون کے خاندان سے تھے (اوراب تک) اپنا ایمان پوشیدہ رکھتے تھے کہا"۔نوٹ:۔ثابت ہوا کہ ظالموں کے خوف سے اپنے ایمان کو چھپانے والا مومن، ہرگز "منافق" نہیں بن جاتا۔اشرف علی تھانوی صاحب کے ترجمہ مندرجہ بالا سے یہ بھی ثابت ہوگئی کہ آل کا معنیٰ "پیروکار" نہیں بلکہ "خاندان" ہے۔

﴿مجبوراً کفر کرنا بھی جائز ھے:﴾

قرآن مجید پارہ نمبر ۱۴، رکوع نمبر ۲۰ سورۃ النحل میں اللہ جل جلالہ، فرماتا ہے۔"**من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اُکرہ وقلبُہ مُطمئن م بالایمان ولکن من شرح بالکُفر صدرً فعلیھم غضب من اللہ ولھم عذاب عظیم**"۔

ترجمہ:۔جس نے اپنے ایمان کے بعد اللہ سے کُفر کیا سوائے اُس شخص کے کہ جو مجبور ہوا اور اُس کا دل ایمان سے مطمئن ہو۔ہاں لیکن جس نے کُفر سے سینہ کو کھول دیا (یعنی دل میں بھی کُفر آ گیا) تو اُن پر اللہ کی جانب سے غضب ہے اور ان کے لئے عذابِ عظیم ہے۔"

سُورہ نحل کی اس آیہ مقدس میں ایمان کے بعد کفر کرنے والوں کو مغضوب علیھم اور مستوجب عذاب عظیم قرار دیا ہے لیکن اللہ اُن مومنوں کو خود ہی مستثنےٰ فرما دیا ہے جن کے دلوں میں ایمان واطمینان ہو اور مجبوراً کفر کریں۔یعنی مجبوراً کفر کرنے سے ایمان زائل نہ ہوگا۔اور گنہگار بھی نہ ٹھہریں گے۔تو تقیہ جائز ہوا۔اسی طرح حضرت عمار بن یاسرؓ (صحابی رسولؐ) نے تقیہ کیا تھا۔

﴿تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں اپنی بنیادی کتب﴾

ا۔تفسیر کبیر فخر الدین رازی مطبوعہ مصر جلد ۲ ۴۲۹۔۵۲۴ اور جلد ۵۔ ۳۵۵،۳۵۶ (۲) تفسیر درمنثور سیوطی مطبوعہ مصر جلد ۲ ۱۰۷ اور جلد ۲ ۳۶۱ (۳) تفسیر بضیاوی مطبوعہ نولکشور ۴۵۳ (۴) تفسیر نیشاپوری مطبوعہ مصر (برحاشیہ ابن جریر) جلد ۳ ۱۷۰ (۵) تفسیر ابن جریر مطبوعہ مصر جلد ۳ ۱۴۰ (۶) تفسیر خازن مطبوعہ مصر جلد ۳ ۳۶۳ (۷) تفسیر ابن کثیر برحاشیہ فتح البیان مطبعۃ الکبری المیر یہ بولاق مصر الجزاء الثانی ۲۱۸ (۸) مواہب لدینہ قسطلانی مطبوعہ مصر ۲۴۷، (۹) اُردو ترجمہ سُننِ ابنِ ماجہ مطبوعہ صدیقی لاہور جلد ۲ ۳۵۶ (۱۰) روضۃ الاثیاب جمال الدین محدث مطبوعہ انور محمدی لکھنو جلد ۱ ۸۹،۹۶ (۱۱) تفہیم القرآن مولانا اُبو علی مودودی جلد ۲ ۵۷ حاشیہ ۱۰۹۔

﴿مُسلمان جاسوس اور تقیہ﴾

محکمہ جاسوسی کے لئے تقیہ ضروری ہے کیونکہ مُسلمان جاسوس کو اپنے فرائض پورا کرنے کے لئے دُشمنان دین سے اپنا دین، اپنا وطن اور اپنا مقصد ضرور چھپانا پڑتا ہے۔ لہذا تقیہ کی ضرورت اور اس کے جواز کا انکار درست نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ گروہ صوفیا کے پیشوا، مشہور تابعی حسن بصری نے کہا "**التقیۃ الی یوم القیمۃ**" یعنی "تقیہ قیامت تک ہے"۔ دیکھئے صحیح بخاری (عربی) مطبوعہ مصر کتاب الاکرا جلد چہار ۱۲۳ اور تفسیر ابن کثیر ودمشقی برحاشیہ فتح البیان مطبعۃ الکبری المریریہ بولاق مصر الجزء الثانی ۶۱۸ سطر ۳۔ علاوہ ازین معترضین کے علماء کو بھی مامون رشید کے زمانہ میں "خلقِ قرآن" کے مسئلہ پر تقیہ کی ضرورت پڑی اور تقیہ کرنا پڑا دیکھئے تاریخ الخلفاء سیوطی اُردو ترجمہ مطبوعہ صدیقی مطبع زمیندار لاہور ۱۶۸۔

حنفی مُفتیوں کا فتویٰ کہ تقیہ جائز ہے

فتاویٰ ہندیہ اُردو ترجمہ فتاویٰ عالمگیری مطبوعہ نولکشور جلد چہارم ۲۲۱ سطر ۳ میں ہے کہ جھوٹ بولنا حرام ہے لیکن لڑائی و جہاد میں روا ہے تا کہ کافر کے دکھاوے اور دو شخصوں میں صلح کرانے میں روا ہے اور اپنی زوجہ کو راضی کرنے میں روا ہے اور ظلم ظالم دفع کرنے میں روا ہے اور جھوٹ کے ساتھ تعریض مکروہ ہے الا بضرورت۔ "نوٹ:۔ اورنگ زیب بادشاہ نے "فتاویٰ عالمگیر" مُفتیان اہل سنت والجماعۃ سے لکھوائی تھی جیسا کہ بریلوی اہل سُنۃ والجماعۃ کے پیشوا علامہ احمد رضا خان بریلوی نے اپنی کتاب "حیات الموات" شائع کردہ نوری کتب خانہ بازار داتا صاحبؒ لاہور کے صفحہ ۸۵ پر تحریر فرمایا ہے:۔ "مولانا شیخ جلیل نظام الدین وغیرہ جامعانِ فتاویٰ عالم گیری حنفیان "مزید دیکھئے" اورنگ زیب عالم گیر غازی" مصنفہ شبلی نعمان مطبوعہ تاج بک ڈپو اُردو بازار لاہور "۱۴۱۔ جب حنفی مُصیتوں کے فتویٰ کی رُو سے ظلم ظالم رنع کرنے کے لئے جھوٹ تک روا ہو اور بقدر ضرورت تعریض بھی مکروہ نہ رہی۔ تو تقیہ کیا نا جائز ہوگا، مزید دیکھئے تفسیر نعیمی مفتی احمد یار خان ندایونی گجرات جلد دو ۱۹۸ سطر ۴۔

حضرت یوسف اور تقیہ

کسی کی ایذا رسانیوں سے محفوظ رہنے کے لئے کسی حق بات یا واقعہ کو چُھپانا اگر نا جائز ہوتا تو حضرت یعقوبؑ اپنے فرزند عالی مقام حضرت یُوسفؑ کو یہ ہدایت نہ فرماتے کہ "بیٹا اپنے اس خواب کو اپنے بھائیوں کے روبرو مت بیان کرنا پس (یہ سمجھ کر) وہ تمہارے (ایذا رسانی) کے لئے کوئی خاص تدبیر کریں گے" (دیکھئے ترجمہ قرآن مجید از علامہ اشرف علی تھانوی سُورہ یوسف پارہ ۱۲ رکوع ۱۱) علاوہ

ازیں سُورۂ یوسفؑ ہی میں یہ واقعہ بھی موجود ہے کہ "حضرت یوسفؑ" نے پانی پینے کا برتن اپنے بھائی بنیامینؑ کے سامان میں خود رکھ دیا۔ اور اس حقیقت کو چھپائے رکھا۔ دُوسرے بھائیوں نے جب یہ کہا کہ بنیامینؑ کا ایک بھائی (یعنی یوسفؑ) چوری کر چکا ہے (معاذاللہ) تو حضرت یوسفؑ نے اُس وقت بھی حقیقت کو پوشیدہ رکھا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ ق۷۷ **فَاَسَرَّهَا يُوسُفُ فِي نَفْسِهِ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ**: پس یوسفؑ نے اس بات کو اپنے دل میں پوشیدہ رکھا۔ اور اُس کو اُن پر ظاہر نہ کیا۔ نوٹ۔ حضرت یوسفؑ نے خود وہ برتن بنیامینؑ کے سامان میں رکھنے کے بعد حقیقت کو محض اس لئے چھپایا کہ اپنے بھائی بنیامینؑ کو اپنے پاس رکھ لینا چاہتے تھے اور یہ کوئی نہ جائز مقصد نہیں تھا۔ لہذا ثابت ہوا کہ جائز مقصد کے لئے کسی حقیقت کو چھپا لینا جائز ہے اسی کا نام تقیہ ہے۔

رحمت اللعلمینؐ کا شب ہجرت کا واقعہ

حقیقت تو یہ تھی کہ رسولؐ خدا غار ثور کے اندر موجود تھے لیکن اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے غار ثور کے دروازہ پر مکڑی سے جالا بنوا دیا تا کہ کفار سے حقیقت پوشیدہ رہے۔ یعنی جو کفار ظلم کرنے کی نیت سے رُسولؐ کی تلاش کر رہے تھے وہ جالا دیکھ کر حقیقت کے خلاف یہی سمجھیں کہ غار کے اندر کوئی داخل ہی نہیں ہوا۔ مقصدِ قدرت یہ تھا کہ حقیقت کو چُھپا کر حضرت رسولؐ کو ظلم کفار سے بچا لیا جائے۔ لہذا ثابت ہوا کہ ظلم کو دفع کرنے کے لئے حقیقت کو چُھپا لینا جائز ہے۔

تقیہ ابراہیمؑ

خلیل اللہ علیہ السلام

حضرت خلیل رب جلیلؑ نے ظالم بادشاہ کے ظلم سے محفوظ رہنے کے لئے اپنی زوجہ حضرت سارہؑ کے متعلق فرمایاھی اُختی ۔یعنی یہ میری بہن ہے اور اس حقیقت کو چُھپالیا کہ وہ آپؑ کی زوجہ تھیں۔ثبوت کے لئے دیکھئے:۔

ا۔تاریخ الامم والملوک ابن جریر طبری مطبوعہ مطبقہ الحسینیہ مصر جلد اول ۱۳۵سطر ۲۰ تا ۲۲،۱۳۶سطر ۱۵اور سطر ۲۱۔

۲۔روضۃ الاحباب مطبوعہ تیغ بہادر امین آباد جلد اول ۴۱سطر ۱۷ تا ۱۹

لیکن تقیہ کو جھوٹ" سمجھنے والوں نے تقیہ ابراہیمؑ کو بھی معاذ اللہ "جھوٹ" قرار دے دیا۔دیکھئے جمع الفوائد من جامع الاصول مطبوعہ میرٹھ جلد ثانی ۳۰۲۔

ملت ابراہیمؑ

خیال رہے کہ قرآن مجید پارہ ا سورۃ البقرہ رکوع ۱۵ میں اللہ نے فرمایا ہے:۔ "اور کون پسند نہ رکھے دین ابراہیمؑ کا"؟ مگر جو بیوقوف ہو اپنے جی سے"۔(دیکھئے ترجمہ قرآن مجید،شاہ عبدالقادر محدث دہلوی،مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور)

توجہ فرمائیں حقیقت یہ ہے

انصاف کی بات تو یہ ہے جو لوگ سرے سے تقیہ کو حرام قرار دیتے ہیں اور اس میں کسی

استثنا کے روادار نہیں ہیں وہ بھی صرف زبانی حد تک ایسا کرتے ہیں۔ اگر آپ ان کی عملی زندگی کا مشاہدہ کریں تو تقیہ سے پر نظر آئے گی۔ ان کے زبانی دعوئی صرف روزی روٹی برقرار رکھنے کیلئے ہیں۔ ورنہ میدان میں ایسے موارد میں تقیہ پر عمل کرنے کے سلسلہ میں کہ جن میں اظہار عقیدہ بے فائدہ اور باعث ضرر ہو محمود و ایاز ایک ہی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ حکم عقل ہے اور کوئی بھی صاحب عقل اس سے سرف نظر نہیں کر سکتا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ اپنے اس عمل کو تقیہ نہ کہتا ہو۔ تقیہ کے موارد وجوب کی طرف اشارہ کرنے کے بعد ہم پیشگی عرض کر دیں کہ عنقریب ہم ایسے مواد بھی بیان کریں گے جن میں نہ صرف تقیہ حرام ہے بلکہ ان میں جان و مال کی قربانی واجب ہے اور ان مواقع پر تقیہ کی مخالفت نہ فقط پسندیدہ ہے بلکہ موجب فضیلت ہے۔ اگر زمانہ سے باخبر کوئی مجتہد یا فقیہ حالات کے پیش نظر احکام الٰہی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے کسی خاص زمانہ میں تقیہ کی حرمت کا فتویٰ صادر کرتے ہوئے اس بات کا اعلان کر دے کہ اب مدارات کی گنجائش نہیں بلکہ دشمن کے مقابلہ میں جان اور مال کے ذریعہ جہاد واجب ہے تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہو سکتا کہ تقیہ ہمیشہ حرام ہے۔

موارد حرمت تقیہ

بحث کے آغاز میں ہم عرض کر چکے ہیں کہ بلند پایہ محققین اور عظیم فقہا نے تقیہ کو پانچ قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ اور بطور اجمال ہم نے ان مواقع کی طرف اشارہ کیا ہے جب تقیہ واجب، مستحب اور جائز ہوتا ہے۔ اب ذیل میں ان مواقع کا ذکر ہے جن میں تقیہ حرام ہے۔

اگر دین میں فساد کا خطرہ ہو تو تقیہ جائز نہیں ہے

حضرات اگر تقیہ کی وجہ سے دین فساد اور ارکان اسلام میں تزلزلہ پیدا ہو، شعائر الٰہی محو ہو رہے ہوں اور کفر کو طاقت مل رہی ہو یا کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہو کہ شارع کو نظر میں جس کی حفاظت جان و مال سے زیادہ ضروری ہو تو ایسے ہر موقع پر بلاشبہ تقیہ حرام ہے تصریح اپنی کتاب میں جابجا ابن ابی الحدید معتزلی نے کی ہے۔ بہرحال حسن بصری کو اہلسنت پیشرو سمجھتے ہیں اور غالباً لدھیانوی صاحب بھی اسے مذموم نہ سمجھتے ہوں گے) وہ تقیہ کرتا تھا اور برسوں اس نے اس تقیہ میں اپنی زندگی بسر کی۔

﴿امام غزالی کا فتویٰ﴾

"اگر کوئی ظالم کسی خدا کے دوست کا اسلئے تعاقب کرے کہ وہ اسے قتل کردے اور وہ خدا کا دوست کہیں محفوظ مقام میں چھپ رہے اور اسکا پتا کسی کو معلوم ہو تو اسے ہرگز اسکا پتہ نہ بتانا چاہیئے بلکہ اس میں جھوٹ بولنا واجب ہے۔ افسوس ہے کہ صحاب احیا نے بھی جھوٹ کو واجب کہا جو لدھیانوی گروپ کی چڑھ ہے وہ ہرگز ایسا نہیں کرسکتے کیونکہ انکے دل کی ٹھنڈک اس میں ہے کہ تمام اولیاء اللہ قتل ہوجائیں بزم دنیا کے بارونق ہونے کیلئے صرف جہلا ہوں کا وجود کافی ہے۔

﴿امام زری کا قول﴾

تلویح حاشیہ توضیح میں ہے قال الامام الزعری ان فعل المکرہ مباح کالقتل والزنا و فرض کشرب انحمر واکل المیتہ و مرخص لا کا جزاء کلتمہ الکفروالا نطار و اتلاف مال الغیر

وہ فرماتے ہیں کہ مجبوری کا کام کئی طرح ہوتا ہے کبھی تو وہ مباح ہوتا ہے

جیسے قتل اور زنا اور کبھی واجب ہوتا ہے جیسے شراب کا پینا اور مردار کا کھانا اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اسے (مجبوری میں) اجازت دیدی جاتی ہے کہ وہ اس کام کو کرے جیسے کلمہ کفر کا زبان پر جاری کرنا یا روزہ واجب کا افطار کرنا یا مال غیر کا تلف کر دینا۔

لیجئے آپ جھوٹ ہی کو رو رہے تھے، یہاں قتل و زنا مجبور کے لئے جائز اور شراب خمر واجب اور کلمہ کفر کا جاری کرنا جائز ہو گیا۔

﴿امام فخر الدین رازی کی رائے﴾

تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی میں ہے التقیته جائزة لصون النفس وهل یجوز لصون المال یحتمل ان یکون الحکم ضیا بالجواز لقوله علیه السلام حتمه مال اسلم کحرمئه درسه ولقوله علیه الصلوة والسلام من قتل دون ماله فهو شهید دلان الحاجته الی المال شدیدة دالماء ان بیع بانعبن سقط فرض الوضوء وجاز الاقتصار علی القیتم وفعا لذلک القدر من نقصان المال فکیف لایوزهنا۔

جائز ہونے کا بھی احتمال ہے کیونکہ جناب رسالتمآب ﷺ نے فرمایا کہ مال مسلم ویسا ہی محترم ہے جس طرح اسکی جان محترم ہے اسلیے بھی کہ

حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جو شخص اپنے مال کی حفاظت میں قتل کر دیا جائے وہ شہید ہے اور اس لیے ہی کہ مال کی جانب احتیاج نہایت شدید ہے اور پانی اگر زیادہ قیمت کو بکے یعنی کہ خریدنے والا مغلوب کہا جائے تو وضوء واجب ساقط ہو جائیگا اور صرف تیمیم پر اقتصار جائز ہوگا اسلیئے کہ نقصان مال نہ ہو تو پھر کیونکر مال بچانے کے لیے تقیہ جائز نہ ہوگا۔

نیز اسی تفسیر کبیر میں ہے۔ **روی عون عن الحسن انه قال التقیته جائزه للمومنین الی یوم القیمته وهذا القول اولی لان دفع الضرر عن النفس واجب بقدر الا مکان**

یعنی عون نے حسن بصری سے روایت کی ہے وہ کہتا تھا کہ تقیہ مومنین کیلیئے روز قیامت تک جائز ہے، امام فخر الدین رازی اس قول کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ یہ قول اولی ہے اسلیئے کہ نفس سے بقدر امکان ضرر کا رفع کرنا واجب ہے۔

نتیجہ یہ بات ناظرین کو معلوم رہے کہ احکام تکلیفی مباح و مکروہ مستحب و واجب و حرام ہیں اس تقسیم میں مباح مقابل واجب ہے اور کبھی واجب کے ساتھ جمع نہوگا اور ایک وہ جواز ہے جو مباح اور مستحب اور واجب کے ساتھ جمع ہو جاتی ہے وہ ان احکام کا مقابل نہیں بلکہ وہ ان تینوں چاروں میں معنائے مشترک ہیں چونکہ امام فخر الدین رازی نے پہلے قول میں بیان کیا ہے کہ تقیہ جان بچانے کے لئے جائز ہے اور نقل قول حسن بصری کے بعد انہوں نے دلیل بیان کی ہے جو تقیہ کو واجب کرتی ہے اس

لیئے پہلے قول میں بھی انکے جائز سے واجب ہی مراد ہو سکتی ہے۔

﴿ابن حجر کا مقولہ تقیہ کے بارے میں﴾

ابن حجر نے فتح الباری میں فرمایا ہے۔ **قد اجمع الفقهاء علی وجوب فاعه السلطان المتغلب و الجهاد معه وان طاعته خیر من الخروج علیه لمافی ذلک من حقن الدماء و تسکین الدهماء** یعنی فقہائے اسلام کا اس بات پر اجماع ہے کہ سلطان ظالم کی اطاعت واجب ہے یونہی اسکے ساتھ جہاد کرنا واجب ہے اور اسکی اطاعت اُس پر خروج کرنے سے بہتر ہے کیونکہ اس اطاعت وفرمانبرداری میں جانوں کی حفاظت اور خونریزی کا انسداد ہے۔ اور مصائب کی تخفیف ہے ان کلمات سے صاف روشن و آشکار ہے کہ تقیہ کا وجوب اجماعی ہے بلکہ ہم سے اگر انصافاً پوچھو تو ہم بلا تامل کہہ سکتے ہیں کہ یہ اجماع اس اجماع سے کہیں زیادہ قوی ہے جو حضرت ابوبکر کے خلیفہ ہونے پر بقول شخصے منعقد ہوا تھا افسوس ہے کہ ہمارے مخاطب صاحب کا انکار اس اجماع قوی کے مقابلہ میں ہے لیکن اس اجماع ضعیف پر ایمان قائم ہے۔

صحابہ و تابعین نے تقیہ کیا

تہذیب الکمال میں ہے۔ **قال الاعمش عن عبدالمالک بن میسره عن النزال هن سره قال کنامع حذیته نقال له عثمان یا اباعبدالله ماهذالذی سلیغنی عنک قال ماقلته قال عثمن انبت اصد فهم وابرهم فلما خرج قلت یا ایا عبدالله الم تقل**

ماقلـه قال بلـے ولـكـنـی اشتری دینی ببعضه مخافقه ان مذهب كلمه انهی۔

اعمش نے سلسلہ مذکورہ سے روایت کی ہے کہ ہم حذیفہ کے ساتھ تھے عثمان نے حذیفہ سے کہا کہ اے ابوعبداللہ یہ کیا خبریں مجھے تمہارے متعلق پہونچتی ہیں حذیفہ نے کہا کہ میں نے توان باتوں کونہیں کہا عثمان نے کہا کہ تم ان سے زیادہ سچے ہواورزیادہ حقوق کا خیال کرنے والے ہوجب عثمان وہاں سے چلے گئے تو میں نے (راوی کلام) ضیفہ سے کہا کہ کیا تم نے یہ باتیں نہیں کہیں تھیں حذیفہ نے کہا کہ کہیں تھیں لیکن میں اپنے دین کے بعض حصہ سے بعض کو خیر جانتا ہوں اس ڈر سے کہ کہیں کل نہ جاتا رہے۔

﴿ابن عباس نے تقیہ کیا﴾

فرائض شریقی میں ہے۔ **اول مـن حـكـم بالعول عمر فانه وقع فی عهده صورة صناق مخرجا عن فرد ضها فشاد رالصحابته فیها فاشار العباس الی العول فقال اعیلو الفرائض فتابعوه علی ذلک ولم نیكره احدالا ابنه بعد موته فقیل له هلانكرت نی زمن عمر قال هیته دكان مسیبا الی ان قال بلا یحقعون حتی منتیومل نحیعل لغته الله علی الكاذبین الذی احصی عمل عالج ء والم**

یحعل فے مال نصفین و ثلثا انتھی

یعنی پہلا وہ شخص جن نے عول کا حکم دیا وہ حضرت عمر تھے انکے عہد میں ایک ایسا مسئلہ پیش تھا جس میں تمام سے نہ نکل سکتے عمر نے صحابہ سے مشورہ کیا تو عباس نے عول (نقصان) کا اشارہ کیا عمر نے اسکے صوابدید پر حکم عول دیا یعنے تمام صاحبان میراث پر نقصان ڈالا جائے لوگوں نے اسی حکم کی پیروی کی اور کسی نے بھی اس سے انکار نہ کیا لیکن جب عمر نے انتقال کیا تو عباس کے بیٹے نے یعنی ابن عباس نے اس سے انکار کیا لوگوں نے کہا کہ عمر کے زمانہ میں کیوں نہ انکار کیا کہا مجھے اُن سے خوف معلوم ہوا اور وہ ایک مہیب آدمی تھے نوبت سخن اس نزاع میں یہانتک پہونچی کہ ابن عباس نے کہا کہ اچھا ہمارے مخالفین کیوں نہیں جمع ہوتے تا کہ ہم مباہلہ کر کے خدا کی لعنت جھوٹے پر قرار دیں۔ یقیناً وہ شخص جسکو رمل عالج کا شمار معلوم ہے اس نے کسی مال میں دو نصف اور ایک ثلث نہیں قرار دیا (صاف ہے کہ دو آدمی میں مال پورا ہو جائیگا اب یہ ثلث کہاں سے آئیگا)۔ اور کتاب التحقیق شرح مختصر ابی محمد اخسکی میں اسباب کے بیان میں کہ اجماع سکوت سے ثابت نہیں ہوتا مرقوم ہے۔

وداود الظاھری دبعض المعتزلته تمسکوافی ذلک بان السکوت قدیکون للمابته واتقیه کماقیل لابن عباس راظھر قوله فی العول وقد کان ینکرہ ھلاقلت ھذافی زمن عمروانه کان

یقول بالعول فقال کان رجلا مهیباً فهبته دفی روایه منغی من ذلک درته.

یعنی داؤد ظاہری اور بعض معتزلہ نے (اس مطلب پر کہ اجماع سکوت سے ثابت نہیں ہوتا) اثبات سے تمسک کیا ہے کہ سکوت کبھی ہیبت اور تقیہ کے وجہ سے ہوتا ہے جیسا کہ جب ابن عباس نے عول کا انکار کیا ہے تو ان سے لوگوں نے کہا کہ اس قول کو عمر کے وقت میں کیوں نہ ظاہر کیا کیونکہ وہ عول کے قائل تھے ابن عباس نے کہا کہ میں ان سے ڈرا اور وہ ایک مہیب آدمی تھے اور بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ مجھے اس قول کے ظاہر کرنے سے انکے ڈرے نے روکا۔

ایک دوسرا قول

کنزالعمال ملامتقی میں ھے۔ عن نافع ان رجلاً سئل ابن عمر عن متعته النسا فقال هوحرام فقال له ابن عباس تعتی بها فقال ابن عمر الاترم بها ابن عباس فی زمن عمر لو اخذ فیها احد لرجمه انتی

نافع سے منقول ہے کہ ایک شخص نے ابن عمر سے متعہ کے متعلق پوچھا انہوں نے جواب میں کہا کہ حرام ہے اس سائل نے کہا کہ ابن عباس تو اسکے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں ابن عمر نے کہا کہ ابن عباس نے عمر کے

زمانہ میں یہ فتویٰ کیوں نہ دیا اگر کوئی عمر کے زمانہ میں ایسا کرتا تو وہ اُسے سنگسار کردیتے ابن عمر کے قول سے کہ اس زمانہ میں وہ سنگسار کردیتے اور ابن عباس کے فتویٰ نہ دینے سے صاف ظاہر ہے کہ ہمیت اور تقیہ نے ابن عباس کو رکا۔

اور جب ابن عباس جیسے لوگ مخالفت سے خوف کرتے تھے تو اوروں کا حال بھی اس سے معلوم ہوسکتا ہے۔یہیں سے امام فخر الدین رازی کے قول کی کمزوری معلوم ہوتی ہے جو انہوں نے تفسیر کبیر میں بحث متعہ میں کہا ہے کہ حضرت عمر نے متعہ کو حرام کہا اگر وہ جائز ہوتا اور پھر وہ حرام کرتے تو یا کفر عمر لازم آتا یا کفر صحابہ، اسلیئے کہ انہوں نے اس کو حرام کرنے کی مخالفت نہیں کی۔شق اول کے متعلق تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن شق دوم میں صحابہ کے سکوت کا عذر دیکھتے ہوئے صاف واضح وآشکار ہے کیونکہ جب اہلبیت تھی اور درہ کا ڈر تھا تو کفر کاہے کو لازم آئیگا۔

ابن عمر نے تقیہ کیا

مشکوۃ میں ہے، عن ابن عمر قال صلی الله مبنی رکعتین و ابوبکر بعدہ و عمر بعد ابی بکرو عثمان صدرا من خلافته ثم ان عثمان صلی بعد اربعا فکان ابن عمر اذا صلی مع الامام صلی اربعاً واذا صلها وحدہ صلی رکعتین متفق علیه۔

یعنی ابن عمر سے روایت کی گئی ہے وہ کہتے تھے کہ رسولؐ نے منی میں دو

رکعتیں نماز کی پڑہیں پیغمبر کے بعد ابوبکر نے بھی ایسا ہی کیا اور ابوبکر کے بعد عمر نے بھی ایسا ہی کیا لیکن جب عثمان کا دور ہوا تو شروع خلافت میں انہوں نے بھی ایسا ہی کیا لیکن بعد میں انہوں نے دو رکعتیں اور بڑھا کر چار رکعتیں پڑہیں ابن عمر جب امام کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو چار پڑھتے تھے اور جب منفرد ہوکر پڑھتے تھے تو دو پڑھتے یہ وہ روایت ہے جس پر بخاری اور مسلم دونوں نے اتفاق کیا ہے۔

ابن مسعود نے تقیہ کیا

ازالتہ انخفا میں صلی ابن مسعود مبنی مع عثمان اربعاً فقیل لہ اتخدثنا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی رکعتین وابابکر و عمر فقال بلے دلکن عثمان امام لو اخالف و انخلاف شر۔

یعنی ابن مسعود نے منیٰ میں عثمان کے ساتھ چار رکعتیں نماز پڑہیں لوگوں نے اُس سے کہا کہ تم ہم سے بیان کرتے ہو کہ پیغمبر نے دو رکعتیں پڑہیں اور ابوبکر و عمر نے دو رکعتیں پڑہیں اور پھر تم نے عثمان کے ساتھ چار رکعتیں پڑہیں ابن مسعود نے کہا کہ ہاں سب کچھ سچ ہے مگر عثمان اسوقت خلیفہ ہیں کیا میں انکی مخالفت کردوں حالانکہ مخالفت میں بدی ہے۔ اب آپ ہی ملاحظہ فرمائیں کہ عثمان بجائے قصر اتمام کررہے ہیں جو بالکل قول وفعل رسول کے خلاف ہے اور ابن مسعود

مخالفت نہیں کر سکتے اسی کا نام تقیہ ہے جس طرح تقیہ ثابت ہے ویسے ہی ہے جرائت خلفا پر روشنی پڑتی ہو۔

راوی حدیث رسولؐ نے تقیہ کیا

حدیث ان ال ابی فلاں یسوالی باولیآ کی شرح میں لودی نے لکھا ھے وھذہ الکنایته بقوله یعنی فلاناسن بعض الرداۃ خشی ان لسیمیه فترتب علیه مفسدۃ او فتنته امافی حق نفسه وامانی حق غیرہ فکنی عنه۔

یعنی ابن فلاں حدیث پیغمبر میں نہ تھا بلکہ وہاں تصریح تھی راوی نے اس بات سے خوف کیا کہ نام لینے میں کوئی فتنہ وفساد نہ برپا ہو جائے (وہ راوی کے حق میں ہو یا اسکے غیر کیلئے ہو)۔ بہرحال اس خوف سے اس نے فلاں کی لفظ کنایۃً ذکر کی۔

ابراھیم نخفی نے تقیہ کیا

صحیح بخاری میں عبداللہ بن عمر سے روایت ھے۔ ابراھیم الغنی کان تنکیم عندوقت الخطبته فقلیل رفی ذلک فقال انی صلیت الظھرنی داری ثم رحت الی المسجد تقیته۔

یعنی ابراہیم نخفی خطبہ کے وقت باتیں کیا کرتے تھے لوگوں نے اس کا

تعرض کیا کہا کہ میں ظہر ------ پڑھ چکا ہوں تقیہ کی وجہ سے میں مسجد میں چلا آیا۔

زارۃ ابن اونی الحرشی نے تقیہ کیا

طبقات ابن سعد میں ہے قال اخبرنا عارم بن الفضل خدثنا حماد بن زید قال حدثنا ہشام بن حسان عن عائشہ بنت ضمرۃ زرارہ بن اوفی کان یصلی فی منزلہ الظہر والعصر ثم یاتی الحجاج للجمعۃ۔ بسند مذکورہ روایت ہے کہ زرارۃ بن ادنی اپنے گھر میں نماز ظہر و عصر پڑھکر حجاج کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھنے آتے تھے۔ یہ وہ شخص تھا جس کے متعلق طبقات میں ہے۔ اخبرنا اسحٰق بن ابی اسرائیل قال حدثنا عتاب المثنی القشیری عن بہز بن حکمی ان زرارۃ بن اوفی امہم الفجر فی مسجد بنی قشیر حتی اذا بلغ فاذا نقر فی النا قور فذلک یومئذ یوم عسیر علی الکام فرین غیر یسیر خریتا قال بہز فکنت فیمن حملہ۔ یعنی ایکدن صبح کی نماز مسجد نبوی میں انہوں نے قصر کی امامت کی قرائت کرتے کرتے اس آیہ غضب پر جب پہونچے فاذا نقر فی الناقور ...... الخ تو مر کے گر پڑے بہز بیان کرتے ہے کہ انکو اٹھا کہ لانیوالوں میں بھی تھا۔

عبداللہ بن عمر کا تقیہ

قال دخلت علی حفصتہ دنسواتہا تنطف قلب قعہ کان من امرالناس ماترین فلم یحعیل لی من الامر شئی فقالت الحق فہم فانہم نیتظرونک واخشی ان یکون نے احتیاسک منہم فرقہ فلم تدعہ حتی ذہب فلما تفرق النسا خطب معویتہ قال من کان یریدان تیکلم فی ہذاالامر فیطلع لنا

فرقہ فنحن احق بہ منہ ومن ابیہ قال حبیب بن مسلمتہ فھلا حبتہ قال عبداللہ فحللت حیوتی وھممت ان اقوال احق بھذاالامر منک من قاتلک واباک علی الاسلام فخشیت ان اقوال کلمتہ تفرق بین الجمع وتفک الدم وتحمل علے غیر ذلک فذکرت مااعداللہ نے الجنان قال حبیب حفظت و عصمت۔

مستحق خلافت وہ تھا جس نے تجھے اور تیرے باپ سے اسلام پر جنگ کی (اس سے انکی مراد علی علیہ السلام تھے) عبداللہ کا بیان ہے کہ میں ڈر گیا کہ ایسا نہ ہو اس کلمہ سے آپس میں پھوٹ پیدا ہو جائے اور خونریزی کا سبب ہو اور ایسا نہ ہوں کہ جو کہ میری مراد ہے اسکے علاوہ لوگ مراد لے لیں تو میں نے ان چیزوں کا تذکرہ کیا جنکو خدا نے جنت میں مہیا کر رکھا ہے (اگر یہاں نہ سہی تو وہاں سہی) حبیب بن سلمہ نے کہا کہ تم بچ گئے اور محفوظ رہے۔

قسطلانی نے شرح صحیح میں بیان کیا ھے

لعل معویتہ کان رایہ تقدیم الفاضل فی القوۃ والمعرفتہ والرئ علی الفابتل فی السبق

الی الاسلام والدین فلف ا الطلق انه احق و رای ابن عمر خلاف ذلک دانه لایبالع المفضول الا اذاخشی الفبتنه

یعنی معوتیہ نے جو اپنی ذات کو خلافت کا مستحق بتایا تو غالباً اسکا خیال تھا وہ شخص خلیفہ ہونا چاہئے جو قوت اور معرفت اور رائے میں زیادہ ہو اسکو اس شخص پر جو اسلام و دین کے جانب سابق ہو فضیلت ہے جب ہی تو اس نے اپنے کو حق بتایا اور ابن عمر کی رائے اسکے خلاف تھی اور وہ مفضول کی بیعت اسی وقت کر سکتے تھے جب فتنہ کا خوف ہو ورنہ نہیں۔ اس کا مطلب یہی ہوا کہ تقیہ کی وجہ سے وہ بیعت کر سکتے تھے۔

حسن بصری نے تقیہ کیا

طبقات ابن سعد میں ھے قیل لا بن الاشعث ان ترک ان یقتلوا حولک کما قتلواحول جمل عائشه فاخرج الحسن فارسل الیه فا کر ھه

لوگوں نے ابن اشعث سے کہا کہ اگر تو اس بات پر خوش ہو کہ تیرے گرد بھی لوگ یوں ہی قتل ہوں جس طرح عائشہ کے اونٹ کے گرد قتل ہوئے تو حسن بصری کو لوا ابن اشعث نے کسی کو اُن کے پاس بھیجا اور مجبور کیا۔

احیاء العلوم غزالی میں ھے۔ بردھی عن بن

عائشه ان الحجاج دعی بفقهاء البصرة وفقهاء الكوفته قال وخلنا عليه دوخل الپصرج من اخرمن دخل فقال الحجاج مرحباپاپی سعید الی الی ثم دعا بكرسی فوضع الی جنب سرئره فقعد عليه فجعل الحجاج يذاكرنا ويسئلنا ائو ذكر علی بن ابيطالب فنال منه وتلنا متہ مقارتبه له وفرقامن شره

یعنی ابن عائشہ سے روایت ہے کہ حجاج فقہائے بصرہ وکوفہ کو بلایا، ہم جب اسب اسکے پاس پہونچے اور آخر میں حسن بصری بھی پہونچے حجاج نے اس کو دیکھ کر مرحبا کہا اور ایک کرسی منگوائی جو حجاج کے تخت کے پہلو میں بچھا دی گئی اس پر حسن بصری کو بٹھایا گیا پھر حجاج نے ہمسے باتیں کرنا شروع کیں اور ہم سے سوال کرنا شروع کیا کہ اتنے میں امیر المومنین علی بن ابی طالب کا کچھ ذکر آ گیا حجاج ملعون نے آپ کی مذمت کرنا شروع کی اور ہم نے بھی اسکی نفرت کیلئے اور اُس کے شر سے بچنے کے لئے ہاں میں ہاں ملائی۔

محمد بن سیرین نے تقیہ کیا

وفیات الاعیان میں ابن خلکان نے بیان کیا ہے۔ لماولی عمر بن هبيرة انفراری العراقين واضيفت اليه خراسان

ایام یزید بن عبدالمالک استدعی الحسن بن ابی الحسن البصری وعامربن شرحبیل الشعبی و محمد بن سیرین وزلک فی نسته ثلث و ماته فقال لھم ان یزیدبن عبدالمالک خلیفته اللہ استخلقه علی عباده واخذ میثا قھم بطاعته واخذ عھدنا یا لسمع والطاعته وقد ولانی ماترون فکتب الی بامرمن اموره فاقلده ماتقلده من ذلک الامر فقال ابن سیرین والشعبی قولا فیه تقیته

یعنی جس وقت عمر بن ہبیرۃ والی عراقین بصرہ کوفہ ہوا اور ان کے ساتھ خراسان بھی ملحق ہوا اور یہ اس وقت جب یزید بن عبدالمالک خلیفہ مقرر ہوا تھا تو اسنے حسن بصری اور عامر بن شرحبیل شعبی اور محمد بن سیرین کو بلایا اور یہ واقعہ ۱۰۳ھ کا ہے اور ان لوگوں سے عمر بن ہبیرہ نے یوں باتیں شروع کیں کہ یزید بن عبدالمالک خدا کا خلیفہ ہے جسکو خدا نے اپنے بندوں پر خلیفہ بنایا ہے اور ان سے اسکی اطاعت کا عہد و پیمان لیا ہے اور ہم سے یہ عہد لیا ہے کہ ہم اُسکے ہر حکم کو سنیں اور اسکی اطاعت کریں اس نے مجھے ان ممالک کا والی مقرر کیا ہے اور اس نے مجھے اپنی بعض امور سے بذریعہ کتابت مطلع کیا ہے...... آلخ تو ابن سیرین و شعبی نے ان باتوں کا جواب تقیہ میں دیا۔

ایک بڑے گروہ نے تقیہ کیا

فتح الباری میں ہے۔اول من زخرف المساجد الولید بن عبدالمالک بن مروان وذلک فی اوخر عھد الصحابتہ وسکت کثیر من اھل العلم عن انکار ذلک خوفامن الفتنتہ۔

یعنی پہلا وہ شخص جس نے مسجدوں کو منقش کیا ولید بن عبدالمالک بن مروان تھا اور یہ واقعہ آخر عہد صحابہ میں ہوا اور بہت سے اہل علم نے اسکے انکار سے سکوت کیا کیونکہ اُن کو فتنہ کا خوف تھا۔

ابو ذر کو تقیہ کا حکم

مشکوۃ میں ھے۔عن ابی وزرضی اللہ عنہ قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف انت اذاکانت علیک امراء حکھیتون الصلوۃ اویوخرونھا عن وقتھا قلت فما تامرنی قال صلی اللہ علیہ وسلم صل الصلوۃ لو قتھا فان اور کتھا معھم فصل فانھا لک نافلتہ رواہ مسلم

ابوذر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، انہوں نے کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیوں ابوذر تمھارا کیا حال ہوگا جب تم پر ایسے امیر ہونگے

جو نماز کو مار ڈالیں گے یا اسکو اسکے وقت سے موخر کر دینگے ابوذر کہتے ہیں کہ میں نے خدمت اقدس میں عرض کیا کہ پھر آپ کیا حکم دیتے ہیں فرمایا کہ تم نماز اپنے وقت پر پڑھ لیا کرنا اور اگر تم انکے ساتھ نماز پاؤ تو پھر اُنکے ساتھ پڑھ لینا کیونکہ وہ تمھارے لیے نافلہ ہوگی اسکی روایت مسلم نے بھی کی ہے۔

شیخ عبدالحق دہلوی نے اس عبارت کا ترجمہ یوں کیا ہے۔ گفت ابوذر گفت مرا پیغمبر خدا چگونہ خواہد بود ل تو د چہ خواہی کرد وقتیکہ مسلط خواہسد گشت بر تو بادشاہان کہ در مخالفت ایشان اثارہ، فتنہ است می میرانند نماز را و رعایت نمیکنند شرائط و آداب آنرا یا پس انداز ند نماز ہا دا از اوقاتش یعنی از اوقات مختار۔ ابوذر میگوید من گفتم کہ چہ میفرمائی مرا و چہ کنم گفت آنحضرت بگوار نماز را در وقتش پس اگر دریابی نماز را با ایشان نیز بدرستی نماز یکہ ہمراہ ایشان بگزاری نفل خواہد بود برائے تو و از ینجا معلوم میشود کہ اگر امام تاخیر کند روقت نماز خصوصاً کہ بوقت مکروہ انداز ماموم باید کہ بگزارد نماز خود در اول وقت پستر گزار و دیا امام تا فضیلت وقت جماعت ہر دو دریابد و این ور غیر نماز فجر و عصر و مغرب خواہد بود از جہت کراہت تنفل در انوقت و عدم مشروعیت نفل سہ رکعت یا انیکہ ارتکاب این مکروہ اہونست از اثارۂ فتنہ و اختلاف کلمہ کہ لازم آید از مخالفت امراء جابر انتی میں شاہ عبدالحق صاحب کے عبارت کا بھی ترجمہ کرتا ہوں تا کہ ناظرین عام طور سے انکی مراد کو بھی سمجھ لیں۔ ابوذر کہتے ہیں کہ مجھ سے پیغمبر نے فرمایا کہ تمھارا کیا حال ہوگا اور تم اسوقت کیا کرو گے جب تم پر ایسے بادشاہ مسلط ہونگے جنکی مخالفت میں فتنہ و فساد کے برانگیختہ ہونے کا خوف ہے وہ نماز کو مار ڈالیں گے اور اسکے شرائط اور آداب کی رعایت نہ کرینگے یا نماز کو انکی اوقات سے بعد میں ڈال دیں گے۔

یعنی ان وقتوں کے بعد پڑیں گے جو ان نمازوں کے لیے اختیار کیے گئے ہیں، ابوذر نے عرض کی کہ آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں ایسے وقت میں کیا کروں آپ نے فرمایا کہ تم نماز کو اسکے وقت پڑھنا

پس اگر نماز ان لوگوں کے ساتھ بھی ملجائے تو پڑھ لینا کیونکہ وہ نماز تم ان لوگوں کے ساتھ پڑھو گے نافلہ ہوگی تمھارے لیے۔ اس جگہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر امام وقت نماز سے تاخیر کرے خصوصاً جبکہ اسے وہ وقت مکروہ میں ڈالدے ماموم کو چاہیے کہ وہ نماز کو اول وقت ادا کرے پھر امام کے ساتھ پڑھے تاکہ وقت کی فضیلت اور جماعت کی فضیلت دونوں حاصل ہوجائیں اور یہ نافلہ ہوجانا وغیرہ نماز فجر و عصر و مغرب میں ہوگا کیونکہ ان اوقات میں نفل مکروہ ہے اور اس لیے بھی کہ تین رکعت کا نافلہ شروع نہیں ہے پھر کیونکہ مغرب کا شمار نافلہ میں ہوگا یا یہ کہ ان مکروہات کا ارتکاب فتنہ کے برانگیختہ کرنے اور باہم پھوٹ واقع ہوجانے سے سہل ہے جو مخالفت امراء جابر سے لازم آئیگی۔

اگر مترجم نافلہ کے لغوی معنے لیتا اور اصطلاحی نہ لیتا یا نافلہ سے مراد ثواب نافلہ مراد لیتا تو یہ تکلفات جو اسے کرنے پڑے وہ درپیش ہوتے۔ بہر حال تقیہ کی ہدایت تو ثابت ہوئی اب چند باتیں اور خیال کرنا چاہیے ایک تو یہ کہ خطاب رسول ابوذر سے ہے اور ابوذر رسالتمآب کے بعد تین ہی بزرگواروں کے ماتحت رہے اسلیے وہ حکومتیں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی تھیں اور تیسری حکومت میں اُسکے جور و ظلم سے ابوذر نے مقام ربذہ میں انتقال کیا اب یہ بات نظر انداز کرنیکے قابل نہیں ہے کہ یہ دستور العمل جو پیغمبر نے جناب ابوذر کے لیے بتایا ہے اور اُن کیلئے لازم العمل بھی تھا وہ کن امرا کے بابت تھا سوائے خلفائے ثلاثہ اور کوئی اُن پر مسلط نہیں ہوا تو اب ضرور ہوا کہ وہ ہی خلفائے جابر ہوں اور وہی سلاطین جور ہوں اور ان میں یہ صفت ہو کہ نماز کو وہ مار ڈالیں گے یا اسکے وقت سے اسکو موخر کردینگے اور بعد اس تعیین کے اور دستور العمل کے معین ہوجانے کے یہی حدیث **اس بات کا فیصلہ** کرتی ہے کہ وہ لوگ جو ابوذر پر مسلط تھے وہ کیسے تھے۔

دوسری بات یہ بھی قابل لحاظ اور نہایت ہی معنی خیز ہے کہ **پیغمبر نے فرمایا۔ کیف انت اذا کانت**

علیک امراء تمھارا کیا حال ہوگا جب تمھارے اوپر ایسے امرا مسلط ہوں" آلخ" لفظ امرا فرمایا جس کا ترجمہ عبدالحق صاحب نے "بادشاہان" فرمایا ہے لفظ خلفا نہیں فرمایا اور مذاق قوم کے بنا پر پیغمبر کو خلفا کہنا چاہیے تھا لیکن اگر خلفا فرماتے تو یہ صفات جن کے مذموم ہونے میں کسی عاقل کے نزدیک شبہہ نہیں انکے واسطے نہ ثابت کیجا تیں۔ لہذا یہ بھی ثابت ہوا کہ ابوذر پر مسلط ہونے والے خلفا نہ تھے بلکہ امرا تھے اس سے زیادہ ہمارے اور اہلسنت کے نزاع میں فیصلہ کرنے والی کون سی چیز ہو سکتی ہے۔ مجھے اُن لوگوں سے سخت تعجب ہوتا ہے جو احادیث کے ترجمہ کرتے ہیں اور اس سے احکام کو مستنبط کرتے ہیں اور متن حدیث پر ذرہ برابر غور نہیں کرتے اسی کا نام ہے طبع" اسی کا نام ہے ختم"۔ یعنی ختم اللہ علی قلوبہم آلخ۔

پھر ابو ذر کے لیئے تقیہ کی ھدایت

عن ابی ذر قال النبی صلی اللہ علیه وسلم قال له کیف تصنع اذا اخرجت منه اے من المسجد النبوی قال آتی الزام قال کیف تصنع اذا اخرجت منها قال اعوو الیه اے الی المسجد قال کیف تصنع اذا اخرجت مسنه قال اضرب بسیفی قال صلی اللہ علیه وسلم الا ادالک علی ماهو خیر لک من ذلک واقرب رشد اتسمع وتطیع وتنساق لهم حیث ساقوک۔

حضرا بوبکر سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآب نے ان سے فرمایا کہ ابوذر کیا کرو گے جب تم مسجد نبوی سے نکالے جاؤ گے انہوں نے کہا کہ میں شام چلا جاؤں گا فرمایا کیا کرو گے شام سے بھی نکالے جاؤ گے کہا میں پھر مسجد ہی میں چلا آؤنگا فرمایا کیا کرو گے جب پھر مسجد سے نکالے جاؤ گے کہا میں اپنی تلوار سے اسوقت حملہ کرونگا جناب رسالتمآب نے فرمایا کہ میں تمھیں اس سے بہتر بات بتاؤں جو تمھارے لیے بہتر ہو اور وہ یہ ہے کہ ہر حکم کو سنو اور اسکی اطاعت کرو اور جدھر تمکو وہ لوگ کھینچیں اسی جانب کھچ جاؤ۔(فتح الباری شرح صحیح بخاری)

صاف ظاہر ہے کہ مفسدہ کے خوف سے تقیہ کا حکم دے رہے ہیں اور الفاظ رسول ابوذر کی مظلومیت کا پتا دے رہے ہیں۔

انبیاء نے تقیہ کیا

صحیح مسلم میں ہے ابوہریرہ سے روایت ہے اس نے کہا کہ پیغمبر نے فرمایا کہ

لم یکذب ابراھیم الاثلث کذبات ثمنتین فی ذات اللہ قولہ انی سقیم و قولہ بل فعلہ کبیرھم ھذا و واحدۃ فی شان سارۃ فانہ قدم ارض جبار ومعہ سـاتـرہ دکـانـت احسن الناس فقال ان ھذا الجبار ان علم انک امراتی یغلبنی علیک ذان سئلک فاخبریہ انک اختی فی الاسلام فانی لا اعلم فی

الارض مسلما غیری و غیرک انتہی۔

یعنی معاذ اللہ ابراہیم نے کبھی جھوٹ نہیں کہا مگر صرف تین مرتبہ وہ جھوٹ خدا کی ذات کیلئے بولے اور وہ ایک تو انی سقیم تھا اور دوسرا یہ فرمایا کہ بل فعل کبیر ہم اور تیسرا سارہ کے باب میں کیونکہ جناب ابراہیم ایک بادشاہ جبار کے ملک سے تشریف لائے تھے اور اُنکے ساتھ جناب سارہ بھی تھیں اور حضرت سارہ جمیل ترین زنان تھیں تو آپ نے سارہ سے فرمایا کہ ظالم بادشاہ اگر یہ سمجھ لیگا کہ تم میری بیوی ہو تو وہ تم پر با جبر قبضہ کریگا اور مجھے مغلوب کریگا تو اگر وہ تم سے پوچھے (کہ انکی کون ہو) تو کہہ دینا کہ میں انکی اسلامی بہن ہوں کیونکہ مجھے معلوم نہیں کہ تمام زمین عالم میں میرے اور تمہارے سوا کوئی اور مسلم ہو۔

اور شارح شفا نے (جیسا کہ جناب مفتی محمد قلی علیہ الرحمتہ والرضوان نے تحریر فرمایا ہے) جناب سارہ کو بہن کہنے کی وجہ یہ بیان کی ہے۔ **قال تقیه خشیه ان تقیه خشیه ان تقتله** یعنی جناب ابراہیم نے یہ قول تقیہ کی سبب سے کہا اس بات کو ڈر کے کہ کہیں وہ جبار حضرت کو قتل نہ کر ڈالے۔ اور نودی شالی مسلم نے وجہ دوم تاویل خبر میں یہ عبارت لکھی ہے۔

الوجه الثانی لو کان کذبالا توریته فیها لکان جائزافی دنع الظالمین وقت اتفق الفقها اعلی انه لو جار ظالم لطیلب انسانا مختفیاً قتله ادیطلب ودیعته لانسان لیا خذ ها غصبا و

سئل عن ذلک وجب علی من علم ذلک خفائوه وانکا رالعم به و هذا الکذب جائزبل واجب لکونه فی دفع الظلم عنه فنبه النبیؑ صلی ان هذه الکذبات لیست داخلته فی مطلب الکذب لمذموم

یعنی وجہ دوم یہ ہے کہ اگر توریۃ نہ بھی ہو اور کذب محض بھی ہو تو ظالموں کے دفع کرنے کیلئے جائز ہوگا اور تمام فقہا اس بات پر متفق ہیں کہ اگر کوئی ظالم کسی آدمی کے قتل کرنے کیلئے آئے جو چھپا ہوا ہو یا کسی انسان کی امانت ڈھونڈ رہا ہو تا کہ غصب کر کے اس سے لے لے اور اسکا پتا لگائے اور لوگوں سے پوچھے تو اس شخص پر جسے ایسے آدمی یا ایسی امانت کا علم ہو واجب ہے کہ اُسے چھپائے اور کہے کہ مجھے معلوم نہیں اور ایسا جھوٹ جائز ہے بلکہ واجب ہے کیونکہ ظلم کے دفع کرنے کیلئے ہے تو پیغمبر نے بیان کر کے آگا کر دیا کہ ایسے جھوٹ جنکا سبب وقع ظلم ہو وہ اس جھوٹ میں داخل نہیں جو مذموم ہو۔

جناب خلیل اللہ کا دوسرا تقیہ

امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں اس آیت مبارکہ "**فلما جن علیه اللیل رائے کو کبا قال هذازی**" (جب ابراہیم پر شب تاریک ہوئی اور انہوں نے ستارے کو دیکھا تو کہا کہ میرا رب یہ ہے) کی تفسیر میں لکھا ہے۔

الوجه السادس انه صلى الله عليه وسلم اراد ان يبطل قولهم بربوبيته الكوا اكب الانه عليه السلام كان قدعرف من تقليد هم لا سلافهم و يعد طبا عهم عن قبول الد لايل انه لو صرح بالدعوة الى الله لم يقبلوه ولم يلتفتوا اليه فمال الى طريقته يها يسدر جهم الى استماع الحجته ذولك بان ذكر كلايا يوهم كونه مساعدا على مذهبم بربوبتيه الكوا كب مع ان قبله كان مطمئان بالايمان و مقصوده من ذلك ان تيمكن من ذكر الدليل على ابطاله و فساده وان تصيبلوا قوله و تمام التقرير انه لمالم ــــ الخ)

محصل وجہ ششم یہ ہے کہ جناب ابراہیم صلوات اللہ علیہ نے اس بات کا ارادہ کیا کہ کواکب کے ربوبیت کو باطل فرمائیں اور یہی ان لوگوں کے اعتقاد میں تھا مگر چونکہ آنحضرت نے یہ دیکھ لیا تھا کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کے تقلید میں ہیں اور انکی عقول دلائل و براہین کے قبول کرنے سے بہت دور ہیں تو آپ نے یہ خیال فرمایا کہ اگر میں انکو خدا کی طرف دعوت دوں گا اور اسکو بالتصریح بیان کردوں گا تو ہرگز اسکو قبول نہ کریں گے اور کسی قسم کا التفات نہ کرینگے اس لئے آپ نے ایسی کلام کے ذکر کی طرف میل فرمایا اُنکو دلیل کے سننے کی طرف متوجہ کریں اور یہ اس طریقہ سے کیا آپ نے

ایک ایسا کلام ذکر فرمایا جو اس بات کا خیال دلاتا تھا کہ آپ قوم کے خیالات کی تائید فرما رہے ہیں اور معاذ اللہ ربوبیت کواکب کے معتقد ہیں حالانکہ آپ کا قلب ایمان کے ساتھ مطمئن تھا اور آپ کا مقصود ایسے کلام سے صرف یہ بات تھی کہ آپ دلیل ابطال ربوبیت کواکب کو ذکر فرماسکیں اور وہ اسکو قبول کرسکیں۔ اور تقریر نام یہ ہے کہ چونکہ جناب خلیل الرحمٰن کے لئے کوئی اور رُواستہ دعوت حق کا سوائے اس راستہ کے نہ تھا اور آپ خدا کی طرف سے دعوت حق پر مامور تھے (تو چونکہ اسی طریقہ میں انحصار تھا) تو گویا آپ کلمہ کفر کے کہنے پر مجبور تھے اور یہ بات معلوم ہے کہ مجبور ہونیکے وقت کلمہ کفر کا زبان پر جاری کرنا جائز ہے خداوند عالم نے خود استثنا فرمادی ہے الامن اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان یعنی صرف اس شخص کے لیے اجازت ہے جو مجبور کردیا گیا ہو اور اسکا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو اور جب ایک شخص کے باقی رہنے کیلئے کلمۂ کفر کا جاری ہونا جائز ہوا تو اگر عاقلوں کے ایک عالم کی نجات کیلئے کفر و عذاب سے ایسا کلمہ بولا جائے تو یہ بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا اور بھی وہ شخص جو ترک صلوۃ پر مجبور کیا جائے اگر نماز پڑھے اور اس میں قتل ہوجائے تو اسکے لیے اجر عظیم حاصل ہوگا اور جب کفار سے جنگ کرنے کا وقت آئے اور اسکو یہ معلوم ہو کہ اگر میں نماز میں مشغول رہونگا تو اسلام کا لشکر شکست کھاجائیگا تو اس جگہ اس پر ترک نماز واجب ہوگی اور جہاد دشمن میں بھی مشغولیت واجب ہوگی اور یہ وجوب اس حد پر ہے کہ اگر نماز میں مشغول ہوجائے اور ترک قتال کرے تو گنہگار ہوگا اور ترک نماز کرے اور جہاد دشمن میں مشغول

ہو جائے تو مستحق اجر ہوگا بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ جہاد اور انہزام لشکر اسلام کا
خوف تو اور چیز ہے اگر نماز میں ہو اور کسی لڑکے یا اندھے کو دیکھے کہ وہ پانی
میں غرق ہوا جاتا ہے یا آگ میں جلا چاہتا ہے تو ایسے وقت پھر مصلی پر
اس بچہ اور اندھے کے نجات کے لیے نماز کا قطع کر دینا واجب ہو جائیگا یو
ہی مقام بحث میں خیال کرو کہ جناب ابراہیم نے اس کلمہ کے ساتھ تکلم
فرمایا کہ قوم پر یہ ظاہر ہو کہ آپ قوم کی موافقت کر رہے ہیں (ایسی
صورت میں قوم کے دل میں کینہ اور غضب جو مانع استماع قول ہوتا ہی نہ
ہوگا) تو ایسے وقت میں جب دلیل ابطال قول قوم پر وارد کی جائیگی تو
دلیل زیادہ قائم ہوگی اور فائدہ ستماع دلیل کامل تر ہوگا۔ اور ان چیزوں
میں سے جو اس وجہ مذکور کو قوی کرتے ہیں یہ ہے کہ خداوند عالم نے
دوسرے مقام پر بھی اسی طرح کا استدلال جناب ابراہیم علیہ السلام کی
زبانی نقل فرمایا ہے اور وہ وہاں جہاں ارشاد ہوا ہے کہ فنظر نظرۃ فی النجوم
فقال انی سقیم یعنی ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں کو دیکھ کر کہا کہ میں بیمار
ہوں فتولوا عنہ مدبرین جب انہوں نے یہ کہا تو قوم والوں نے انکی طرف
سے پیٹھ پھیر لی اور چلتے ہوئے اور یہ اس وجہ سے کہ وہ لوگ حوادث کے
وقوع پر علم نجوم سے استدلال کیا کرتے تھے جب جناب ابراہیم نے انہیں
کے مذاق پر تکلم فرمایا (کہ انکو ان کے قول کا یقین آ گیا) باوصفیکہ یہ
موافقت جناب ابراہیم ظاہری تھی باطن میں وہ ہرگز نجوم کو موثر نہیں سمجھتے
تھے انکا مقصود یہ تھا کہ وہ لوگ انکو تنہا چھوڑ کر چلے جائیں تو بتوں کے
توڑنے کا راستہ نکلے تو جب اس مقام پر قوم کی موافقت جائز ہوئی تو

ہمارے مسئلہ مجوث عنہا میں قوم کی موافقت کیوں نہ جائز ہوگی۔

یہ تمام تقریر فخر الدین رازی کی تقیہ کی تجویز بلکہ وجوب پر دال ہے اور انبیا کے لیے وجوب تقیہ ثابت کرتی ہے وہ بھی کلمہ کفر کے استعمال کے ساتھ تو ہم گروہ شیعہ نہ مرتبہ میں ان سے زائد ہیں نہ کمال نفسانی میں نہ مراتب تقرب الٰہی میں بلکہ لاکھوں درجہ ان سے کم ہیں جب ان کیلئے یہ عیب نہ ہو حالانکہ انکا دامن عصمت بے داغ تھا تو ہم ایسے امتی لوگوں کیلئے کیا عیب ہوگا بلکہ اس تقیہ کی وجہ سے ہم تابع سنن مرسلین ہوں گے۔ اب جہاں قرآن ہو انبیا کی نظریں ہو وہاں سعدی کا شعر دروغ اے بار درمگوز نیہار کیا کرسکتا ہے حالانکہ میں سعدی کی طرف سے قسم کھانے کو تیار ہوں کہ اس نے یہ مقام تقیہ میں ہرگز نہیں کیا۔

نہ ہر جائے مرکب توان تاختن کہ جاہا سپر بایدا انداختن

تاریخ مذاھب گواہ ھے کہ جتنے مظالم شیعہ مذھب والوں پر ڈھائے گئے

شاید ہی کسی مذہب کے ماننے والوں پر اتنے مظالم ڈھائے گئے ہوں۔ اس کے باوجود شیعہ زندہ ہیں، تابندہ ہیں اور زندہ و تابندہ رہیں گے۔ اس حقیقت کا راز یہ ہے کہ جیسے رہبر شیعوں کو ملے اس شان کے رہبر دنیا کے کسی دوسرے مذہب والوں کو نہیں ملے۔ اور ان عظیم رہبروں نے اتنا جامع اور ہمہ گیر قانون حیات شیعوں کو دیا کہ دنیا کے کسی مذہب کے پاس ایسا قانون نہیں۔ یہ قانون ہر حال میں زندگی بخش اور حیات آفریں قانون ہے۔ ظلم کے خلاف آواز اٹھانا بھی سکھاتا ہے اور ظالم کے سامنے اپنی ہمیت ظاہر نہ کر کے زندگی کی تعلیم بھی دیتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں انسان

کو مکمل تحفظ ملتا ہے۔ وہ قانون ہرگز انسان کے حق میں مفید نہیں ہوسکتا جو انسان کو تحفظ نہ دے سکے۔ یہ اور بات ہے کہ تحفظ کی نوعیتیں مختلف ہیں۔ جس طرح کبھی کبھی سر کٹا دینا تحفظ کے منافی نہیں ہوتا اسی طرح چہ بسا سر بچالینا تحفظ کا مصداق نہیں بن پاتا۔ اور یہ حقیقت آشکار بھی ہے اور مضمر بھی۔ اسلام کے ایسے ہی قوانین کے مجموعے میں سے ایک قانون کا نام تقیہ ہے۔ اور چوں کہ اسلام دین فطرت ہے لہذا تقیہ بھی قانون فطرت ہے۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ تقیہ کی مخالفت اسلام کی مخالفت ہے اسلام کی مخالفت کفر ہے۔

تعجب عوام پر نہیں بلکہ مسلمانوں کے ان دانشوروں پر ہے کہ جو تقیہ کا انکار کرنے والوں کو مورد الزام اور مقصر ٹھہرانے کے بجائے اس قانون فطرت کے ماننے والوں کو گمراہ خیال کرتے ہیں۔ اور وہ بھی صرف زبانی لن ترانیوں کے ساتھ ورنہ ان کی عملی زندگی میں قدم قدم پر تقیہ نظر آتا ہے۔ حتیٰ اپنے خاندانی معاملات تک میں وہ تقیہ پر عمل کرتے نظر آتے ہیں۔ چوں کہ فساد سے بچنے کا یہی ایک ذریعہ ہے۔ زیر نظر کتاب میں تقیہ کے ہر پہلو پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اصل کتاب میں اگر چہ تقیہ کو ایک فقہی قاعدے کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود تقیہ کے علل واسباب کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ اور بے موقع ومحل کی جانے والی الزام تراشیوں کا دفاع بھی کیا ہے۔ تاریخ وحدیث سے تقیہ کے متعدد نمونے پیش کئے گئے ہیں اور قرآن کی کئی آیات سے استدلال واستنباط کیا گیا ہے۔ اس کے باوجود میں کسی خوش فہمی کا شکار نہیں کہ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد تمام متعصب راہ راست پر آجائیں گے۔ البتہ وادی تحقیق کی پرخار راہوں پر سفر کرنے والے منزل کا پتہ پاسکتے ہیں۔ ایسے ہی افراد کی تنویر افکار کے لئے ہم تقیہ کے بارے میں مسلمانوں کے معتبر مفسرین کی آراء نقل کرتے ہیں۔

ا۔ فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں (**اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰةً ط**) کی تفسیر میں تقیہ کے متعدد احکام میں سے بعض کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔ اگر انسان کفار کے درمیان پھنس جائے اور جان کا خوف ہوتو زبانی طور پر مدارات کرسکتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ نہ صرف زبان سے دشمنی کا اظہار نہ

کرے بلکہ اس سے بالاتر ذومعنی الفاظ میں ان سے دوستی اور رفاقت کا اظہار کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ باطنی طور پر اس کے خلاف عقیدہ رکھتا ہو۔

اس کے بعد چوتھے حکم کے ذیل میں لکھتے ہیں:

ظاهر الآية يدل ان التقيته انما تحل مع الكفار الغالبين الا ان مذهب الشافعي رضي الله عنه ان الحالته بين المسلمين اذاشاكلت بين المسلمين والكافرين حلت التقيته محاماة على النفس.

آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ فقط غلبہ رکھنے والے کافروں سے تقیہ جائز ہے۔ لیکن شافعی کے نزدیک اگر مسلمانوں سے بھی جان کا خطرہ ہو تو تقیہ جائز ہے۔

پانچواں حکم

التقية جائزة لصون النفس، وهل هي جائزة لصون المال يحتمل ان يحكم فيها بالجواز لقوله صلى الله عليه وآله وسلم "حرمة مال المسلم كحرمة دمه" وبقوله (ص) من قتل دون ماله فهو شهيدا۔ (تفسیر فخر الدین رازی ۱۳/۸)۔ ترجمہ:۔ جان بچانے کے لئے تقیہ جائز ہے۔ لیکن آیا مال کی حفاظت کی خاطر بھی جائز ہے یا نہیں؟ احتمال یہ ہے کہ جائز ہو۔ اس لئے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: "مسلمان کی جان کی طرح اس کا مال بھی محترم ہے۔ اس کے علاوہ فرمایا، جو اپنے مال کے دفاع میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے۔

۲۔ زمخشری اسی آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں، خدا نے اس صورت میں کفار و مشرکین سے دوستی برقرار رکھنے کی چھوٹ دی ہے۔ جب ان سے جان کا خطرہ ہو۔ (تفسیر الکشاف ج۱ ص۴۲۲)۔

۳۔نسفی کی تفسیر میں ملتا ہے"الا ان تتقو امنھم تقاۃ "یعنی جب کافروں کوغلبہ حاصل ہواور مسلمانوں کو جان و مال کا خطرہ ہوتو ایسی صورت میں دوستی ظاہر کرنا اور دشمنی کو پوشیدہ رکھنا جائز ہے۔(تفسیر النسفی،حاشیہ تفسیر خازن ج ا ص ۲۷۷)۔

۴۔خازن لکھتے ہیں:۔صرف قتل ہوجانے سے بچنے کے لئے تقیہ جائز ہے۔بشرطیکہ مہیت مسالم ہو۔چون کہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے(تفسیر الخازن ج ا ص ۲۷۷)۔"الا من الکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان"۔سورہ ۱۶ آیۃ ۱۰۶۔

۵۔نیشاپوری"فلا تخشوھم واخشون "کے ذیل میں لکھتے ہیں۔اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خوف کی حالت میں تقیہ جائز ہے۔(تفسیر غرائب القرآن ج ۳ ص ۱۷۸)۔

۶۔خطیب شربینی کوملاحظہ فرمائیے۔"الا من اکرہ "یعنی جسے کفر کے اظہار پر مجبور کیا جائے اور وہ ایسا کرے۔"وقلبہ مطمئن بالایمان "۔اور اس کا دل ایمان سے سرشار ہو۔تو اس نے کچھ برا نہیں کیا۔اس لئے کہ ایمان کا مسکن دل ہوا کرتا ہے۔(تفسیر السراج المنیر ج ۲ ص ۲۶۳)۔

۷۔طبرسی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔"الا ان تتقوا منم تقاۃ "کے ذیل میں ابولعا۔۔۔رقمطراز ہیں۔تقیہ زبان سے ہوتا ہے عمل سے نہیں ہوتا۔

اس کے بعد اسی آیت کے ذیل میں ضحاک کا قول نقل کرتے ہیں۔ تقیہ زبان سے ہوتا ہے اگر کسی شخص کو ایسی بات کہنے پر مجبور کیا جائے جس میں خدا کی نافرمانی ہو اور وہ جان بچانے کیلئے کہہ دے۔"**وقلبہ مطمئن بالایمان** "۔مگر اس کا دل ایمان سے لبریز ہو تو وہ گنہگار نہیں۔(جامع البیان ج ۳ ص ۱۵۳)

۸۔حافظ ابن ماجہ لکھتے ہیں۔ایسی حالت میں تقیہ جائز ہے۔اس لئے کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے۔"**الا عن اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان**"۔(سنن ابن ماجہ ج۱ ص ۵۳)۔

۹۔اسی آیت کی تفسیر میں قرطبی لکھتے ہیں۔" حسن کا قول ہے تقیہ انسان کے لئے قیامت تک جائز ہے"۔(جامع احکام قرآن ج ۴ ص ۵۷)۔

اس کے بعد قرطبی کہتے ہیں۔"اہل عالم کا اتفاق ہے جس شخص کو کفر بکنے پر مجبور کیا جائے اور وہ" قتل سے بچنے کے لئے ظاہراً کافر ہو جائے لیکن اس کے دل میں ایمان ہو تو نہ وہ گناہ گار ہوگا اور نہ اس کی بیوی اس سے الگ ہوگی اور نہ اس کو کافر قرار دیا جائے گا۔یہ مالک شافعی اور کوفیوں کا قول ہے۔ (جامع حکام قرآن جلد۱۰ ص ۱۸۲)۔

۱۰۔اس آیت کی تفسیر میں اُلوسی لکھتے ہیں: آیت تقیہ کے شروع ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ (روح المعانی جلد۳ ص ۱۲)۔

۱۱۔جمال الدین قاسمی کا بیان ہے آیہ"**الا ان تتقوا منھم تقاۃ**" سے تمام آئمہ نے استنباط کیا ہے کہ خوف کے وقت تقیہ مشروع ہے۔ چنانچہ ابو ہریرہ ناقل ہیں کہ میں نے رسولؐ خدا

سے دو دعائیں یاد کی ہیں۔ ایک دعا کو میں نے تمام لوگوں کو بتا دیا ہے لیکن دوسری دعا کو نہیں بتایا اس لئے کہ اگر بتا دیتا تو میری گردن ماردی جاتی۔ (محاسن الثاویل جلد ۴ ص ۱۲، طبع مصر)

۱۲۔ مراغی نے اپنی تفسیر میں اس آیت کے ذیل میں رقم کیا ہے۔ مؤمنوں کو ہر حالت میں کافروں سے قطع روابط کرنا چاہیئے۔ لیکن اگر ان سے کسی قسم کا خوف ہو تو اس کا ازالہ تقیہ کے ذریعہ ضروری ہے۔ اس لئے کہ قاعدہ شرعیہ یہ ہے کہ نفع حاصل کرنے سے پہلے نقصانات کا ازالہ کرنا چاہیئے۔

لہذا جب نقصان سے بچنے کے لئے کافروں کے ساتھ دوستی کرنا جائز ہے تو تمام مسلمانوں کے منافع کے لئے بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔ دین اور دیانت کے پابند روشن فکر مسلمانوں سے یہ توقع ہے کہ اتنے حوالے اہل سنت کی تفاسیر میں ملاحظہ فرمانے کے بعد تقیہ کا بہانہ بنا کر حاصل السلام کے مختلف ماننے والوں کو برا بھلا نہیں کہیں گے۔ بلکہ ان کی روشن دلیلوں کے ذریعہ راہ حق اور صراط مستقیم پر چلنے کی کوشش کریں گے۔

ممکن ہے کہ بعض ذہنوں میں یہ غلط فہمی پیدا ہو جائے کہ یہ کتاب مرتب کرنے کا مقصد اہل سنت حضرات کو ان کے مذہب سے بدل کرنا ہے۔ اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے عرض ہے کہ کتاب کا مقصد کسی کے خلاف پروپیگنڈہ کرنا ہرگز نہیں بلکہ اس کا مقصد حق کو واضح کرنا ہے۔ "**لیھلک من ھلک عن بینۃ ویحیٰ من حییٰ عن بینۃ**"۔ صرف کتابیں پڑھ لینے سے کوئی شیعہ نہیں بن جاتا بلکہ "ق۴ **ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ** ط" (سورہ جمعہ) یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے اپنا فضل دے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل کا مالک ہے۔ وگرنہ جب یہ کتاب نہیں لکھی گئی تھی تب بھی لوگ شیعہ مذہب اختیار کرتے رہے ہیں اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے۔ ہماری

اس کتاب سے اصل غرض یہ ہے کہ علمائے اسلام اپنی فکری صلاحیتوں کو ان فروعی مسائل میں الجھا کر برباد نہ کریں بلکہ انھیں اپنے مشترکہ دشمن کے ظاہری اور باطنی ہتھکنڈوں سے بچنے کے لئے استعمال کریں۔ اسی طرح جو لوگ اہل تحقیق ہیں ان کو کھلی آزادی دیں تاکہ فتوؤں کے خوف سے بے خطر ہو کر وادی تحقیق میں قدم رکھیں اور اپنی قسمت کا فیصلہ خود کریں۔ خداوند متعال ہم سب کو دین اسلام اور بے چارے مسلمانوں کی حمایت میں اپنی فکری اور عملی توانائیوں کو صرف کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

جو مر گیا اور نہ بنا عارف امام زمانہ کا...... متفق الیہ

عقیدہ امامت

شیعت کی اصل بنیاد ہے؟

امابعد اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی کتاب میں ارشاد فرماتا ہے ۃ ۳۰ وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (سورۃ بقرہ آیت ۳۰) "اور جب تیرے پروردگار نے ملائکہ سے کہا یقیناً میں زمین پر خلیفہ قرار دینے والا ہوں" پس اللہ تعالیٰ نے خلقت انسانی سے پہلے خلافت کا آغاز کر دیا اور یہ دلالت کرتا ہے، کہ جو حکمت خلافت میں ہے وہ اس حکمت سے بالاتر ہے جو خلقت میں ہے۔ اسی لئے اس نے اسی سے آغاز کر دیا کیونکہ پاک وہ منزّہ ذات حکیم ہے اور حکیم وہ ہوتا ہے جو اہم سے ابتداء کرتا نہ کہ غیر اہم سے۔ اور یہ قول صادق آل محمدؐ حضرت امام جعفر بن محمد علیہم السلام کے فرمان کی تصدیق ہے جہاں ارشاد فرماتے "حجت خلق سے قبل، خلق کے ساتھ اور خلق کے بعد ہوتی ہے"۔ اور اگر خداوند عزوجل مخلوقات کو خلیفہ کے بغیر خلق فرمائے تو اس نے انہیں تلف کر

دیا اور ضیاع کا نشانہ بنایا۔ اور سفیہ کو اپنی سفاہت سے روکا نہیں۔

اس طرح سے کہ اسی کی حکمت تقاضا کرتی ہے کہ حدود قائم ہو جائیں اور مفسد سدھر جائے اور ایک لحظہ حکمت کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ حدود کو نافذ کرنے سے منہ پھیر لیا جائے۔ حکمت عمومیت رکھتی ہے جس طرح اطاعت عمومیت رکھتی ہے۔ جس نے یہ گمان کیا کہ دنیا لمحہ بھر کے لیئے بھی امام سے خالی رہ سکتی ہے اس پر یہ لازم آتا ہے کہ وہ براھمہ مذہب کی حقانیت کا اقرار کرلے وہ لوگ نبوت اور رسالت کے بطلان کے قائل ہیں۔ اور اگر قرآن میں یہ بات نہ ہوتی کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ خاتم الانبیاء ہیں تو ہر وقت کے لئے ایک رسول کا ہونا ضروری ہوتا۔ اور جب یہ بات مسلمہ ہوگئی تو آپ کے بعد کسی نبی اور رسول کے آنے کی بات ختم ہوگئی اور خلیفہ کی ضرورت کا تصور عقل میں باقی رہ گیا اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کی طرف دعوت نہیں دیتا جب تک انسانی عقل میں اس کے حقائق کو منعکس نہیں کرتا۔ اور اگر اس کے خدوخال کو متصور نہ کرے تو دعوت لا حاصل ہو جاتی ہے اور حجت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ ہر چیز اپنی شبیہ سے مانوس ہوتی ہے اور اپنے متضاد سے دور بھاگتی ہے۔ اس بناء عقل میں رسولوں کے انکار کا تصور ہوتا تو خداوند عالمین کبھی بھی کسی نبی کو مبعوث نہ فرماتا۔

اس کی مثال یوں ہے کہ ایک طبیب مریض کا اس کی مزاجی کیفیت سے مطابقت رکھنے والی چیز سے علاج کرتا ہے اور اگر کسی ایسی دواء سے اس کا علاج کرے جو اس کی طبیعت کے برخلاف ہو تو یہ چیز اس کی ہلاکت کا باعث بنے گی۔ پس معلوم ہوا کہ وہ احکم الحاکمین خدا بھی کسی سبب کی طرف دعوت نہیں دیتا مگر یہ کہ اس سبب کے لئے انسانی عقل میں ایک ثابت تصور موجود ہو۔ اور خلیفہ کے ذریعے خلیفہ کو منسوب کرنے والے کی نشاندہی ہو جاتی ہے جیسا کہ یہ عام و خاص

میں معمول ہے اور عرف میں یہ ثابت ہے کہ جب بھی کوئی بادشاہ کسی ظالم کو اپنا جانشین بنا لے لوگ اس جانشین کے مظالم سے اس کو مقرر کرنے والے کے ظالم ہونے پر استدلال کرتے ہیں اس کے برعکس اگر وہ جانشین عادل ہو تو اس کو منسوب کرنے والے کے عادل ہونے کو ثابت کرتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ خلافت الٰہیہ کے لئے عصمت کا ہونا ضروری ہے اور خلیفہ سوائے معصوم کے اور کوئی نہیں ہوسکتا کیونکہ جس کا خلیفہ وہ ہی بنا سکتا ہے۔

خلیفہ کی اطاعت کا وجوب

جب اللہ عزوجل نے آدمؑ کو زمین پر خلیفہ بنایا اور آسمان والوں پر ان کی اطاعت واجب قرار دی تو اہل زمین کے بارے میں اس سلسلے میں کیا خیال ہوسکتا ہے۔ اور جب اللہ عزوجل نے مخلوقات پر اپنے ملائکہ پر ایمان لانے کو واجب قرار دیا اور ملائکہ پر خلیفۃ اللہ کو سجدہ کرنے کو لازم قرار دیا پھر اس دوران جب ایک جن نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر ذلت وحقارت تباہی نازل کر دی اسے قیامت تک کے لئے خوار کر دیا اور اس پر لعنت نازل کر دی اس سے ہم امام کے رتبہ اور فضیلت سے واقف ہوئے۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے اپنے ملائکہ کو آگاہ کر دیا کہ وہ زمین پر خلیفہ قرار دینے والا ہے تو انہیں اس بات پر گواہ بنا دیا کیونکہ ان کا جاننا بذات خود گواہی ہے۔ پس اس کا لازمہ یہ ہے کہ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ مخلوقات کو خلیفہ چننے کا حق ہے تو اس کے خلاف اللہ کے ملائکہ سب کے سب گواہی دیں گے۔ اور گواہی کی عظمت معاملہ کی اہمیت اور عظمت پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ عام طور پر گواہ کے بارے میں یہ بات پائی جاتی ہے۔ پس کیسے اور کس طرح اللہ کے عذاب سے وہ شخص نجات پائے گا جو اس سلسلے میں اپنے آپ کو صاحب اختیار سمجھتا ہے۔ درحالیکہ اللہ کے ملائکہ اول سے آخر تک اس کے خلاف گواہی دے چکے ہیں اور اس کے برعکس اس بارے میں نص کا اتباع کرنے والا کیوں کر عذاب پائے گا جبکہ تمام ملائکہِ خدا نے اس کے حق میں گواہی دی ہے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ خلافت کا معاملہ قیامت تک باقی رہے گا اور جس نے یہ گمان کیا کہ خلیفہ سے اللہ تعالیٰ کی مراد نبوت ہے اس نے ایک لحاظ سے غلطی کی ہے کیونکہ اللہ عزوجل نے وعدہ کیا ہے کہ اس اُمت فاضلہ (برتر) سے رشد و ہدایت کرنے والے خلفاء کو اپنا جانشین بنائے گا جیسا کہ اس کا ارشاد ہے۔

ق۔۵۵ **وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ط يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا** (سورۃ نور آیت ۵۵) "جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان سے خدا کا وعدہ ہے کہ ان کو زمین پر جانشین بنائے گا جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا اور ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے مستحکم و پائیدار کرے گا اور ان کے خوف کو امن میں تبدیل کرے گا وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں گے۔ اور اگر خلافت کا معاملہ نبوت ہی ہوتا تو اس آیت کی رُو سے اللہ عزوجل پر واجب ہوتا کہ وہ محمد ﷺ کے بعد نبی مبعوث فرماتا اور اس صورت میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد صحیح نہ ہوتا کہ ق۔۴۰ **وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ** (سورۃ احزاب آیت ۴۰) اور (محمدؐ) تمام نبیوں کا خاتم ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ عزوجل کا وعدہ غیر نبوت کے بارے میں ہے اور ثابت ہوا کہ خلافت ایک صورت میں نبوت سے مختلف ہے اور کبھی کوئی غیر نبی خلیفہ بن سکتا ہے لیکن نبی سوائے خلیفہ کے نہیں ہوسکتا۔

ایک اور معنی یہ ہے کہ اللہ عزوجل اپنی مخلوقات کو آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دے کر منافق کے نفاق اور مخلص کے خلوص کو ظاہر کرنا چاہتا تھا جیسا کہ زمانہ اور خبر نے ان دونوں کے چہروں سے پردہ ہٹا دیا ان دونوں سے مراد خدا کے ملائکہ اور شیطان ہیں۔ اور اگر یہ معنی لئے جائیں کہ امام اور پیشوا کو چننے کا

اختیار اس کے سپرد کر دیا جاتا جس کے دل میں برائی اور کھوٹ ہے تو زمانہ اس کو بے نقاب نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ اس صورت میں منافق اسی کو چن لے گا جو اس کے نفس، اس کی اطاعت کرنے اور اس کے سامنے سجدہ ریز ہونے کی اجازت دیتا ہے۔ پس اس صورت میں یہ کیسے ممکن ہے کہ دلوں میں مخفی اور پوشیدہ نفاق، خلوص یا حسد اور دوسری پوشیدہ بیماریوں تک پہنچ جائیں۔ ایک اور بات یہ ہے کہ الفاظ اور کلمات متکلم اور مخاطب کے رہتے کے اعتبار سے برتری اور فضیلت حاصل کرتے ہیں۔ ایک آدمی کا اپنے غلام سے بات کرنا اس بات سے بالکل مختلف ہوتا ہے جو وہ اپنے مولا سے کرتا ہے۔ یہاں مخاطب اللہ عزوجل ہے اور سامعین اس کے ملائکہ اول سے آخر تک ہیں۔ اور عمومیت رکھنے والے ایک لفظ میں ایک عمومیت رکھنے والی مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے جس طرح ایک خصوصیت رکھنے والے لفظ کی مصلحت بھی خاص ہوتی ہے۔

اور عمومیت رکھنے والی شے کا ثواب اس چیز کے ثواب سے زیادہ عظیم ہے جو خاص ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر توحید پر ایمان لانا جو تمام مخلوقات خدا پر مشتمل ہے یہ فریضہ حج، زکوۃ اور شریعت کے دوسرے ابواب سے مختلف ہے کیونکہ یہ چیزیں خاص ہیں۔ پس اللہ عزوجل کا یہ ارشاد کہ "جب تمہارے پروردگار نے ملائکہ سے کہا بے شک میں زمین پر خلیفہ بنانے والا ہوں" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس میں توحید کے معانی میں ایک معنی مضمر ہے کیونکہ یہاں پر بھی لفظ کو عموم ہی لایا گیا ہے۔ اور جب ایک لفظ معنی میں دوسرے لفظ کے قریب ہو جائے تو اگر دونوں کے معنی ایک ہوں تو جو ایک لفظ کا لازمہ ہوگا وہ دوسرے کا بھی لازمہ ہوگا۔ یہاں اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ اس کی مخلوقات میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو اس کی وحدانیت کا اقرار کریں گے اور اس کی اطاعت کریں گے اور اس گروہ کے ایسے دشمن بھی ہوں گے۔ جو ان پر الزامات لگائیں گے اور ان کی حرمت کو پامال کریں گے اور خدائے عزوجل انہیں بزور اور جبراً روک لیتا تو خلقت کی حکمت پوری نہ ہوتی اور جبر و

اکراہ ثابت ہو جاتا اور یوں ثواب وعقاب اور عبادات کا تصور بھی باطل ہو جاتا۔

اور جب یہ صورت ناممکن ہوئی تو ضروری ہوا کہ وہ اپنے اولیاء اور دوستوں کا دفاع اس صورت سے کرے کہ جس سے عبادات اور ثواب کا تصور باطل نہ ہو جائے اور وہ صورت حدود کا قائم کرنا تھی۔ جیسے اعضاء کا قطع کرنا، پھانسی پر چڑھانا، قتل کرنا، قید کر دینا اور حقوق کو لے لینا۔ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ "سلطان اور حاکم جتنا قرآن منع کرتا ہے اس سے زیادہ منع نہیں کرتا۔ اور اس کی طرف اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ق۔۱۲ لَا اَنۡتُمۡ اَشَدُّ رَهۡبَةً فِىۡ صُدُوۡرِهِمۡ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ ۝ (سورۃ حشر آیت ۱۳) "(مومنوں) تمہاری ہیبت ان کے دلوں میں خدا سے بڑھ کر ہے" پس ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک خلیفہ منصوص کرے جو دشمنوں کے ہاتھوں کو اپنے دوستوں تک پہنچنے سے روک لے اور وہ اس طرح سے کہ اس کے ساتھ ولایت اور سرپرستی پر کوئی اعتراض نہ آئے کیونکہ ولایت اسے نہیں ملتی جس نے حقوق سے غفلت برتی ہو اور واجبات کو ادا نہ کیا ہو اور عقلی لحاظ سے اس کا معزول کرنا ضروری ہو۔ اور اللہ تعالیٰ ایسی بات سے بہت بلند و بالا ہے۔ اور خلیفہ ایک مشترک معنیٰ رکھنے والا اسم ہے اس لئے کہ اگر کوئی شخص ایک مسجد بنا لے اور اس میں اذان نہ دے بلکہ اس میں ایک شخص کو مؤذن معین کر لے تو یہ شخص مؤذن ہی کہلائے گا لیکن اگر اس میں کچھ دن خود اذان دے پھر اس میں ایک شخص کو مؤذن مقرر کر لے تو دوسرا شخص اس کا خلیفہ اور جانشین کہلائے گا۔

یہی صورت معقولات اور معارف کے بارے میں بھی جاری ہو جاتی ہے مثلاً جب صاحب دیوان خراج یہ کہے کہ یہ شخص میرا جانشین ہوگا تو وہ شخص صرف خراج کی وصولیابی میں اس کا جانشین ہوگا قاصد (کے ذریعے) اور ظلم سے لی جانے والی چیزوں کی وصولیابی میں نہیں۔ کہ یہی بات قاصد اور ظلم سے لی جانے والی چیزوں کے لینے والے کے بارے میں ہے۔ پس معلوم ہوا کہ

خلیفہ مشترک اسماء میں سے ہے۔ اور اللہ کی صفات میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنے دشمنوں کے مظالم کے سلسلے میں اپنے دوستوں کے لئے عدل و انصاف فراہم کرے۔ پس اس سلسلے میں اپنے خلیفہ کو اختیار سپرد کر دیا۔ اس بناء پر خلافت اور جانشینی کا معنیٰ اس منتخب پر اطلاق ہوا اور معبود اور الوھیت میں شریک ہونے کا معنیٰ درست نہیں۔ اور اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے کہا ق۔۷۵ **قَالَ یٰٓاِبۡلِیۡسُ مَا مَنَعَکَ اَنۡ تَسۡجُدَ لِمَا خَلَقۡتُ بِیَدَیَّ ط اَسۡتَکۡبَرۡتَ اَمۡ کُنۡتَ مِنَ الۡعَالِیۡنَ ہ** (سورۃ ص آیت ۷۵) "اے ابلیس کس چیز نے تجھے روکا کہ تو اس کو سجدہ نہ کرے جسے میں نے خلق کیا" اس کے بعد ارشاد ہوا **بیدی استکبرت** جس کو میں نے اپنے ہاتھ سے (پیدا کیا) تو نے تکبر کیا اور اس سے بہانہ اور عذر ختم ہو جاتا ہے۔ اور یہ وہم و گمان رفع ہو جاتا ہے کہ وہ ایسا خلیفہ ہے جو اللہ کی وحدانیت میں اس کا شریک بنا ہے۔

پس اللہ کا ارشاد یہ تھا کہ "تمہیں یہ معلوم ہونے کے بعد کہ اس کو اللہ نے خلق کیا ہے تو کس چیز نے سجدہ کرنے سے باز رکھا۔ اور پھر کہا **بیدی استکبرت** یہ لغت میں کبھی نعمت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور اس پر اللہ کی دو نعمتیں ایسی تھیں جس نے بہت سی نعمتوں کو سمیٹ لیا تھا۔ جیسا ارشاد رب العزت ہے۔ ق۔۲۰ **وَاَسۡبَغَ عَلَیۡکُمۡ نِعَمَہٗ ظَاھِرَۃً وَّبَاطِنَۃً** (سورۃ لقمان آیت ۲۰) "اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دیں۔ اور دو نعمتیں ایسی تھیں کہ انہوں نے اتنی نعمتوں کو اپنے اندر سمیٹ لیا کہ وہ ناقابل شمار ہیں۔ پھر اس پر طرز تحکم کو سخت کر لیا **بیدی استکبرت** جیسا کوئی کہنے والا کہتا ہے کہ تم میری ہی تلوار سے مجھ سے جنگ کرتے ہو۔ اور میرے تیر سے مجھ پر وار کرتے ہو۔ اور یہ طرز گفتار قبیح اور برا بھلا کہنے میں زیادہ بلیغ اور رسا ہے۔ پس اللہ عز و جل کا یہ ارشاد "اور جب تیرے پروردگار نے ملائکہ سے کہا میں زمین پر خلیفہ بنانے والا ہوں ایک متشابہ کلام ہے اور اس کی تشابہ کی ایک صورت یہ ہے کہ جاہ کے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ اللہ عز و جل

ان باتوں میں جو اس پر مشتبہ ہو جاتی ہیں اپنی مخلوق کے ساتھ مشورہ کرتا ہے اور صاحبِ دلیل جبکہ وہ اللہ کے افعال کے محکم ہونے اور اس کی جلالت پر دلیل رکھتا ہے کے نزدیک اللہ کی ذات اس سے بلند و بالا ہے کہ اس پر کوئی بات مشتبہ ہو جائے یا کوئی صورت اس کو عاجز بنا دے۔

کیوں کہ وہ ذات ایسی ہے کہ آسمانوں اور زمین پر کوئی شے اسے عاجز اور ناتواں نہیں کر سکتی۔ پس اس آیت متشابہ کو سمجھنے کی راہ وہی راہ ہے جو اس جیسی دوسری متشابہ آیات کے لئے متعین ہے یعنی ان کو محکم آیات کی طرف پلٹایا جائے گا جس سے یقین حاصل ہو جائے اور ناداں اور کفر والحاد کی طرف جانے والوں کے لئے کوئی بہانہ نہ رہے۔ پس اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "جب تیرے پروردگار نے ملائکہ سے کہا کہ میں زمین پر اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں" اس معنیٰ پر دلالت کرتا ہے کہ وہ انہیں ایک عظیم اطاعت جو توحید سے منسلک ہے کی طرف ہدایت کر رہا ہے۔ جس کے ذریعہ اللہ عزوجل سے ہر قسم کی خواہشات نفس کی پیروی، ظلم، حقوق کا ضائع ہونا اور ہر وہ چیز جس سے ولایت غیر صحیح ہو کی نفی ہو جائے۔ پس اس صورت میں حجت کامل ہو جاتی ہے اور کسی کے لئے حق سے غفلت برتنے کی صورت میں کوئی عذر اور بہانہ باقی نہیں رہتا۔

ایک اور بات یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ یہ جان لے کہ اس کا ایک بندہ اطاعتوں میں سے ایک چیز میں اپنی مرضی کے ساتھ عبادت کرتا ہے۔ تا کہ اس کے ذریعہ بندگی حاصل ہو اور ثواب کا مستحق ٹھہرے اور اللہ اس کے سلسلے میں چشم پوشی اختیار کرے۔ ایسی صورت میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ پھر تو مخلوقات اول سے آخر تک کے تمام حقوق کے سلسلے میں بھی اللہ تعالیٰ کی چشم پوشی کا امکان موجود ہے جبکہ اللہ اس چیز سے بلند و بالاتر ہے۔ پس حقوق اللہ اور حقوق العباد کے ذمہ دار کے لئے عظیم ثواب ہے اور جب کوئی غور و فکر کرنے والا اس پر فکر کرے گا اس کے بعض جزئیات تک پہنچ

جائے گا کیونکہ اس کی عظمت اور شان کی بلندی کی وجہ سے رب تک پہنچنا ناممکن ہے۔ اور ان میں سے ایک معنی جو اس کا ایک جزء ہے وہ یہ کہ امام عادل کے سبب سے چیونٹی، مچھر اور تمام حیوانات بھی سعادت سے ہمکنار ہو جاتے ہیں۔ اور اس پر دلالت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ق۔۱۰۷ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ہ (سورۃ انبیاء آیت ۱۰۷) "اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر عالمین کے لئے رحمت بنا کر" اور اس قول کی تائید کرتا ہے اللہ عزوجل کا یہ ارشاد جو حضرت نوحؑ کی داستان میں ہے ق۔۱۰ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ط اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ق۔۱۱ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ہ (سورۃ نوح آیت ۱۰-۱۱) "پس آپ نے کہا اپنے پروردگار سے مغفرت طلب کرو بے شک وہ بہت مغفرت کرنے والا ہے۔ وہ آسمان سے تم پر مینہ برسائے گا۔ اور مینہ اور بارش سے انسان اور ہر حیوان بہرہ مند ہوتا ہے۔

اور یہ اللہ کے دین کی طرف دعوت کرنے والے اور حق اللہ کی طرف ہدایت کرنے والوں کے سبب سے نازل ہوتا ہے۔ پس ثواب اور نوازش اپنی مقدار سے ہے اور عقوبت اور سزا بھی اس کے ساتھ عناد اور سرکشی کرنے والوں کے لئے اپنے حساب سے ہے۔ اسی لئے ہمارا عقیدہ ہے کہ امام کی احتیاج اس لئے ہے تاکہ کائنات باقی رہے۔ اس کتاب میں، میں نے اس معنی کی طرف اشارہ کرنے والی روایات کو باب میں نقل کیا ہے جس کا عنوان ہے "وہ سبب اور علت جس کی وجہ سے وجود امام کی طرف احتیاج ہے"۔ **خدائے عزوجل کے سوا کسی کو بھی خلیفہ چننے کا اختیار نہیں ہے۔**

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ق۔۳۰ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِيْفَةً (سورۃ بقرہ آیت ۳۰) "اور جب تیرے پروردگار نے ملائکہ سے کہا کہ میں زمین پر خلیفہ بنانے والا ہوں

یہاں "جاعل" پر تنوین ہے اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے مخصوص کر دیا ہے۔

اور اسی کے ساتھ اس کا ارشاد ہے ق۔۷۱ **اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ م بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ہ** (سورۃ ص آیت ۷۱) "اور میں گارے سے بشر بنانے والا ہوں" یہاں بھی "خالق" کو تنوین کے ساتھ لایا ہے اور اس کو اپنے لئے صفت قرار دیا ہے۔ اس بناء پر جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ وہ اپنے لئے **امام اور پیشوا انتخاب کرنے کا حق رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ پہلے گارے سے ایک بشر بھی پیدا کرے**۔ پس جب یہ چیز اس کے لئے ممکن نہیں ہے تو دوسرا بھی اس کے دائرہ اختیار سے باہر ہے۔ کیونکہ یہ دونوں ایک ہی منبع سے ہیں۔ ایک اور معنٰی یہ ہے کہ ملائکہ اپنی فضیلت، برتری اور عصمت کے باوجود امام کے انتخاب کے لئے اہلیت نہیں رکھتے یہاں تک کہ اس امر عظیم کو اللہ تعالیٰ ہی نے سرانجام دیا اور اس کے ذریعہ اپنی تمام مخلوقات پر یہ حجت قائم کر دی کہ دیکھو انتخاب امام میں تمہارے لئے کوئی سبیل اور راہ نہیں ہے۔

اس لئے ملائکہ کے لئے اپنے خلوص، صفا، وفاداری اور عصمت کے باوجود اس سلسلے میں کوئی راہ اور سبیل نہیں ہے۔ جبکہ آیات کثیرہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح کی ہے جیسا کہ اس کا ارشاد ہے ق۔۲۶ **وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ط بَلْ عِبَادٌ مُّکْرَمُوْنَ ہ** ق۔۲۷ **لَا یَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ یَعْمَلُوْنَ ہ** (سورۃ انبیاء آیت ۲۶۔۲۷) "بلکہ وہ مکرم بندگان ہیں قول میں اس پر سبقت نہیں لیتے اور اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں اور دوسری جگہ ارشاد ہے ق۔۶ **لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ہ** (سورہ تحریم آیت ۶) جو کچھ اللہ حکم دیتا ہے اس میں نافرمانی نہیں کرتے اور جو کچھ انہیں حکم دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ اور پھر انسان کے اندر نقص عقل اور نادانی اور جہالت کے ہوتے وہ کس طرح عظیم کام کو صحیح طور پر انجام دے سکتا ہے۔ دیکھئے امامت کے علاوہ احکام جیسے نماز، زکوۃ، حج وغیرہ کے سلسلے میں بھی اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز اس کی مرضی اور منشاء پر نہیں چھوڑی

ہے تو یہ کیوں کر ممکن ہے کہ وہ تمام احکام اور تمام حقائق کی جامع سب سے اہم چیز کو ان کے سپرد کر دے۔

ہر زمانہ میں ایک ہی خلیفہ کی ضرورت

اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں "خلیفہ" اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایک ہی خلیفہ ہوگا اور اس سے ان لوگوں کا یہ قول باطل ثابت ہو جاتا ہے جو بات کرتے ہیں کہ ایک ہی قوم میں کئی اماموں کا ہونا ممکن ہے۔ جبکہ اللہ نے صرف ایک ہی پر اکتفا کیا ہے۔ اور اگر ان لوگوں کی وہ دلیل صحیح ہوی جو چند اماموں کے ہونے پر انہوں نے قائم کی ہے تو اللہ تعالیٰ کبھی بھی ایک پر اکتفا نہ کرتا اور ہمارا دعویٰ ان کے دعویٰ کے مقابلہ میں ہے اور قرآن ہمارے دعویٰ کو ترجیح دے رہا ہے نہ کہ ان کے قول کو۔ اور اگر دو کلام ایک دوسرے کے مد مقابل میں ہوں اور قرآن سے تصدیق پانے والا قول ہی قابل تسلیم ہے۔

وجود خلیفہ کی ضرورت

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ۃ۔۳۰ وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (سورۃ بقرہ آیت ۳۰) "اور جب تیرے پروردگار نے ملائکہ سے کہا" جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو خطاب کیا ہے جہاں ارشاد فرماتا ہے ربک "یعنی ترے پروردگار نے" یہ بہترین دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اس معنیٰ کو آپ کی امامت میں قیامت تک جاری رکھنا چاہتا ہے۔ اس لئے زمین امت محمدیؐ کے لئے خدا کی حجت سے

کبھی خالی نہیں رہتی اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ کے اس قول میں **ربک** یعنی "تیرے پروردگار" کہنے کی کوئی حکمت اور مصلحت نہ ہوتی اور ضروری ہوتا کہ وہ لفظ **ربھم** یعنی ان (ملائکہ) کے پروردگار استعمال کرتا اور جو حکمت اللہ تعالیٰ گذشتہ نسلوں کے لئے اختیار کرتا ہے وہی حکمت بعد میں آنے والی نسلوں کے لئے بھی انتخاب کرتا ہے۔ اور اس کی حکمت اور مصلحت میں زمانے کے گزرنے اور گردش ایام کی وجہ سے تبدیلی نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ ذات عزوجل عدل وحکمت والی ہے اس کا اپنی کسی مخلوق کے ساتھ کوئی خاص نسبت اور رشتہ نہیں ہے اور وہ اس سے پاک اور منزہ ہے۔

عصمتِ امام کی ضرورت

اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد "اور جب تیرے پروردگار نے ملائکہ سے کہا بے شک میں زمین پر خلیفہ قرار دینے والا ہوں" کے لئے ایک معنی یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اپنا خلیفہ نہیں بناتا مگر اس کو جس کے باطن اور اندرون میں طہارت اور پاکیزگی ہو، تاکہ وہ خیانت سے دور رہے۔ کیونکہ اگر کسی ایسے کو انتخاب کرے جس کا اندرون پاک اور طاہر نہ ہو تو اس نے (نعوذ باللہ) اپنی مخلوقات کے ساتھ خیانت کی۔ جیسے اگر کوئی دلالی کرنے والا کسی تاجر کو کوئی قلی دیدے اور وہ قلی اس کے ساتھ خیانت کرے تو اس صورت میں دلالی خائن ہوگا پس کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ خیانت کرے جبکہ اس کا ارشاد ہے۔ اور اس کا قول حق ہے۔ ق۔۵۲ **ذٰلِکَ لِیَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَیْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ کَیْدَ الْخَآئِنِیْنَ ہ** (سورۃ یوسف آیت ۵۲) "بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کے مکر کو چلنے نہیں دیتا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کو یہ ادب تعلیم فرمارہا ہے اپنے اس قول کے توسط کہ ق۔۱۰۵ **اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰکَ اللّٰهُ ط وَلَا تَکُنْ لِّلْخَآئِنِیْنَ خَصِیْمًا ہ** (سورۃ نساء آیت ۱۰۵) "اور دغابازوں کی حمایت میں کبھی

بحث نہ کرنا پس کیوں کر اور کیسے ممکن ہے کہ وہ اس کام کو کر ڈالے جسے خود نہیں کرتا ہے۔ جبکہ اس نے یہود کو ان کے نفاق کے سبب سے برا بھلا کہا ہے۔

ارشاد فرمایا ہے۔ ۴۴ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ہ (سورۃ بقرہ آیت ۴۴) " کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے نفسوں کو بھلا دیتے ہو جبکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے " اور اللہ تعالیٰ کے قول میں " اور جب تمہارے پروردگار نے ملائکہ سے کہا " میں زمین پر خلیفہ قرار دینے والا ہوں " غیبت امام علیہ السلام کے بارے میں ایک محکم دلیل ہے اور وہ یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا " میں زمین پر خلیفہ قرار دینے والا ہوں " اس کلام کے ساتھ ایک چیز کو واجب قرار دیا اور وہ یہ ہے کہ سب کے سب اس کی اطاعت کے معتقد ہو جائیں۔ اور دشمن خدا " شیطان " نے اس لفظ سے نفاق کو اپنے دل میں جگہ دی اور اسے پوشیدہ رکھا یہاں تک کہ اسی کی وجہ سے وہ منافق بن گیا اور یہ تھا کہ جب بھی اس کی اطاعت کرنے کا حکم دیا جائے میں اس کی مخالفت کروں گا۔ پس اس کا نفاق بدترین نفاق تھا کیونکہ وہ پیٹھ پیچھے کا نفاق ہے۔ اس بناء پر وہ تمام منافقین میں سے زیادہ ذلیل وخوار ہو گیا۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے اپنے ملائکہ کو اس (خلافت قائم کرنے) کے بارے میں بتایا تو ان کے دلوں میں اس کی اطاعت پر اعتقاد تھا اور وہ اس کے مشتاق تھے اور اسی کو اپنے دل میں پنہاں کیے ہوئے تھے بالکل اس چیز کے متضاد جو شیطان اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھے۔

اس بناء پر ملائکہ کے رتبے اور درجات میں دسیوں گنا اضافہ ہو گیا جتنا دشمن خدا کو ذلت اور حقارت کی مذلت سے دوچار ہونا پڑا۔ پس پیٹھ پیچھے کی اطاعت اور اتباع زیادہ ثواب اور مدح و تعریف کا باعث ہے۔ کیونکہ ایسی اطاعت شبہ اور مغالطہ سے دور ہے۔ اور اسی لئے رسول خداؐ سے روایت ہے

کہ آپؑ نے فرمایا "جو شخص اپنے بھائی کے لئے اس کے پیٹھ پیچھے دعا کرے تو آسمان سے ایک فرشتہ اسے ندا دیتا ہے کہ تیرے لئے بھی اس کی مثل ہوگی۔

اور اللہ تعالیٰ نے تاکید کی ہے اپنے دین کی ایمان بالغیب پر اور کہا ہے الٓمٓ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ہ (سورۃ بقرہ آیت ۲۔۳) "(قرآن) ہدایت ہے متقین کے لئے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔" پس غیب پر ایمان لانا صاحب ایمان کے لئے عظیم ترین ثواب کا باعث ہے کیونکہ ایسا ایمان ہر قسم کے عیب و شک و شبہ سے خالی ہے اس لئے کہ خلیفہ کی بیعت اس وقت جب وہ سامنے ہو تو بیعت کرنے والے کے بارے میں یہ وہم و گمان ہوتا ہے کہ شاید یہ اس کی اطاعت کسی مفاد یا مال کی خاطر کر رہا ہے یا قتل وغیرہ کے خوف سے ایسا کر رہا ہے جیسا کہ دنیا والے اپنے اپنے بادشاہوں کی اطاعت اسی بناء پر کرتے ہیں جبکہ غیب پر ایمان لے آنا ان تمام باتوں سے محفوظ اور مبرا ہے اور ان جیسے عیبوں سے پاک ہے۔ اور اس بات پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے ۸۴ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَ كَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِیْنَ ہ ۸۵ فَلَمْ یَکُ یَنْفَعُهُمْ اِیْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ط سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ فِیْ عِبَادِهٖ ہ وَ خَسِرَ هُنَالِکَ الْكٰفِرُوْنَ ہ (سورۃ مومن آیت ۸۴۔۸۵) "پس جب انہوں نے ہمارے عذاب کو محسوس کیا تو کہنے لگے ہم خدائے یکتا پر ایمان لے آئے اور جس چیز کو اس کے ساتھ شریک بناتے تھے اس سے نا معتقد ہوئے لیکن جب وہ ہمارا عذاب دیکھ چکے تو ان کے ایمان نے ان کو کوئی نفع نہیں دیا" اور جب اطاعت گزار بندوں کو ایمان بالغیب حاصل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ملائکہ کو بھی ثواب سے محروم نہیں رکھا۔ روایت میں آیا ہے کہ فرشتوں سے اللہ تعالیٰ کا یہ کلام حضرت آدمؑ کی خلقت سے سات سو سال پہلے ہوتا تھا۔

اور اس مدت میں ملائکہ کو اطاعت کا ثواب اپنے اپنے حساب سے ملتا رہا ہے۔ اور اگر کوئی شخص اس روایت کا اور اس میں مذکورہ مدت کا منکر ہو جائے تو اس صورت میں اس کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ ایک لحہ کے لئے غیب کا قائل ہو جائے اور ایک لحہ بھی مصلحت اور حکمت سے خالی نہیں رہتا۔ اب جہاں ایک لحہ اور ساعت میں ایک حکمت اور مصلحت ہو وہاں دو لحوں اور دو ساعتوں میں دو حکمتیں ہیں اسی طرح لحات اور ساعات میں بہت سی حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہیں۔ اور جتنا وقت اور مدت میں اضافہ ہوتا جائے گا اتنا ہی ثواب میں اضافہ ہوتا جائیگا اور جتنا ثواب میں زیادتی ہوگی اتنا ہی اللہ کی رحمت سے پردے اٹھ جائیں گے اور اس کی عظمت اور جلالت پر دلالت کرے گی۔ اس بناء پر یہ روایت بالکل صحیح ہے کیونکہ اس میں حکمت اور ثواب کی تائید ہے اور حجت کی تبلیغ ہے۔

اور اللہ تعالٰی کے اس ارشاد میں اور جب تیرے پروردگار نے ملائکہ سے کہا میں زمین پر خلیفہ قرار دینے والا ہوں۔ کئی پہلوؤں اور صورتوں سے امام علیہ السلام کی غیبت پر دلائل موجود ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ وجود سے قبل کی غیبت اپنی نوعیت میں سب سے کامل غیبت ہے کیونکہ ملائکہ نے اس سے قبل کسی خلیفہ کو نہیں دیکھا تھا، لیکن ہم نے بہت سے خلفاء کو دیکھا ہے جن کے بارے میں قرآن نے ہمیں بتایا ہے اور روایت بھی متواتر ہیں جس سے یہ مشاہدہ کی صورت تک پہنچ چکی ہے۔ اور ملائکہ نے ایک کو بھی نہیں دیکھا تھا پس اس بناء پر اس وقت کی غیبت اپنی نوعیت میں سے سب سے اکمل و اعلیٰ تھی دوسری بات یہ ہے کہ وہ غیبت اللہ ہی کی طرف سے تھی اور موجودہ غیبت کا سبب اللہ کے دشمن ہیں۔ پس جب اس غیبت کی بناء پر جو کہ اللہ کی جانب سے تھی اس کے فرشتے اطاعت گزار اور عبادت گزار بن سکتے ہیں تو اس غیبت کے بارے میں جو کہ اللہ کے دشمنوں کی وجہ سے ہے کہ بارے میں کیسا گمان اور خیال ہونا چاہیئے۔

اور امام کی غیبت میں ایک خالص عبادت موجود ہے جبکہ اس غیبت میں موجود نہیں تھی اور یہ اس لئے کہ

امام غائب علیہ السلام اپنے حق کے سلسلے میں مغلوب، مجبور اور مزاحمت کے شکار ہیں جنہیں بزور مغلوب کیا گیا ہے اور دشمنان خدا کی طرف سے ان کے پیروکاروں پر خونریزی غارت، اموال، احکام الٰہی کا معطل کرنا، یتیموں پر ظلم وستم کرنا، صدقات کو تبدیل کرنا اور ان جیسے مظالم جو پوشیدہ نہیں ہیں ڈھائے جارہے ہیں۔ اور جو شخص آپ کی حجت اور ولایت پر ایمان لے آیا تو وہ آپؑ کے ساتھ اجر اور جہاد میں شریک ہے اور جس نے آپ کے دشمنوں سے بیزاری اور برائت کی۔ اور آپ کے دوستوں کے لئے آپؑ کے دشمنوں سے بیزاری اور برائت میں اجر وثواب ہے اور آپ کے دوستوں کی آپ سے دوستی اور ولایت کا اجر ملائکہ کے اپنے اس امام غائب جو عدم سے وجود میں نہیں آیا تھا پر ایمان لانے کے اجر سے بہت زیادہ ہے۔ اور اللہ نے حضرت آدمؑ کی خبر اس لئے دی تھی تاکہ ان کی توقیر اور تعظیم ہو جائے اور ملائکہ ان کی فرمانبرداری کریں اور ان کی اطاعت کا ارادہ کرلیں۔ اس کی مثال ہمارے پاس عرف عام میں یوں ہے کہ ایک بادشاہ اپنے دوستوں کے پاس ایک خط یا ایلچی اس پیغام کے ساتھ بھیجتا ہے کہ میں تمہارے پاس آنے والا ہوں تاکہ وہ لوگ اس کے استقبال کے لئے تیار ہو جائیں اور اپنے تحائف اس کے سامنے پیش کریں۔ اس طرح کہ اس کی خدمت کرنے میں کوتاہی کا ہر قسم کا عذر ان کے لئے باقی نہ رہے۔

اسی طرح اللہ عزوجل نے خلیفہ کی جلالت اور مرتبے کو آشکار کرنے کے لئے اس کے تذکرہ سے خلقت کی ابتداء کی۔ اب خلیفہ کا معاملہ بعد میں آنے والوں کے لئے بالکل ویسا ہی ہے جیسا پہلے والوں کے لئے تھا۔ پس جب بھی اس نے اپنے کسی خلیفہ کو اس دنیا سے اٹھایا اپنی مخلوقات کو اس کے بعد آنے والے خلیفہ کی پہچان ضرور کرائی۔ اور اس بات کی تصدیق اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے ق۔۱۷

اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّہٖ وَیَتْلُوْہُ شَاھِدٌ مِّنْہُ (سورۃ ھود آیت ۱۷)" بھلا جو لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے بینہ (روشن دلیل) رکھتے ہوں اور ایک گواہ اس کی جانب سے اس

کے بعد آئے گا۔" یہاں پروردگار کی طرف سے بینہ سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں اور وہ گواہ جو آپ ؐ کے بعد آئے گا سے مراد امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں اور اس کی دلیل اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے۔ ھ۔۱۷ وَ مِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا وَّ رَحْمَةً (سورۃ ھود آیت ۱۷) "اور اس سے قبل موسیٰ کی کتاب امام اور رحمت ہے" اور وہ کلام اور قول جو کتاب موسیٰ میں اس معنی پر مکمل طور پر دلالت کرتا ہے۔ یہ ہے ھ۔۱۴۲ وَ وٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّ اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً وَ قَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَ اَصْلِحْ وَ لَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ہ (سورۃ اعراف آیت ۱۴۲) "اور ہم نے موسیٰ سے تیس رات کی میعاد مقرر کی اور دس راتیں ملا کر اسے پورا کر دیا اور اس کے پروردگار کی چالیس رات کی میعاد پوری ہوگئی اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا میرے بعد تم میری قوم میں میرے جانشین ہو ان کی اصلاح کرتے رہنا اور شریروں کے راستے پہ نہ چلنا

عقیدہ امامت

خود شیعوں کی نظر میں

امامت سے مراد کیا ہے؟ اور امامت اصول دین میں ہے یا فروع دین میں؟

امامت کی تعریف کے سلسلہ میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے، اور اختلاف ہونا بھی چاہئے کیونکہ شیعہ نظریہ (جو کہ مکتب اہل بیت علیہم السلام کے پیروکار ہیں) کے مطابق امامت اصول دین میں سے ہے، جبکہ اہل سنت کے یہاں امامت کو فروع دین اور عملی احکام میں شمار کیا جاتا ہے اسی وجہ سے فریقین امامت کو ایک نگاہ سے نہیں دیکھتے لہذا اس کی تعریف الگ الگ کرتے ہیں اسی وجہ

سے ہم دیکھتے ہیں کہ سنی عالم دین، امامت کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:"أَلْاَمَامَۃُ رِیَاسَۃُ عَامَۃُ فِی أُمُورِ الدِّینِ وَالدُّ، خِلَافَۃُ عَنِ النَّبِیِ "پیغمبر اکرام ﷺ کی جانشینی کے عنوان سے دین و دنیا کے امور میں عام سرپرستی کا نام "امامت" ہے۔

اور اسلامی حکومت کی شکل میں پیغمبر اکرام ﷺ کی جانشینی کا عنوان (آنحضرت کی جانشینی یقینی حکومتی امور میں) رکھتی ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ ایسے امام کو لوگوں کی طرف سے منتخب کیا جا سکتا ہے۔ لیکن بعض حضرات نے امامت کی تعریف اس طرح کی ہے۔ "امامت یعنی پیغمبر اکرام کی طرف سے دینی احکام و قوانین نافذ کرنے اور دین کی محافظت کرنے میں جانشین ہونا، اس طرح کہ تمام امت پر اس کی اطاعت واجب ہو"۔ چنانچہ یہ تعریف بھی پہلی تعریف سے الگ نہیں ہے بلکہ مفہوم و معنی کے لحاظ سے تقریباً ایک ہی ہے۔ ابن خلدون نے بھی اپنی تاریخ [ابن خلدون] کے مشہور معروف مقدمہ میں امامت کی تعریف اسی طرح کی ہے۔ شیخ مفید (رحمتہ اللہ علیہ) کتاب "اوائل المقالات" میں عصمت کی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "وہ جو دینی احکام کے نافذ کرنے، حدود الٰہی کو قائم کرنے، شریعت کی حفاظت کرنے اور لوگوں کی تربیت کرنے میں پیغمبر اکرام ﷺ کے جانشین ہیں، ان کو (ہر گناہ اور خطا سے) معصوم ہونا چاہیئے جس طرح انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں۔

چنانچہ اس تعریف کے لحاظ سے امامت، حکومت و ریاست سے بالاتر ہے بلکہ انبیاء علیہم السلام کی طرح تمام ذمہ داریاں امام کی بھی ہوتی ہیں سوائے وحی کے، اسی وجہ سے جس طرح نبی کا

معصوم ہونا ضروری ہوتا ہے اسی طرح امام کو بھی معصوم ہونا ضروری ہے۔ (شرح تجرید قوشجی، صفحہ ۲۷۴) اسی وجہ سے شرح احقاق الحق میں شیعہ نقطہ نظریہ سے امامت کی تعریف یوں کی گئی ہے۔

"هِیَ مَنصَبٌ الٰهِیّ حَائزٌ لِجَمیعِ الشؤونِ وَالفَضَائلِ اَلّاَ النَّبوة و مایلازم تلک المرتبة السامیة" "امامت ایک الٰہی منصب اور خدا کی طرف سے ایک ذمہ داری کا نام ہے جو نبوت اور اس سے متعلق دوسرے امور کے علاوہ تمام بلند امور اور فضائل کو شامل ہے" چنانچہ اس تعریف کے مطابق "امام" خداوند عالم کی طرف سے پیغمبر اکرم ﷺ کے ذریعہ معین ہوتا ہے اور (مقام نبوت کے علاوہ) پیغمبر اکرم ﷺ کے تمام امتیازات وخصوصیات رکھتا ہے، اور اس کا کام دینی حکومت کی ریاست میں منحصر نہیں ہے، اسی دلیل کی بنا پر امامت اصول دین میں شمار ہوتی ہے نہ کہ فروع دین اور عملی فرائض میں۔

امامت اصول دین میں سے ہے یا فروع دین میں سے؟

مذکورہ بحث سے اس سوال کا جواب واضح ہو جاتا ہے، کیونکہ امامت کے سلسلہ میں نظریات مختلف ہیں، متعصب سنی عالم "فضل بن روزبہان"، "نہج الحق" (جس کا جواب "احقاق الحق" ہے) اس طرح کہتا ہے، اشاعرہ کے نزدیک امامت اصول دین میں سے نہیں ہے بلکہ فروع دین میں سے ہے اور اس کا تعلق مسلمانوں کے افعال اور اعمال سے ہے۔ (شرح قدیم تجرید، شمس الدین اصفہانی اشعری (توضیح بر شرح تجرید عقائد، تالیف سید ہاشم حسینی تہرانی صفحہ ۲۷۲ کی نقل کے مطابق، مقدمہ ابن خلدون، صفحہ نمبر ۱۹۱، اوائل المقالات، صفحہ ۴۷، طبع مکتبۃ الداوری) اس لحاظ سے اہل سنت کے دوسرے فرقوں میں بھی کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ ان سب کے یہاں امامت عملی فرائض میں شمار ہوتی ہے، اور یہ لوگوں کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ امام یا خلیفہ کا انتخاب کرلیں، صرف

مکتب اہل بیت علیہم السلام کے ماننے والے اور سنت کے بہت کم افراد جیسے قاضی بیضادی، اور ان کا اتباع کرنے والے، امامت کو اصول میں شمار کرتے ہیں۔

ان کی دلیل بھی واضح اور روشن ہے، کیونکہ ان کے نزدیک امامت ایک الٰہی منصب ہے، یعنی امام خدا کی طرف سے منصوب ہوتا ہے، جس کی ایک شرط معصوم ہونا ہے اور خدا کے علاوہ کوئی اس [کے معصوم ہونے] کو نہیں جانتا، اور آئمہ علیہم السلام پر ایمان رکھنا اسی طرح ضروری ہے جس طرح پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ پر ایمان رکھنا ضروری ہے کیونکہ امامت، نبوت کی طرح شریعت کا اصلی ستون ہے، لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ شیعہ، امامت کے سلسلہ میں اپنے مخالفوں کو کافر شمار کرتے ہوں، بلکہ شیعہ تمام اسلامی فرقوں کو مسلمان شمار کرتے ہیں، اور انہیں اسلامی برادر سمجھتے ہیں، اگر چہ امامت کے سلسلے میں ان کے ہم عقیدہ نہیں ہیں، اسی وجہ سے کبھی پنجگانہ اصول دین کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ پہلے تین اصول یعنی خدا، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ اور قیامت کو اصول دین شمار کرتے ہیں اور آئمہ علیہم السلام کی امامت اور عدل الٰہی کو اصول مذہب شمار کرتے ہیں۔ (احقاق الحق، جلد ۲، صفحہ ۳۰۰، (حاشیہ نمبر ایک)، احقاق الحق، جلد ۲، صفحہ ۲۹۴۔ دلائل الصدق، جلد ۲، صفحہ ۴، دلائل الصدق، جلد ۲، صفحہ ۸)

ہم اپنی اس گفتگو کو حضرت امام علی بن موسی الرضا علیہما السلام کی حدیث پر ختم کرتے ہیں جو امامت کے مسئلہ میں ہمارے لئے الہام بخش ہے، "امامت یعنی زمام دین، نظام مسلمین، دنیا کی صلاح اور مومنین کی عزت ہے، امامت، اسلام کی بنیاد اور بلند شاخیں ہیں، امام کے ذریعہ نماز روزہ، حج، زکوۃ اور جہاد کامل ہوتے ہیں، بیت المال میں اضافہ ہوتا ہے اور ضرورتمندوں کیلئے خرچ کیا جاتا ہے، احکام اور حدود الٰہی نافذ ہوتے ہیں امام ہی کے ذریعہ اسلامی ملک کے سرحدی علاقوں کی حفاظت ہوتی ہے۔ امام، حلال خدا کو حلال اور حرام خدا کو حرام شمار کرتا ہے (اور ان کو نافذ کرتا ہے)

حدود الٰہی کو قائم کرتا ہے، دین خدا کا دفاع کرتا ہے، اور اپنے علم و دانش اور وعظ و نصیحت کے ذریعہ لوگوں کو راہ خدا کی دعوت دیتا ہے۔ (اصول کافی ج۱ ص۲۰۰ اور تفسیر پیام القرآن ج۹ ص۱۸)

امامت کی بحث کب سے شروع ہوئی؟

واضح رہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ کے فوراً بعد ہی آپ کی خلافت کے سلسلہ میں گفتگو شروع ہوگئی تھی، چنانچہ ایک گروہ کا کہنا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے بعد کے لئے کسی کو خلیفہ یا جانشین نہیں بنایا ہے، بلکہ اس چیز کو امت پر چھوڑ دیا ہے لہٰذا امت خود اپنے لئے کسی رہبر اور خلیفہ کا انتخاب کرے گی، جو اسلامی حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لے اور لوگوں کی نمائندگی میں ان پر حکومت کرے، لیکن وفات رسول کے بعد نمائندگی کی صورت پیدا ہی نہیں ہوئی بلکہ چند اصحاب نے بیٹھ کر پہلے مرحلہ میں خلیفہ معین کرلیا اور دوسرے مرحلہ میں خلافت انتسابی ہوگئی، اور تیسرے مرحلہ میں انتخاب کا مسئلہ چھ لوگوں پر مشتمل ایک کمیٹی کے سپرد کیا گیا تاکہ وہ آئندہ خلافت کے مسئلہ کو حل کریں۔ چنانچہ اس طرز فکر رکھنے والوں کو "اہل سنت" کہا جاتا ہے۔

لیکن اس کے مقابل دوسرے گروہ کا کہنا تھا کہ پیغمبر ﷺ کے جانشین کو خدا کی طرف سے معین ہونا چاہیے، اور وہ خود پیغمبر اکرم ﷺ کی طرح ہر خطا اور گناہ سے معصوم اور غیر معمولی علم کا مالک ہونا چاہیے، تاکہ مادی اور معنوی رہبری کی ذمہ داری کو نبھا سکے، اسلامی اصول کی حفاظت کرے، احکام کی مشکلات کو برطرف کرے، قرآن مجید کے دقیق مطالب کی تشریح فرمائے اور اسلام کو دوام بخشے۔ اس گروہ کو "امامیہ" یا "شیعہ" کہتے ہیں اور یہ لفظ پیغمبر اکرم ﷺ کی مشہور معروف حدیث سے

اقتباس کیا گیا ہے۔ تفسیر الدر المنثور (جس کا شمار اہل سنت کے مشہور منابع میں ہوتا ہے) میں آیۂ شریفہ ﴿اولئک ھم خیر البریة﴾ کے ذیل میں جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے اس طرح نقل کیا ہے۔ "ہم پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت علی علیہ السلام تشریف لائے، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، یہ اور ان کے شیعہ روز قیامت کامیاب ہیں، اور اس موقع پر یہ آیۂ شریفہ نازل ہوئی۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ط ہ (سورۂ بینہ، آیت ۷، الدر المنثور، جلد ۶، صفحہ ۳۷۹ (ذیل آیہ ۷ سورۂ بینہ) حاکم نیشاپوری (یہ چوتھی صدی کے مشہور و معروف سنی عالم ہیں) بھی اسی مضمون کو اپنی مشہور کتاب "شواہد التنزیل" میں پیغمبر اکرام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مختلف طریقوں سے نقل کرتے ہیں جس کے راویوں کی تعداد ۲۰ سے بھی زیادہ ہے۔ منجملہ ابن عباس سے نقل کرے ہیں کہ جس وقت یہ آیۂ شریفہ **إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ط ہ** (سورہ بینہ آیت ۷) (سورہ نجم آیت ۶، ۷) نازل ہوئی تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا۔ **ھو انت و شیعتک** (اس آیت سے مراد آپ اور آپ کے شیعہ ہیں۔) (شواھد التنزیل، جلد ۲، صفحہ ۳۵۷)

ایک دوسری حدیث میں ابو برزہ سے منقول ہے کہ جس وقت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت فرمائی تو فرمایا **ھو انت و شیعتک یا علی** (وہ تم اور تمہارے شیعہ ہیں) (شواھد التنزیل، جلد ۲، صفحہ ۳۵۹) اس کے علاوہ بھی اہل سنت کے دیگر علماء اور دانشوروں نے بھی اس حدیث کو ذکر کیا ہے (جیسے صواعق محرقہ میں ابن حجر اور نور الابصار میں محمد شبلنجی نے) (صواعق محرقہ، صفحہ ۹۶، نور الابصار، صفحہ ۷۰، ۱۰۱، اس حدیث کے راویوں کی تعداد اور جن کتابوں میں یہ حدیث بیان ہوئی ہے اس سلسلہ میں مزید

معلومات کے لئے احقاق الحق، جلد سوم صفحہ ۲۸۷، اور جلد ۱۴ صفحہ ۲۵۸ کی طرف رجوع فرمائیں) لہٰذا ان تمام روایات کے پیش نظر خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے حضرت علی علیہ السلام کے پیروؤں کا نام "شیعہ" رکھا ہے، لیکن اس کے باوجود بھی بعض لوگ اس نام سے خفا ہوتے ہیں اور اس کو برا سمجھتے ہیں نیز اس فرقہ کو رافضی کے نام سے یاد کرتے ہیں، کیا یہ تعجب کا مقام نہیں کہ پیغمبر اکرمؐ تو حضرت علی علیہ السلام کے فرمانبرداروں کو "شیعہ" کہیں اور دوسرے لوگ اس فرقہ کو برے برے ناموں سے یاد کریں!!۔

بہر حال یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ لفظ شیعہ کا وجود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی وفات کے بعد نہیں ہوا بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کی زندگی میں ہی ہو چکا تھا اور آپ نے حضرت علی علیہ السلام کے دوستوں اور پیروؤں پر اس نام کا اطلاق کیا ہے، جو لوگ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کو خدا کا رسول مانتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ اپنی مرضی سے کلام نہیں کرتے بلکہ وہی کہتے ہیں جو وحی ہوتی ہے **﴿وما ینطق عن الھوی ☆ ان ھو الا وحی یوحی﴾** (تفسیر پیام قرآن، جلد ۹ صفحہ ۲۲) لہٰذا اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ فرمائیں کہ اے علیؑ آپ اور آپ کے شیعہ روز قیامت، کامیاب ہیں تو یہ ایک حقیقت ہے۔

اولوالامر سے مراد کون ہیں؟

جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے ۵۹ **یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ** (النساء ۵۹) اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ اور صاحبان امر کی اطاعت کرو جو تمہیں میں سے ہیں۔

یہاں پر یہ سوال اٹھتا ہے کہ اولوالامر سے مراد کون حضرات ہیں؟

اولوالامر کے بارے میں اسلامی مفسرین کے درمیان بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے، ذیل میں ہم اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

۱۔بعض اہل سنت مفسرین اس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ "اولوالامر" سے مراد ہر زمانہ اور ہر مقام کے حکام وقت اور بادشاہ ہیں اور اس میں کسی طرح کا کوئی استثنا نہیں ہے جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر حکومت کی پیروی کریں اگرچہ وہ مغل حکومت ہی کی کیوں نہ ہو، چاہے یزید یا استعماری کیوں نہ ہو۔

۲۔(صاحب تفسیر المناراور صاحب تفسیر فی ظلال القرآن وغیرہ اس بات پر عقیدہ رکھتے ہیں کہ اولوالامر سے مراد عوام، الناس کے نمائندے، حکام وقت، علماء اور صاحبان منصب ہیں، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ ان کا حکم اسلامی قوانین کے برخلاف نہ ہو)۔

۳۔بعض دیگر علما کے نزدیک اولوالامر سے معنوی اور فکری حکام یعنی علما اور دانشور مراد ہیں، ایسے دانشور جو عادل اور قرآن وسنت سے مکمل طور پر آگاہ ہوں۔

۴۔اہل سنت کے بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ اولوالامر سے مراد صرف ابتدائی چار خلفاء ہیں، ان کے علاوہ کوئی دوسرا اولوالامر میں شامل نہیں ہے لہٰذا ان کے بعد دوسرے زمانہ میں کوئی اولوالامر نہیں ہوگا۔

۵۔بعض دوسرے مفسرین نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب اور ان کے ناصروں کو اولوالامر مانا ہے۔

۶۔بعض مفسرین نے ایک یہ بھی احتمال دیا ہے کہ اولوالامر سے مراد اسلامی لشکر کا سردار ہے۔

۷۔تمام شیعہ مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ اولوالامر سے مراد "(معصومین علیھم السلام) ہیں جن کو خدا اور رسول کی طرف سے اسلامی معاشرے میں مادی اور معنوی رہبر کی ذمہ داری عطا کی گئی ہے، ان کے علاوہ کوئی دوسرا شخص اولوالامر میں شامل نہیں ہے، البتہ جو افراد ان کی طرف سے منصوب کئے جاتے ہیں اور اسلامی معاشرہ میں ان کو کوئی عہدہ دیا جاتا ہے تو معین شرائط کے ساتھ ان کی اطاعت بھی لازم ہے، البتہ اولوالامر کے عنوان سے نہیں بلکہ ان کی اطاعت اس لئے ضروری ہوتی ہے کہ وہ الو الامر کے نائب اور نمائندے ہوتے ہیں۔

اب ہم یہاں مذکورہ تفاسیر کے سلسلہ میں تحقیق وتنقید کرتے ہیں

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ پہلی تفسیر کا آیت کے مفہوم اور تعلیمات اسلامی سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور یہ بات ممکن نہیں ہے کہ کوئی بھی حکومت، خدا اور رسولؐ کے برابر قرار دے دی جائے اور اس کی اطاعت کی جائے اور اس میں کسی بھی طرح کی کوئی قید وشرط نہ ہو، اسی وجہ سے شیعہ مفسرین کے علاوہ خود اہل سنت کے مفسرین نے اس پہلی تفسیر کو قبول نہیں کیا ہے دوسری تفسیر بھی آیۂ شریفہ سے ہم آہنگ نہیں ہے، کیونکہ آیت میں اولوالامر کی اطاعت کو بغیر کسی قید وشرط کے واجب قرار دیا گیا ہے۔ تیسری تفسیر یعنی جس میں عادل اور قرآن وسنت سے واقف علماء او دانشو روں کو اولوالامر قرار دیا گیا ہے، وہ بھی آیت کے اطلاق سے ہم آہنگ نہیں ہے، کیونکہ علماء اور دانشو روں کی پیروی کی شرط یہ ہے کہ ان کا حکم قرآن وسنت کے برخلاف نہ ہو لہٰذا اگر وہ کسی خطا کے مرتکب ہو جائیں (کیونکہ وہ معصوم تو ہیں نہیں ان سے خطا ہو سکتی ہے) یا کسی دوسری وجہ کی بنا پر حق سے منحرف ہو جائیں تو پھر ان کی طاعت ضروری نہیں ہے۔

لیکن آیۂ شریفہ میں اولوالامر کی اطاعت کو مطلق اور پیغمبر اکرمؐ کی طرح ضروری قرار دیا گیا ہے، اس کے علاوہ علماء اور دانشور افراد جنہوں نے قرآن وسنت سے احکام حاصل کئے ہیں ان کی اطاعت خدا اور رسولکی اطاعت ہوگی، اور الگ سے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ چوتھی تفسیر (جس میں چاروں خلفا ہی کو اولوالامر قرار دیا گیا) کا مطلب یہ ہے کہ آج مسلمانون کے درمیان کوئی اولوالامر نہ ہو، اس کے علاوہ اولوالامر کو چاروں خلفا سے مخصوص کرنے پر بھی کوئی دلیل نہیں ہے۔ پانچویں اور چھٹی تفسیر یعنی صحابہ اور سرداران لشکر سے مخصوص کرنے میں بھی یہی مشکل ہے، یعنی ان لوگوں سے مخصوص کرنے پر بھی کوئی دلیل نہیں ہے۔ بعض علماء اہل سنت جیسے مصر کے مشہور ومعروف دانشور "شیخ محمد عبدہ" نے مشہور ومعروف مفسر "فخر الدین رازی" کی پیروی کرتے ہوئے دوسرے احتمال (کہ اولوالامر سے مراد، عوام الناس کے نمائندے، حاکم وقت، علماء اور صاحب منصب افراد ہیں، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ ان کا حکم اسلامی قوانین کے برخلاف نہ ہو) میں چند شرائط کا اضافہ کرتے ہوئے قبول کیا ہے۔

ان میں سے ایک شرط یہ بیان کی ہے کہ حاکم وقت مسلمان ہو (جیسا کہ لفظ "**منکم**" سے نتیجہ نکلتا ہے) اور اس کا حکم قرآن اور سنت کے برخلاف نہ ہو، مزید یہ کہ اس کا حکم اپنے اختیار سے ہو نہ کہ اس نے مجبوری کی حالت میں حکم دیا ہوا اور یہ کہ مسلمانوں کی فلاح وبہبود کے لئے حکم کرے، نیز ایسے مسائل میں حکم کرے جس میں دخالت کا حق رکھتا ہو (نہ عبادت جیسی چیزوں میں کہ جس کا حکم اسلام میں معین ہے) مزید یہ کہ جس مسئلہ میں حکم کر رہا ہو اس میں شریعت کی طرف سے کوئی خاص نص موجود نہ ہو، ان تمام چیزوں کے علاوہ اتفاقی طور پر نظریہ دے [یعنی ایسا نہ ہو کہ ایک حاکم کچھ کہہ رہا ہے تو دوسرا کچھ]۔

اور چونکہ یہ لوگ اس بات پر عقیدہ رکھتے ہیں کہ تمام امت یا امت کے تمام نمائندے خطا اور غلطی نہیں کر سکتے، یعنی معصوم ہوتے ہیں، اوران شرائط کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسا حکم جس میں کوئی قید و شرط نہ ہو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی اطاعت کی طرح ہو جاتا ہے، (جس کا نتیجہ "اجماع" کو حجت ماننا اور اس کو قبول کرنا ہے) لیکن اس تفسیر پر بھی بہت سے اعتراضات ہیں، کیونکہ:

۱۔ اجتماعی مسائل میں بہت ہی کم مقامات پر اتفاق ہوتا ہے جس کی بنا پر امت مسلمہ کے اکثر امور میں ہمیشہ ایک بے نظمی باقی رہے گی، اور اگر لوگ اکثریت کے نظریہ کو قبول کرنا چاہیں تو اس پر اعتراض یہ ہے کہ اکثریت معصوم نہیں ہے بلکہ پوری امت کا اجماع معصوم ہے، للہٰذا ان میں سے کسی ایک کی بھی اطاعت ضروری نہ ہوگی۔

۲۔ علم اصول میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ بغیر امام معصوم کے "تمام امت" کے معصوم ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے، [اگر امام معصوم اجماع میں شامل نہ ہو تو اس اجماع کا کوئی فائدہ نہیں ہے]

۳۔ اس تفسیر کے حامیوں کی ایک شرط یہ تھی کہ ان کا حکم قرآن وسنت کے برخلاف نہ ہو لیکن قرآن وسنت کے خلاف ہے یا نہیں اس کو دیکھنے کی ذمہ داری کس پر ہوگی، تو یہ ذمہ داری مجتہد اور قرآن وسنت سے آگاہ علماء کی ہوگی، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مجتہدین اور علماء کی اجازت کے بغیر اولوا الامر کی اطاعت جائز نہ ہوگی، بلکہ علماء کی اطاعت اولوا الامر سے بلند ہوگی جبکہ یہ نظریہ بھی آیت سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ انہوں نے علماء اور دانشوروں کو بھی اولوا الامر میں شمار کیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس تفسیر کی بنا پر علماء اور مجتہدین کا مرتبہ ان نمائندوں سے بلند ہوگا نہ کہ ان کے ہم پلہ، کیونکہ علماء دانشور حضرات اولوا الامر کیا امور کے نگران ہیں کہ کہیں ان کے نظریات قرآن وسنت کے مخالف تو نہیں ہیں، للہٰذا وہ ان سے بلند مرتبہ پر فائز ہیں جو کہ مذکورہ تفسیر سے ہم آہنگ نہیں ہے۔

لہٰذا مذکورہ تفسیر پر متعدد اعتراض ہوئے ہیں۔

صرف ساتویں تفسیر مذکورہ اعتراضات سے خالی ہے یعنی اولوالامر سے مراد آئمہ معصومین علیہم السلام ہے، کیونکہ یہ تفسیر مذکورہ آیت میں موجودہ وجوب اطاعت کے اطلاق سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہیں کیونکہ "عصمت" ان کو ہر طرح کی خطاؤ غلطی سے محفوظ رکھتی ہے، اسی لئے امام کا حکم پیغمبر اکرم صلى الله عليه وآله وسلم کے حکم کی طرح بغیر کسی قید و شرط کے واجب الاطاعت ہے، اور انہیں آنحضرت صلى الله عليه وآله وسلم کی اطاعت کی صف میں قرار دیا جانا مناسب ہے، جیسا کہ لفظ "اطیعوا" کی تکرار کے بغیر "رسول" پر عطف ہوا ہے۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ اہل سنت کے بعض مشہور و معروف علماء جیسے فخر الدین رازی نے مذکورہ آیت کے ذیل میں اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے، جیسا کہ موصوف تحریر کرتے ہیں۔ "خداوند عالم نے جس کی اطاعت کو قاطعانہ اور بغیر چون و چرا کے لازم اور ضروری قرار دیا ہے اس کا معصوم ہونا ضروری ہے، کیونکہ خطا اور غلطی سے معصوم نہ ہو، اور گنا ہوں کے وقت خدا اس کی اطاعت کو لازم قرار دے اور خطا کی صورت میں بھی اس کی پیروی لازم ہو تو یہ تو خداوند عالم کے حکم میں تضاد اور ٹکراؤ ہوگا، کیونکہ ایک طرف تو خداوند عالم نے کسی کام کو ممنوع قرار دیا ہے اور دوسری طرف "اولوالامر" کی پیروی لازم قرار دی ہے، لہٰذا یہاں "امر" اور "نہی" دونوں جمع ہو جائیں گے، [یعنی ایک طرف خدا کہہ رہا ہے کہ اس کام کو انجام دو، دوسری طرف اسی کام سے روک بھی رہا ہے] ایک طرف خداوند عالم اولوالامر کی اطاعت کا مطلق طور پر حکم دے رہا ہے، دوسری طرف اگر اولوالامر معصوم نہ ہو اور خدا اس کی اطاعت کا حکم دے تو یہ حکم صحیح نہیں ہے۔

اس مقدمہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مذکورہ آیت میں جس اولوالامر کی طرف اشارہ کیا گیا اس کا معصوم ہونا ضروری ہے۔ اس کے بعد فخر الدین رازی تحریر کرتے ہیں کہ یہ معصوم یا تو تمام

امت ہے یا امت کے کچھ افراد ہیں، دوسرا احتمال صحیح نہیں ہے، کیونکہ ہم امت کے ان بعض افراد کو پہنچائیں اور اس تک رسائی ممکن ہو، جبکہ ایسا نہیں ہے، (یعنی وہ معصوم کون ہے ہمیں معلوم نہیں ہے) اور جب یہ احتمال رد ہو جاتا ہے تو صرف پہلا احتمال باقی رہتا ہے کہ پوری امت معصوم ہے، اور یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ امت کا اجماع اور اتفاق حجت قابل قبول ہے، اور یہ بہترین دلیل ہے۔

(تفسیر کبیر فخر رازیؒ جلد ۱۰، صفحہ ۱۴۴، طبع مصری ۱۳۵۷ھ ش) [قارئین کرام] جیسا کہ آپ حضرات جانتے ہیں کہ فخر رازی مختلف علمی مسائل پر اعتراضات کرنے کے شوقین ہیں یہاں مذکورہ آیت میں اولوالامر کے معصوم ہونے کو قبول کرتے ہیں، لیکن مکتبِ اہل بیتؑ اور آئمہ علیہم السلام سے آشنائی نہ رکھنے کے سبب اس احتمال سے چشم پوشی کر لیتے ہیں کہ امت کے معین حضرات اُولوالامر ہیں، اور مجبوراً اولوالامر کے معنی تمام امت (یا عام مسلمانوں کے نمائندے) مراد لیتے ہیں، جبکہ یہ احتمال قابل قبول نہیں ہے کیونکہ ہم نے پہلے بھی عرض کیا کہ اولوالامر اسلامی معاشرہ کے لئے رہبر ہے اور اسلامی حکومت نیز امت مسلمہ کی مشکلات کے فیصلے اسی کے ذریعہ ہوئے ہیں، جبکہ ہم یہ بات بھی جانتے ہیں کہ تمام حکومتی عہدہ داروں میں اتفاق ہونا ممکن نہیں ہے، کیونکہ مسلمانوں کو درپیش اجتماعی، سیاسی ثقافتی، اخلاقی اور اقتصادی مسائل میں سب لوگوں کا اک ہونا غالباً ممکن نہیں ہے، اور اکثریت کی پیروی اولوالامر کی پیروی شمار نہیں ہوگی، لہٰذا فخر الدازی اور ان کی پیروی کرنے والے معاصرین کے عقیدہ کا لازمہ یہ ہوگا کہ اولوالامر کی اطاعت کی جگہ باقی نہ رہے اور صرف استثنائی صورت اختیار کر لے۔ ہماری تمام باتوں کا خلاصہ یہ ہوا کہ آیہ شریفہ صرف ان معصوم حضرات کی رہبری کو ثابت کرتی ہے جو امت کا ایک حصہ ہیں۔ (غور کیجئے)

آپکے اعتراضات اور ان کے جوابات

مذکورہ تفسیر پر کچھ اعتراضات ہوئے ہیں، جن کو ہم بغیر طرفداری کے بیان کرتے ہیں۔

ا۔اگر "اولوالامر" سے مراد آئمہ معصومین علیہم السلام ہوں تو چونکہ لفظ "اولی" جمع کا صیغہ ہے، لہٰذا آیت سے ہم آہنگ نہیں ہے، کیونکہ ہر زمانہ میں امام معصوم صرف ایک ہوتا ہے۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ہر زمانہ میں امام معصوم ایک سے زیادہ نہیں ہوتا لیکن ہر زمانہ میں ایک ہی امام ہوتا ہے اس کے بعد دوسرا امام، تا آخر، اور ہم جانتے ہیں کہ آیہ شریفہ ہر زمانہ کے افراد کو امام کی اطاعت کے لئے حکم دے رہی ہے۔

۲۔اس معنی کے لحاظ سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اولوالامر موجود نہیں تھے، تو پھر کس طرح ان کی اطاعت کا حکم دیا گیا؟

اس اعتراض کا جواب بھی مذکورہ جواب سے واضح اور روشن ہو جاتا ہے کیونکہ آیہ شریفہ کسی خاص زمانہ سے مخصوص نہیں ہے۔ لہٰذا ہر صدی کے مسلمانوں کا وظیفہ معین کرتی ہے، اور دوسرے الفاظ میں یوں کہیں کہ خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اولوالامر تھے، کیونکہ اس وقت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس دو منصب تھے ایک منصب "رسالت" جیسا کہ آیہ شریفہ میں "**اطیعو الرسول**" آیا ہے، دوسرے "امت اسلامی کی رہبری اور سرپرستی" اس آیت میں "اولوالامر" سے یاد کیا گیا ہے، اس بنا پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں معصوم رہبر اور پیشوا خود آنحضرتؐ تھے، یعنی منصب رسالت اور احکام اسلام کی تبلیغ کے علاوہ اس منصب پر بھی فائز تھے، اور شاید "رسولؐ" اور "اولوالامر" کے درمیان "**اطیعو**" کی تکرار نہ ہونا اس بات کی طرف اشارہ ہے دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ منصب "رسالت" اور منصب "اولوالامر" دو مختلف منصب ہیں جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ایک ساتھ جمع تھے، لیکن امام کے سلسلہ میں جدا مسئلہ ہے اور امام صرف دوسرا منصب رکھتا ہے۔

۳۔ اگر "اولوالامر سے" مراد آئمہ معصومین اور معصوم رہبر ہوں تو درج ذیل آیہ شریفہ میں مسلمانوں کے اختلاف کی صورت میں صرف خدا اور رسول کی طرف جوع کرنے کا حکم کیوں دیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے،

ن۔۵۹ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ط ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا

"پھر اگر آپس میں کسی بات میں اختلاف ہو جائے تو اُسے خدا اور رسول کی طرف پلٹا دو، اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھنے والے ہو، یہی تمہارے حق میں خیر اور انجام کے اعتبار سے بہترین بات ہے"

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا کہ اس آیت میں اولوالامر کی بات نہیں کی گئی ہے، اور اختلاف دور کرنے کے لئے صرف خدا اور رسول کی طرف رجوع کرنیکا حکم دیا گیا ہے، یعنی کتابِ خدا (قرآن مجید) اور سنت پیغمبر کے ذریعہ اختلاف حل کیا جائے گا۔ اس سوال کے جواب میں ہم عرض کرتے ہیں کہ اولاً یہ اعتراض شیعہ مفسرین پر نہیں ہے بلکہ اگر ذرا غور کریں تو دوسری تفسیروں پر بھی یہی اعتراض وارد ہوتا ہے، اور دوسرے یہ کہ اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ مذکورہ آیت میں اختلاف اور تنازع سے مراد احکام کا اختلاف ہے، مسلمانوں کی رہبری اور حکومت کے جزئی مسائل کا اختلاف مراد نہیں ہے، کیونکہ ان مسائل میں قطعی طور پر اولوالامر کی اطاعت ہونی چاہئے (جیسا کہ آیت کے پہلے فقرہ میں بیان ہوا ہے) لہٰذا اختلاف سے مراد اسلام کے عام قوانین اور احکام کا اختلاف مراد ہے جس کا جواز خدا اور پیغمبر سے مخصوص ہے، کیونکہ امام صرف احکام کا نافذ کرتا ہے، احکام کو وضع نہیں کرتا، اور نہ ہی اسلام

کے کسی قانون کو نسخ کرتا، بلکہ ہمیشہ احکام خدا اور سنت پیغمبر کو نافذ کرتا ہے، اور اسی وجہ سے اہل بیت علیہم السلام سے منقول احادیث میں بیان ہوا ہے کہ اگر [کسی راوی کے ذریعہ] ہم سے کوئی بات کتاب خدا اور سنتِ پیغمبر کے برخلاف سنو تو اس کو ہرگز قبول نہ کرو، کیونکہ ہمارے لئے قرآن اور سنتِ پیغمبر کے برخلاف حکم کرنا محال اور ناممکن ہے۔

مختصر یہ کہ احکام اور اسلامی قوانین لوگوں کے اختلاف کو حل کرنے کا پہلا مرجع خدا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، کیونکہ پیغمبر پر وحی ہوتی ہے، اور اگر امام معصوم کوئی حکم بیان کرتا ہے تو وہ اپنی طرف سے نہیں، بلکہ قرآن کریم یا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل ہوئے علم کی بنا پر ہوتا ہے، لہٰذا اختلاف حل کرنے والوں کی صف میں اولوالامر کرذ کر نہ کرنے کی وجہ روشن ہو جاتی ہے۔

شیعہ سُنی کا افتراق عقیدہ امامت

جبکہ ہمارے لئے یہ ثابت کرنا بہت آسان ہے کہ جماعت حکومت کا جس کو عرف عام میں اہلسنت و جماعت کہتے ہیں۔ یہ عقیدہ ہے کہ جناب رسولِ خدا نے کسی کو نہ حضرت علیؑ کو اور نہ حضرت ابو بکرؓ کو اپنا جانشین اور اپنے بعد اُمت کا رہنما و ہادی مقرر نہیں کیا۔ سقیفہ بنی ساعدہ کا اجلاس اس عقیدہ کی بین دلیل ہے۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعہ کی وجہ ہی سے اور اس کی جوازیت قائم رکھنے کے خیال سے یہ عقیدہ ایجاد کیا گیا ہے۔ ورنہ امر واقعہ ان لوگوں سے چُھپا ہوا نہ تھا۔ اپنی حکومت کو متحکم و مستقل کرنے اور اس کو جوازیت کا جامہ پہنانے کے لئے سب سے پہلے یہ ضروری تھا کہ لوگوں کے دلوں میں سے یہ خیال نکال دیں کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ مقرر کر دیا تھا۔ یہ کہتے تو کس منہ سے کہتے اور مانتے کون۔ علاوہ اس کے سقیفہ بنی ساعدہ کے ہنگامے کی بنیاد یں جس کے پلیٹ فارم پر حکومت کی کرسی ٹھہری ہوئی تھی متزلزل ہو جائیں۔ اس اجتماع کا واحد مقصد جناب رسول

اکرمؐ کا جانشین منتخب کرنا تھا اور اگر آنحضرتؐ نے پہلے ہی سے ایک خلیفہ مقرر کر دیا تھا تو یہ اجماع بے معنی ہو جاتا ہے جیسا کہ ثقیفہ کے اجتماع کا منشور تھا ایک خلیفہ ہم میں سے ہو، اور ایک تم میں سے ہو، او ایک حاکم ہو، ایک وزیر ہو، وہ ہو، وہ نہ ہو، کون ہو کیوں ہو، حضرت ابو بکر کا حضرت عمر و حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کو خلافت کیلئے پیش کرنا۔ ان کا کہنا نہیں آپ ہوں، یہ سب بے معنی ہو جاتے ہیں اس گروہ کے امام اعظم حضرت امام غزالی اپنی مشہور کتاب احیاء العلوم کی جلد اوّل رکن رابع صہ ۸۶ میں لکھتے ہیں۔

الا صل السا بع ان الا اما م الحق بعد رسول الله صلی الله علیه وسلم ابو بکر ثمه عمر ثمر عثما ن ثمه علی رضی الله عنهم ولم یکن نص رسو ل الله صلی الله علیه وسلم علی اما م اصلا، اذلو کا ن لکا ن اولی با لظهور من نصیبه الو لا ة والا مراء علی الجنو دفی البلا د ولم یخف ذلک فکیف خفی هذا او اذظهر فکیف اندرس حتیٰ لمه ینقل الینا فلم یکن ابو بکر اما ما الا با لاختیار والبعته وا ما تقدیر النس علیٰ غیره فهو نسبة الصحا به کلهم الیٰ مخا لفة رسول الله صلی الله علیه وسلمه و خرق الاجما ع ذلک ممّا لم یستجرٔ علےٰ اختراعه الا الروافض۔

ساتویں اصل تحقیق امام برحق بعد رسولؐ اول ابو بکرؓ پھر عمرؓ پھر عثمانؓ پھر علیؓ ہیں

اور کسی امام کے لئے کوئی نص جناب رسولؐ خدا کی طرف سے نہیں ہے، کیونکہ اگر کوئی نص ہوتی تو اس کا مظاہر و معلوم ہونا زیادہ اولیٰ تھا بہ نسبت ظاہر و معلوم ہونے تقرر حکام وامر کے جو جناب رسولؐ خدا نے لشکروں اور شہروں میں بھیجے جب وہ پوشیدہ نہ ہوئے تو نص امام منجانب رسول کس طرح پوشیدہ ہو جا تا اگر پہلے ظاہر تھا تو نص امام منجانب رسول کس طرح پوشیدہ ہو جا تا اگر پہلے ظاہر تھا تو پھر کیوں معدوم ہو گیا۔ ایسا کہ ہم کو اس کی خبر تک نہیں پہنچی، پس ابو بکر امام نہیں ہوئے لیکن بوجہ اختیار و بیعت کے اور اگر ماسوائے ابو بکرؓ کے ہم کسی اور کے حق میں نص رسول فرض کر لیں تو اس سے جملہ صحابہ کا مخالفت رسول علیہ السلام کرنا ظاہر ہوتا ہے اور اجماع کی شکستگی ہوتی ہے اور اس فرض کرنے کی سوائے شیعوں کے اور کسی نے جرأت نہیں کی۔

اس تحریر سے جماعت حکومت کا عقیدہ بھی معلوم ہوتا ہے اور اس کے اختیار کی وجہ بھی ظاہر ہوتی ہے۔ اس سے زیادہ اس مضمون پر اس جماعت کا کوئی اور عالم نہیں لکھ سکا۔ امام غزالی بہت بڑے پایہ کے فلسفی اور منطقی تھے ان کے منطق وزور بحث کا اندازہ ان کی بہت سی کتابوں سے ہوتا ہے خود احیاء العلوم ہی بڑے پایہ کی کتاب ہے۔ اگر ایسا دقیق بین اور بحث کرنے میں مشاق منطقی وفلاسفر اس مضمون پر صرف یہ ہی بحث پیش کر سکے جو اس نے پیش کی ہے۔ تو اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مضمون ہی بے جان ہے اس بحث میں مندرجہ ذیل اُمور ضروریہ کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ بغیر اس اُمور پر گفتگو کئے یہ بحث لنگڑی اور بلا دلائل رہ جاتی ہے۔

ان لوگوں کے لئے جن کو محض سقیفہ سا

عدہ کے ذریعہ سے حکومت ملی تھی یہی اعتقاد منا سب تھا دراصل سواد اعظم میں اس اعتقاد کا باعث بنی ساعدہ کا اجلاس تھا۔

ہم نے ثابت کیا ہے کہ آنحضرتؐ سے پہلے ہر پیغمبر نے اپنے بعد کے ہادی کا پتہ دیا ہے۔ بلکہ بسااوقات خود اس کو مقرر کیا ہے ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی ہادی کو امت نے خود منتخب کیا ہو۔ اس نبی کے لئے جس نے حکومت حاصل کر کے سلطنت الٰہیہ کی بناڈالی۔ یہ بہت ہی زیادہ ضروری تھا کہ وہ خود اپنا جانشین مقرر کرے۔ انتخاب یا نامزدگی ایک ذریعہ ہے مقصد یہ ہے کہ امت یا قوم کی سرداری کے لئے بہترین شخص مل سکے جو سب سے زیادہ اس حکومت کے چلانے کا اہل ہو۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جناب رسولِ خدا اپنے آپ کو تمام امت میں سے ایسا شخص منتخب کرنے کا اہل سمجھتے تھے یا نہیں۔ اگر وہ اس قابل تھے تو انہوں نے کیوں نہ منتخب کیا۔ ایسا صاحب بصیرت رسولؐ جس نے نظام ملکی کے ہر ایک شعبہ کے لئے اصول وقواعد مقرر کئے جس کو اچھی طرح علم تھا کہ اسلامی سلطنت قائم ہو چکی ہے اور اس میں روزانہ وسعت وترقی ہورہی ہے اور ہوتی جائے گی۔

جس نے ایک سریہ تک بغیر اس کا حاکم مقرر کیے ہوئے روانہ نہیں کیا جس نے اپنی ایک دن کی غیر حاضری میں بھی مدینہ پر حاکم مقرر کیا۔ جس کو بخوبی علم تھا کہ اسلامی جماعت میں بہت بڑا حصہ منافقین کا ہے جو دل سے اسلام کی تخریب کا در پے ہے جس نے اپنی امت کو حکم دیا کہ جزیرہ العرب سے کافروں کو نکال دو جس نے پیشگوئی کی کہ عنقریب تم قیصر وکسریٰ کے ایوانوں پر قابض ہو جاؤ گے۔ جس نے علی الاعلان فرمایا کہ **من مات ولم یعرف امام زمانہ فقد مات میتة**

الجاهلیة یعنی وہ کافر مرا۔ جس رسول کو دعویٰ تھا کہ اس کے اور خدا کے درمیان براہ راست سلسلہء وحی قائم ہے اور جس نے خداوند تعالیٰ کا یہ فرمان اپنی امت کو پہنچایا تھا کہ **یایھا الذین امنو اطیعو اللہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم** ایسا رسول ایسامدّبر ایسا منتظم اچانک نہیں بلکہ کئی دن کے مرض الموت کے بعد دنیا سے رحلت کرتا ہے لیکن اپنی امت کو یہ نہیں بتایا کہ میرے بعد تمہاری رہنمائی کے لئے خداوند تعالیٰ نے کیا انتظام فرمایا ہے یہ تو نہایت تاکید کے ساتھ کہہ دیا کہ اپنے امام زمانہ کو شناخت کرنا ہر ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے اور صاحبِ امر کی اطاعت اس پر فرض ہے لیکن یہ نہ بتایا کہ اس امام کی شناخت کیا ہے وہ امام کون ہے صاحبِ امر کون ہے؟؟

امت محمدیہ تو انشاءاللہ قیامت تک رہے گی۔ للہذا امام وصاحب امر بھی قیامت تک رہے گا۔ اندریں صورت اس کا نام و پتہ بتانا اور امت سے اس کا تعارف کرانا نہایت ضروری تھا مورخین اسلام یہ تو کہتے ہیں کہ حجتہ الوداع سے واپسی پر بمقام غدیر خم آپ نے اپنی عنقریب آنے والی موت سے امت کو مطلع کر دیا۔ یہاں تک کہ اس آنے والے سانحہ کا خیال کر کے بہت سے رقیق القلب صحابہ رونے لگے یہ سب تو ہوا لیکن ان بزرگوں کا خیال ہے کہ آنحضرتؐ نے یہ نہ بتایا کہ میرا جانشین اور اس حکومتِ اسلامی کا سردار کون ہوگا۔ جماعت حکومت کے مورخین اتنا تو مانتے ہیں کہ جناب رسولؐ خدا نے اس موقعہ پر فرمایا کہ جس طرح میرا مولا خدا ہے اور میں تمہارا مولا ہوں اسی طرح میرے بعد یہ علیؑ تمہارا مولا ہے اور یہ کہہ کر حضرت علیؑ کو اس قدر بلند کیا کہ آپ کی بغل کی سپیدی نظر آنے لگی لیکن یہ حضرات سقیفہ بنی ساعدہ کی کاروائی کے جواز پر آنچ نہ آنے دینے کے خیال سے فرماتے ہیں کہ اس جگہ مولا کے معنی مخلص دوست کے ہیں۔

حاکم والی و متصرف اُمور مسلمین کے معنی نہیں ہیں اسلام کے مستقبل اور آنے والی نسلوں

کی ہدایت سے آنحضرتؐ کی بے توجہی اور لاپروائی صرف انہی دو وجوہات کی بنا پر ہو سکتی تھی یعنی

(۱) اُمت کی اکثریت کا ہر فرد بشر کامل انسان بن چکا تھا اس کا ایمان اور اعتقاد ایسا راسخ اور کامل ہو چکا تھا کہ نہ تو شیطان کے بہکانے سے دھوکہ کھا سکتا تھا اور نہ دُنیا کی زینت و آرائش اس کے قدم کو لغزش میں لا سکتی تھی۔ مکمل قران شریف کی صحیح تاویل کا علم اس کو حاصل ہو چکا تھا اس اکثریت کا ہر فرد فضیلت میں برابر تھا۔ کچھ پرواہ نہیں واقعات کی رو جس کو بھی خلیفہ بنا دے گی وہی اس کی اہلیت رکھتا ہوگا۔ اور آنے والی نسلیں قیامت تک کسی ایسے قانون تخلیق و تناسل کے ماتحت جو ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا ہے ایسے ہی کامل و صحیح علم و ایمان رکھنے والی ہوں گی جن کو ہدایت کی مطلق ضرورت نہ ہو گی اور جن کو نہ شیطان اور نہ دنیا کی زینت صراطِ مستقیم سے ہٹا سکے گی۔ (۲) آنحضرتؐ کو معاذ اللہ اسلام سے مطلق محبت نہ تھی ان کی بلا سے اسلام قائم رہے یا نہ رہے ضلالت پھیلے یا کفر شائع ہو انہیں کیا وہ خود تو اس اسلام کو دھوکہ بنا کر خوب عیش و آرام کر گئے آنیوالی نسلوں کی مطلق پرواہ نہیں تھی۔ ہم ان دونوں وجوہات پر غور کرتے ہیں۔

وجہ اوّل:۔ یہ ثابت کرنا بہت آسان ہے کہ نہ تو آنحضرتؐ کا یہ یقین تھا اور نہ ہی یہ یقین ہو سکتا تھا اور واقعات نے ثابت کر دیا کہ ابھی تو ان لوگوں کو بہت زیادہ ہدایت کی ضرورت تھی۔

آنحضرتؐ کے مندرجہ ذیل اقوال ثابت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ کا یہ یقین نہ تھا۔

(۱) عن ابی ہریرہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ستکون فتن اقاعد فیہا خیر من القائم والقائم خیر من الماشی والماشی فیہا خیر من الشاعی من تشرف لہا تستشرفہ فمن وجد فیہا ملجاء او معاذً فلیعذبہ

ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا کہ میرے بعد ہی فوراً فتنے پیدا ہوں گے جن میں بیٹھا ہوا شخص بہتر ہوگا کھڑے ہوئے سے اور کھڑا ہوا بہتر ہوگا چلنے والے سے اور چلنے والا بہتر ہوگا بھاگنے والے سے جو ان فتنوں کی طرف جھانکے گا وہ اس کو اپنی طرف کھینچ لیں گے پس جو شخص پناہ کا مقام یا بچاؤ کی جگہ پائے تو اسے چاہیئے کہ اس کی پناہ میں آجائے۔

﴿۲﴾ عن اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما قال اشرف النبی صلے اللہ علیہ وسلم علی اطم من اطام المدینۃ فقال ھل ترون ما اری قالوا لا قال فانی لاری الفتن تقع خلال بیوتکم کوقع القطر

اسامہ بن زید سے مروی ہے کہا آنحضرتؐ نے مدینہ کے ایک قلعہ سے جھانکا تو فرمایا بھلا تم دیکھتے ہو جو میں دیکھ رہا ہوں۔ لوگوں نے کہا کہ نہیں آپ نے فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے گھروں کے اندر فتنے وفساد اس طرح داخل ہو رہے ہیں جس طرح مینہ کے قطرے۔

﴿۳﴾ عن ابی وائل قال قال عبداللہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انافرطکم علے الحوض لیرفعن الی رجال منکم حتیٰ اذا ھویت لانا و اختلجوا دونی فاقول ای رب اصحابی یقول

لاتدری ما احدثوابعد ک۔

عبداللہ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں تم سے پہلے حوض کوثر پر پہنچوں گا میرے پاس حوض پر تم میں سے چند لوگ لائے جائیں گے۔ یہاں تک کہ جب میں ان کی طرف جکھوں گا کہ کوثر کا پانی ان کو دوں تو وہ لوگ میرے پاس سے ہٹائے جائیں گے تو میں کہوں گا کہ اے میرے خدا یہ تو میرے اصحاب ہیں جواب ملے گا نہیں جانتے انہوں نے تمہارے بعد کیا کیا بدعتیں کیں۔

(۴) عن ابی حازم قال سمعت سهل بن سعد یقول سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول انا فر طکم علے الحوض من ورده شرب منه ومن شرب منه لم یظما بعده ابد الیرد علی القوام عرفهم ولم بعرفونی یحال بینی و بینهم

ابو حازم کہتے ہیں کہ میں نے سہل بن سعد کو یہ کہتے سُنا کہ میں نے جناب رسولؐ خدا کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ میں حوض کوثر پر تم سب سے پہلے جاؤں گا اور جو اُس سے پانی پیئے گا پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا البتہ چند لوگ میرے پاس آئیں گے میں ان کو پہچانوں گا وہ مجھے پہنچانیں گے لیکن وہ مرے پاس آنے سے روک دیے جائیں گے اور ہٹا دیے جائیں گے۔

یہ چاروں احادیث ہم نے صحیح بخاری کی کتاب الفتن سے لی ہیں اور بھی احادیث اور مثل ان کے صحیح مسلم الفتن میں بھی درج ہیں۔اور علاوہ دیگر کتب احادیث کے مندرجہ ذیل کتابوں میں درج ہیں۔ مسند امام احمد حنبل الجزاء الاوّل ص ۱۶۸، ۱۸۵، ۴۴۸، الجزاء الثانی ص ۲۱۲، ۲۸۲، الجزاء الثالث ص ۴۷۷۔ الجزاء الرابع ص ۱۰۶، ۱۱۰، ۴۰۸، ۴۱۶۔ الجزاء الخامس ص ۳۹، ۴۰، ۱۱۰، ۱۴۹، مسند الطیالسی حدیث نمبر ۱۲۴۹، نمبر ۲۳۴۴، سنن ابی داؤد ک ۳۴ ب ۲۔ سنن الترمذی ک ۳۱ ب ۱۹ سنن ابن ماجہ ک ۳۶ ب ۱۰۔ جناب رسولؐ خدا کے بعد ہی ایسے فتنے اُٹھے جو سمندر کی طرح موجیں مار رہے تھے۔ **الفتنه التی تموج کما یموج البحر**۔ صحیح بخاری کتاب الفتن کتاب ۹ باب ۴۔ کتاب ۲۴ باب ۲۳ کتاب ۹۲ باب ۱۷ صحیح مسلم ک احدیث ۲۳۱۔ مسند احمد حنبل الجزاء الخامس ص ۳۰۶، ۴۰۱، ۴۰۵۔

جناب رسولؐ خدا نے ان فتنوں کو کالی رات سے تشبیہ دی ہے جب ہاتھ کو ہاتھ نہیں دکھائی دیتا اور نور کی روشنی نظر نہیں آتی۔ **الفتنة تشبهه لیلةً مظلمة**" ملاحظہ ہو مسند امام احمد حنبل الجزاء الاوّل ص ۱۸۹۔ الجزاء الثانی ص ۳۰۲۔ الجزاء الثالث ص ۴۸۸ و ۴۸۹ الجزء الرابع ص ۲۷۷۔ الجزء الخامس ص ۳۴۸ و ۳۹۱ و ۴۰۶ الجزء السادس صہ ۸۱۔ مسند ابی داؤد طیالسی مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن الجزء الثانی ص ۵۹ حدیث ۴۴۲ الجزء السادس ص ۱۸۲ حدیث نمبر ۱۲۹۰۔

جناب رسولؐ خدا نے فرمایا کہ ایسے تاریکی کے دنوں میں اصلی، سچے ہادی کی معرفت

ایک سپر ہے جو ان فتنوں سے بچائے گی۔ المعرفۃ جنۃ من الفتن سنن الدارمی المقدمہ باب ۳۱۔
مولانا علی متقی نے کنز العمال میں ان فتنوں سے پُر زمانہ کی تصویر نہایت تفصیل سے کھینچی ہے ملاحظہ ہو کنز العمال الجزء السادس کتاب الفتن ص ۲۷ لغایت ۹۲ حدیث ۱۴۱۴ لغایت ۱۳۹۰ گویا آنحضرتؐ کے نوسو پچاس اقوال اُن فتنوں کے متعلق اس کتاب میں جمع کئے گئے ہیں ان میں سے چند کو ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

ان بعدی ائمۃ اطعتموھم اکفروکم و ان عصیتموھم قتلوکم ائمۃ الکفرو رئوس الضلالتہ۔ حدیث نمبر ۷۷۴ یعنی فوراً میرے بعد اس امت میں ایسے حاکم ہوں گے جن کی اگر تم اطاعت کرو گے تو وہ تم کو کفر کی طرف لے جائیں گے اور اگر ان کی اطاعت سے انکار کرو گے تو وہ تم کو قتل کر دیں گے وہ کفر کے سردار اور گمراہی کے رئیس ہوں گے۔

ناظرین حدیث مذکورہ بالا کو ذرا غور سے دل ہی دل میں پڑھیں تو خود کسی نتیجہ پر پہنچ جائیں گے اگر ہم کچھ کہیں تو یہ بزرگوار ناراض ہوں گے۔ آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ اب تمہارے آگے آنے والے ایسے دن ہیں جن میں جہل نازل ہوگا علم اٹھا لیا جائے گا اور اس میں ہرج بڑھ جائے گا۔ لوگوں نے پوچھا کہ ہرج سے کیا مطلب ہے تو آپ نے فرمایا کہ قتل۔ حدیث نمبر ۷۸۴۔ تمہارے آگے آنے والا ایسا زمانہ ہے کہ جس میں صبر کرنے والے کو پچاس شہیدوں کا اجر ملے گا۔ حدیث نمبر ۷۹۔۴۔ اس فتنوں کے زمانہ میں زبان کے ذریعہ سے جو ہلاکت ہوگی وہ زیادہ سخت ہوگی بہ نسبت تیغ و سنان کے قتل سے نمبر ۴۸۰ سے آنحضرتؐ کا مطلب یہ تھا کہ وضع حدیث و غلط تاویل قرآن کی وجہ سے جو ہلاکت ہوتی وہ بہت نقصان دہ ہوگی۔ امر واقعہ بھی یہی ہوا حضرت علیؑ و بنو ہاشم کے حق اور ان کی عظمت و جلالت کو

جھوٹی احادیث وضع کر کے ضائع کیا گیا۔ اگر ان کو تلوار سے قتل کر دیتے تو ان کی عظمت وجلالت تو اسی طرح باقی رہ جاتی۔

ان الناس دخلوا فی دین اللہ افوا جا و سیخرجون منه افوا جا حدیث نمبر ۵۰۲، یعنی جس طرح دین اسلام میں لوگ گروہ در گروہ داخل ہوئے تھے۔ اسی طرح بہت جلد گروہ در گروہ دین اسلام سے خارج ہو جائیں گے۔

انکم ستبلون فی اهل بیتی من بعد ۔حدیث نمبر ۵۰۵ یعنی فوراً ہی میرے بعد میرے اہل بیت کے ذریعہ سے تمہارا امتحان لیا جائے گا اور تمہاری آزمائش ہوگی۔

میرے بعد کا زمانہ ایسا زمانہ ہوگا کہ جس میں ایک شخص صبح کو مومن اور شام کو کافر ہوگا۔ شام کو مومن ہے تو صبح کو کافر۔ اور لوگ نہایت قلیل شے پر اپنا دین فروخت کر دیں گے۔ حدیث نمبر ۵۲۱، میرے بعد ہی میری امت پر ایسے فتنے غلبہ پالیں گے کہ جس میں انسان کا دل اسی طرح مر جائے گا کہ جس طرح بدن مرتا ہے۔ حدیث نمبر ۵۵۲۔ قسم بخدائے لایزال کہ میرے بعد میری اس مسجد سے اس طرح فتنے اٹھیں گے کہ جس طرح مویشیوں کے لئے گھر بناتے ہیں۔ **والذی نفسی بیدہ لیخرجن من هذا المسجد فتن کمیا صی البقر**۔ یہ امر واقعہ ہے کہ اس ہی مسجد میں بیٹھ کر منصوبے باندھے جاتے تھے کہ کس طرح بنو ہاشم کو مغلوب رکھا جائے۔ کس طرح حضرت علیؑ سے بیعت لی جائے۔ یہیں بیٹھ کر خلیفہ اول نے حضرت علیؑ کے پاس اپنا غلام بھیجا تھا۔ کہ آن کر بیعت کر لیں حضرت علیؑ کے انکار پر یہیں سے ایک جماعت مسلمانوں

کی آگ لے کر فاطمہؑ کا گھر جلانے چلی تھی یہیں حضرت علی کو کشاں کشاں بیعت کے لئے لائے تھے یہیں آپ کو بیعت نہ کرنے پر قتل کی دھمکی دی گئی تھی یہیں بیٹھ کر قبضہ فدک کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ اوراس ہی جگہ خلافت کی گیند ایک دوسرے کی طرف اچھالی گئی۔

آنحضرتؐ نے فرمایا **ویل لبنی امیه ثلاث مراۃ بنی امیه** ،امیہ پر تین دفعہ لعنت حدیث نمبر ۶۹۰ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ حکم اموی کی اولاد میرے منبر پر بندروں کی طرح اچھل رہی ہے حدیث نمبر ۶۹۵ یہ حکم اموی کتاب اللہ اور میری سنت کی مخالفت کرے گا اور اس کے صلب سے ایسے فتنے نکلیں گے کہ جن کا دھواں آسمان تک پہنچے گا اور آج کل بھی تم میں سے بہت لوگ اس کے پیرو ہیں۔ حدیث نمبر ۶۹۶۔ عنقریب میرے اہل بیت میرے بعد میری امت سے قتل وغارت دیکھیں گے اور ہمارے سب سے زیادہ بغض رکھنے والے دشمن۔ بنوامیہ، بنومغیرہ و بنومخزوم ہیں حدیث نمبر ۷۰۵۔ عنقریب بنوعباس کے لئے مشرق سے رایات بلند ہوں گے جن کا اول بھی ہلاک شدہ ہے اور جن کا آخر بھی ہلاک شدہ ہے۔ تم ان کی مدد نہ کرنا جوان علموں کے نیچے چلے گا خدا اسے روز قیامت جہنم میں ڈالے گا۔ تحقیق کہ وہ تمام مخلوق سے زیادہ شر والے ہیں۔ ان کے پیرو بھی ایسے ہی ہیں وہ گمان کرتے ہیں کہ مجھ سے ہیں۔ لیکن میں ان پر تبرا بھیجتا ہوں اور ان سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں اور وہ مجھ سے بیزاری چاہتے ہیں۔ ان کی علامت یہ ہے کہ کالے کپڑے پہنیں گے تم لوگ نہ تو ان کی پیروی بازاروں میں کرنا اور نہ راستوں میں انکے ساتھ رہنا۔ نہ ان کو راستہ بتانا۔ نہ ان کو پانی پلانا۔ ان کی آوازیں سکان سموات کو اذیت پہنچائیں گی۔ حدیث نمبر ۶۶۲

بنوعباس کے دو علم ہوں گے ان کا اوپر کا حصہ کفر اور نیچ کا حصہ ضلالت ہوگا۔ اگر تم

ان کا زمانہ پاؤ تو دیکھو گمراہ نہ ہونا۔ حدیث نمبر ٦٦٥

انتم اشبه الامم اسرائيل لتركبن طريقتم خذوا بالخذو القذة بالقذة حتى لايكون فيهم شئ الا كان فيكم مثله حتى ان القوم لتمر عليهم المراة فيقوم اليها فيجامعها ثمه يرجع الى صحابه يضحك اليهم يضحكون اليه، حديث نمبر ١١٧۔

ترجمہ:۔ تم لوگ بنو اسرائیل سے بہت ہی مشابہ ہو۔ تم ضرور ان کے طریقوں کی پیروی ایک ایک دو دو برابر اور قدم بقدم کرو گے۔ یہاں تک کہ کوئی شے ایسی نہ ہوگی جو اُن میں ہوئی ہو اور تم میں نہ ہو۔ یہاں تک اگر ان میں ایسا ہوا ہوگا کہ اُن کے پاس سے کوئی عورت گزری اُن میں سے ایک آدمی اس عورت کی طرف گیا اور اُس سے جماع کر کے اپنے ساتھیوں کی طرف واپس آ گیا۔ اور (بے حیائی سے) اپنے دوستوں کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگا اور اس کے ساتھی اس کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگے تو یقیناً تم بھی ایسا کرو گے۔ امم و ملل سابقہ خصوصاً بنو اسرائیل و یہود و نصاریٰ کی تقلید کرنے پیشگوئی ہر ایک حدیث کی کتاب میں پائی جاتی ہے دیکھو! ابن تیمیہ:۔ منہاج السنۃ الجزء الثالث ص ۲۴۱

مسند امام احمد حنبل: الجزء الثانی ص ۳۶۷، ۴۵۰۔ الجزء الثالث ص ۸۴، ۸۹، ۹۴ ۱۔ الجزء الرابع ص ۱۲۵۔ الجزء الخامس ص ۲۱۸۔

سیرۃ الحلبیہ الجزء الثالث ص ۱۲۳۔ صحیح بخاری الجزء الرابع ص ۱۷۶
صحیح مسلم کتاب العلم الجزء الثامن ص ۵۷۔ سنن ابن ماجہ ص ۲۹۶، ۲۹۷
مسند ابی داؤد الطیاسی الجزء السادس ص ۱۹۱۔ حدیث نمبر ۱۳۴۶
الجزء التاسع ص ۲۸۹۔ حدیث نمبر ۲۱۷۸
مشکوۃ کتاب الایمان باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ
عبدالحق محدث دہلوی: شعتہ اللمعات ترجمہ مشکوۃ جلد اوّل ص ۱۴۲
مستدرک علی الصحیحین الجزء الاول کتاب الایمان ص ۳۷

آنحضرتؐ نے نزدیک ترین مشابہت بلکہ یگانگت ثابت کرنے کے لئے یہ مثال استعمال فرمائی تھی یعنی ایسی بے حیائی کی بات میں بھی جو عقلا صریحا بُری ہے تم لوگ ان کی مشابہت و پیروی کرو گے۔

اللہ اکبر! ھذ کما قالت بنو اسرائیل لموسیٰ اجعل لنا الھا کما تھمہ الھتہ لنر کبن سنن من قبلکمہ حدیث نمبر ۲۱۲ اللہ اکبر۔

یہ وہی ہے جو بنی اسرائیل نے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہمارے لئے بھی ایک خدا بنا دو جیسا کہ کافروں کے پاس خدا ہیں۔ یہ تحقیق تم پچھلی باتوں کی پیروی کرو گے۔

الا ما بال اقوام مز عمون ان رحمی لا تنفع،
والذی نفسی بیدہ ان رحمی ملوصولۃ فی الدنیا

والا خرۃ الا وانی فرطکمہ ایھا الناس علے الحو ض الا وسیجئ اقوام یو م القیا مۃ فیقول القائل منھم یارسو ل اللہ انا فلا ن بن فلا ن فا قول اما النسب فقد عرفت و لکنکم ارتد دتم بعد ی و رحمتھم القھقری ۔ حدیث نمبر ۷۴۶۔

ترجمہ:۔ کیا حال ہوگا ان لوگوں کا جوگمان کرتے ہیں کہ میری رشتہ داری سے میرے رشتہ داروں کو کچھ فوقیت و فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میرا رشتہ دُنیا و آخرت میں فضیلت پہنچاتا ہے۔ ہاں خبردار۔ اے لوگو میں حوض کوثر پر قیامت کے دن موجود ہونگا۔ وہاں ایک جماعت لائی جائے گی اس جماعت کا ایک نمائندہ مجھ سے کہے گا کہ اے رسولؐ خدا میں فلاں بن فلاں ہوں میں جواب دوں گا کہ میں نے نسب تو پہچان لیا ہے لیکن تم تو میرے بعد اسلام سے ہٹ گئے تھے اور الٹے پیر کفر کی طرف رجعت کر گئے تھے۔

اس کو حدیث حوض کہہ سکتے ہیں۔ ہر ایک حدیث کی کتاب میں موجود ہے

الفاظ یہ ہیں عن انس ابن مالک عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قا ل لیر دن الحو ض علی رجا ل حتی اذا رایتھم رفعو الی فا ختلجو وادونی فلا قولن یارب اصحا بی اصحا بی فیقا ل انک لاتدری ما احد ثوا بعد ک فا قول سحقاً

سحقاً سحقاً۔

ترجمہ: انس بن مالک سے مروی ہے کہ فرمایا جناب رسول نے کہ قیامت کے دن حوض کوثر پر چند آدمی میرے پاس وارد ہوں گے۔ جب میں ان کی طرف دیکھوں گا تو وہ میری طرف بڑھیں گے لیکن روک دیئے جائیں گے۔ میں کہوں کہ خداوند یہ تو میرے اصحاب ہیں۔ جواب ملیگا کہ تم نہیں جانتے تمہارے بعد دین میں انہوں نے کتنا فتنہ پیدا کیا تھا۔ اس پر میں کہوں گا کہ دور ہو، دور ہو، دور ہو۔

☆ مسند امام احمد حنبل الجزء الاوّل ص ۲۳۵، ۲۵۳، ۳۸۴، ۴۰۲، ۴۰۷، ۴۲۵، ۴۵۳، ۴۵۵

الجزء الثانی ص ۳۰۰، ۴۰۸

الجزء الثالث ص ۱۸، ۲۸، ۱۴۰، ۲۸۱، ۳۸۴، ۳۲۵،

الجزء الخامس ص ۴۸، ۳۳۳، ۳۳۹، ۳۹۳، ۴۰۰، ۴۱۲

الجزء السادس ص ۱۲۱

☆ امام غزالی:۔ احیاء العلوم الجزء الاوّل ص ۲۴۳ مطبوعہ مصر

☆ صحیح بخاری مطبوعہ مصر الجزء الرابع کتاب الفتن ص ۱۴۷

☆ مشکوٰۃ کتاب الفتن باب الحوض

☆ اشعۃ اللمعات ترجمہ مشکوٰۃ جلد رابع ص ۳۸۴

☆ فتح الباری شرح صحیح بخاری ابن حجر عسقلانی۔ الجزء الثامن ص ۲۱۵

الجزء الحادی عشر ص ۳۳۳، ۳۹۸، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴

☆ صحیح مسلم مطبوعہ مصر الجزء الاول ص ۱۵۰، ۱۵۱۔

☆ شفاء قاضی عیاض ونسیم الریاض شرح شفائی قاضی عیاض

☆ مطبوعہ مصر۔ الجزء الثالث ص ۳۸۲، ۳۸۳۔ سنن ابن ماجہ ص ۳۲۹

☆ مسند ابی داؤد الطیالسی الجزء التاسع ص ۲۹۴، ۲۹۵ حدیث ۲۲۲۱

☆ محمد بن محمد بن سلیمان:۔ جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزاوئد المجلد الثانی ص ۲۱۲

جنابِ رسولِ خداؐ نے حضرت علیؑ کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

والذی نفسی بیدہ انک تذودعن حوض یوم القیامتہ رجالاً کما یذادالبعیر۔

یعنی اُس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ تو اے علیؑ یوم قیامت میرے حوض سے چند آدمیوں کو اس طرح ہنکا کر دور کرے گا جس طرح اُونٹ کو ہنکایا جاتا ہے۔

☆ ینابیع المودۃ شیخ سلیمان قندوزی مفتی اعظم قسطنطنیہ

الباب السادس ص ۵۱۔

☆ مستدرک علی الصحیحین الحاکم الجزء الثالث ص ۱۴۸۔

☆ اخطب خوارزم :۔ کتاب المناقب ص ۴۷۔

اس حدیث حوض کو غور سے مطالعہ کرنا چاہیے۔ کیا ایسے لوگوں کے درمیان میں آنحضرتؐ اپنے خلیفہ واُمت کے ہادی کے انتخاب کو چھوڑ کر چلے جاتے ایک اور بات بھی ہے حدیث عوض پر آپ نے غور کیا۔ اب فرمایئے حدیث نجوم کہاں گئی۔ اور مسئلہ تصویب کیا ہوا۔ ہر ایک صحابی ستارہ ہدایت ہے جس کی جی چاہے پیروی کرو۔ مسئلہ تصویب یہ ہے کہ اگر مختلف متضاد حکم صادر کریں تو سب صواب پر ہیں۔ حضرت علیؑ کو لوگوں کی نظروں سے گرانے کے لئے کس طرح قرابت رسولؐ کی توہین کی گئی یہاں تک کہ جناب رسولؐ خدا کو کہنا پڑا کہ میری قرابت سے دنیا وآخرت دونوں جگہ فوقیت حاصل ہوتی ہے۔ یہ قرابت والی حدیث ہمارے دعوے کی پوری تائید کرتی ہے۔ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ کا اجلاس ایک گہری سازش کا آخری نتیجہ تھا وہ سازش یہ تھی کہ حضرت علیؑ کو خلیفہ نہ ہونے دیا جائے۔ اور اس مقصد کے حاصل کرنے کی پہلی ترکیب وتدبیر تھی کہ حضرت علیؑ کی افضلیت وفوقیت کو لوگوں کی نظروں میں گرایا جائے۔ اس تدبیر کو اس اصول پر قائم کیا تھا کہ رسول خدا کی رشتہ داری سے حضرت علیؑ کو ہم پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہوئی اور نہ ہونی چاہیے۔ اس حدیث میں آنحضرتؐ نے اس غلط خیال کی تردید فرمائی۔

ہمارا یہ بھی دعویٰ ہے کہ جناب رسولؐ خدا کے انتقال کے بعد مسجد نبوی میں اور حضرت عائشہ کے گھر میں لوگ بیٹھ کر حضرت علیؑ اور بنو ہاشم کو خلافت سے دور رکھنے کی ترکیبیں سوچا کرتے تھے۔ اور حضرت علیؑ کی مخالفت کے لئے منصوبے باندھے جاتے تھے۔ ہمارے اس دعوے کی تائید میں آنحضرتؐ کی ایک حدیث پہلے گزری۔ جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ قسم بخدا اس مسجد سے فتنے اس طرح اُٹھیں گے جس طرح گائے کے لئے لوگ گھر بناتے ہیں۔ حضرت عائشہ کے گھر کی نسبت آنحضرتؐ کی حدیث ملاحظہ ہو۔

عن ابن عمر قال خرج رسول الله صلے علیه وسلم من بیت عائشته فقال داس الکفرمن ھھنا من حیث یطلع قرن الشیطان۔

ترجمہ۔ ابن عمر کہتے ہیں کہ ایک دن جناب رسولخدا حضرت عائشہ کے گھر سے نکلے اور اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ کفر کا سر یہاں سے نکلے گا۔ جس طرح شیطان کے سینگ نکلتے ہیں۔

☆ مسند احمد حنبل جزء الثانی ص ۲۳ و ۲۲۔ الجزء الخامس ص ۱۲

☆ صحیح بخاری کتاب الخمس باب ماجآء فی بیوت ازواج النبی۔ مطبوعہ مصر الجزء الثانی ص ۱۲۷

☆ صحیح مسلم۔ مطبوعہ مصر۔ الجزء الثامن ص ۱۸۱

حدثنا محمد بن عبدالعزیز قال حدثنا ابو عمر الصنانی من الیمن عن زید بن اسلم عن عطاء بن

یسار عن ابی سعید الخدری عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال لتتبعین سنن من قبلکم شبرا شبرا وذراعاً ذراعاً حتیٰ لو دخلوا حجر ضب بتعتموھم قلنا یارسول اللہ الیھود والنصاریٰ قال فمن صحیح بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ الجزاء الرابع ص ۱۷۲ طبع مصری۔

(اسماعی زادہ عربی میں دیکھو) ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ البتہ تم چلو گے اگلے لوگوں کی چالوں پر بالشت بالشت بھر اور ہاتھ ہاتھ بھر یہاں تک کہ اگر وہ سوسمار کے سوراخ میں گھسے ہوں گے تو تم بھی ان کی پیروی کرو گے ہم نے عرض کی کہ یا حضرت کیا یہود و نصاریٰ کی چال پر چلیں گے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر یہ نہیں تو پھر کون یعنی یہود و نصاریٰ ہی مراد ہیں۔ ان کی چال پر چلو گے۔

یہ حدیث دیگر کتب احادیث مثلاً صحیح مسلم کو کنزل العمال اور سنن نسائی وغیرہ میں درج ہے۔ حوالہ جات پہلے گزر چکے ہیں۔ ان احادیث میں فتنہ کے وہ ہی معنی ہیں جو قرآن شریف کی آیات مندرجہ ذیل میں اس لفظ کے معنی ہیں۔

(۱) آیۃ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ (پارہ نمبر ۳ سورہ آل عمران ع ۱)

پس جن کے دلوں میں کجی ہے وہ تو اس کی متشابہ آیتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں، فتنے کی طلب اوران کی مراد کی جستجو کے لئے، حالانکہ ان کی حقیقی مراد کوسوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔

﴿۲﴾ ۸-۳۹ وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (پارہ نمبر۲ سورۃ البقرع ۲۴)

اور تم ان سے اس حد تک لڑو کہ ان میں فساد عقیدہ نہ رہے۔(ا) اور دین اللہ کا ہی ہو جائے

﴿۳﴾ ۲-۲۱۷ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ (پارہ نمبر۲ سورۃ البقرع ۲۴)

فتنہ قتل سے بھی بڑا گناہ ہے

﴿۴﴾ والفتنة اكبر من القتل (پارہ۲ سورۃ البقرع ۲۷)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں کے دلوں میں کجی تھی وہ فتنہ وفساد پھیلانے کی غرض سے قرآن شریف کی آیات کی غلط تاویل کرتے تھے۔ جب تک ملک میں فتنہ ہے۔ اور فتنہ والے لوگو موجود ہیں خدا کا دین قائم نہیں ہوسکتا لہذا اُس سے لڑو اوران کو مغلوب کرو تا کہ فساد باقی نہ رہے اور ملک میں خالص دین خدا کارہ جائے فتنہ وفساد قتل سے زیادہ سخت اور گناہ میں اُس سے زیادہ عظیم ہے اُن لوگوں کو غلط تاویل کرنے کی ضرورت اس وجہ سے ہوئی کہ صحیح تاویل سے خلافت بلا فصل علی ابن ابی طالبؑ ثابت ہوتی ہے۔ ان احادیث سے اچھی طرح ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ ان لوگوں کو کیسا خیال فرماتے تھے جو آپ کے بعد رہنے والے تھے اور آپ کو یقین تھا کہ وہ فتنہ وفساد پیدا کریں گے۔ سارا ملک فتنہ و

فساد سے مملو ہو جائے گا۔ اسلام اور ایمان والوں کی کیا بُری حالت ہو گی آپ نے صاف صاف فرما دیا کہ اس زمانہ میں ہادی کی سخت ضرورت ہو گی وہ ہی اس عام کفر کے خلاف واحد سپر ہو گی آپ کو اپنے صحابہ کے دلوں کی کیفیت سے یقین تھا کہ آپ کے اہل بیت کو سخت تکالیف و مصائب کا سامنا ہو گا لوگ اُن کے مخالف ہو جائیں گے۔ اور ان کی مخالفت کی وجہ سے اسلام سے گروہ در گروہ خارج ہو جائیں گے اپنے بعد کے حاکموں کی نسبت فرماتے ہیں کہ وہ لوگوں کو اہلبیت سے مخالف کر کے ضلالت و گمراہی کی طرف لے جائیں گے اور اگر اس بات میں لوگ اُن کی اطاعت نہ کریں گے تو وہ اُن کو قتل کر دیں گے اس ہی مسجد میں بیٹھ کر فساد کے منصوبے باندھے جائیں گے۔

بنو اسرائیل اور اُمت موسوی کی تشبیہ کس طرح ہر ایک مسئلہ کو صاف کر دیتی ہے صرف چالیس راتوں کی غیر حاضری کی وجہ سے حضرت موسیٰ کی تقریباً ساری اُمت کافر ہو گئی۔ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ موسیٰ صرف میقات کے لئے تشریف لے گئے ہیں۔ ابھی واپس آجائیں گے۔ آنحضرتؐ کو یقین تھا کہ اسی طرح میرے بعد میری امت کی اکثریت رجعت قہقری کرے گی اور میرے احکام کی نافرمانی کر کے کفر کی طرف عود کر جائے گی۔ کیا عقل سلیم یہ تسلیم کرتی ہے کہ یہ اُمور جانتے ہوئے آنحضرتؐ نے اپنا جانشین اور اُمت کا ہادی مقرر نہ کیا۔ کیا آنحضرتؐ کو یہ منظور تھا کہ اس آنے والے گمراہی و ضلالت کی سیاہی اور بڑھ جائے اور اُس ضلالت و گمراہی کی ذمہ داری آپ پر براہ راست عائد ہو جائے جیسی اُمت آپ چھوڑیں گے اُس کا نقشہ تو آپ نے کھینچ دیا۔ کیا اس اُمت کے ایمان و عدل و اسلام پر بھروسہ کیا جا سکتا تھا اور آپ پر بھروسہ کر کے اپنا جانشین اور اُمت کا ہادی مقرر نہ فرماتے۔ آنحضرتؐ کی مشہور حدیث ہے:۔ من مات ولم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ جاھلیۃ۔ یعنی جو شخص اپنے امام زمانہ کو پہچانے بغیر مر گیا اس کی موت جاہلیت کے زمانہ کی ہے۔ یعنی وہ کافر مرا۔ اس حدیث کی صحت پر تمام اُمت اسلامیہ کا اجماع ہے۔ مسند امام

احمد حنبل۔ الجزء الرابع ص ۹۲۔

نواب محمد صدیق حسن خان:۔ اکلیل الکرامتہ فی بتیان مقصد الامامتہ ص ۴ مطبوعہ مطبع صدیقی بھوپال۔ کیا یہ محال عقلی نہیں ہے کہ جناب رسولؐ خدا اُمت پر تو اتنی سختی کریں کہ جس نے اپنے زمانہ کے امام کو نہ پہچانا اس نے گویا خدا کو نہ پہچانا اور وہ کافر مرا۔ اور خود اُمت کو یہ بھی نہ بتائیں کہ میرے بعد کون امام و ہادی اُمت ہوگا۔ اور یہ بھی نہ بتائیں کہ میرے بعد جو زمانہ آئے گا اس زمانہ کے اور اس کے بعد زمانوں کے اماموں کی شناخت کیا ہے اگر وہ امام لوگوں کی رائے سے منتخب ہونا تھا یا اُس سے دنیاوی بادشاہ مقصود تھا تو پھر شناخت کو اتنی اہمیت دینی بے سود تھی جو جس کے لئے رائے دے گا اس کو پہلے معلوم کر لے اصلی اور سچے اماموں کے ساتھ مخلوط کر دیں گے اس وقت صحیح امام کی معرفت کے لئے جزا ہے اور عدم معرفت کی سزا۔

اندریں صورت ان کا نام ونشان بتانا نہایت ضروری تھا ورنہ اُمت پر حجت قائم نہ ہوتی۔ بلکہ خداوند تعالیٰ پر بندوں کی حجت باقی رہ جاتی کہ تیرے رسول نے تو ہم کو بتایا نہیں کہ وہ امام کون ہونگے لہذا جو ہم کو خوش کر سکا اس کو ہی ہم نے امام مان لیا اور جب قیامت کے دن میزان عدل قائم ہوگا تو جناب رسول خدا اپنے رب کو کیا جواب دیتے اور اپنی اُمت کو یہ کیوں کہتے کہ میں حوض کوثر پر سے نافرمان صحابہ کو ہنکا دوں گا۔ آگے چلئے۔ سقیفہ بنی ساعدہ کے اجلاس کی وجہ ہست و بود ہی یہ بیان کی جاتی ہے کہ اکابر صحابہ کو جانشین رسول کے قرار کی اہمیت کا اتنا زبردست احساس تھا کہ انہوں نے جسد اطہر رسول چھوڑ کر جانا مناسب سمجھا۔ صواعقِ محرقہ جماعت حکومت کی نہایت مستند کتاب ہے۔ اس کے صفحہ ۵ پر مقدمہ ثانیہ کے عنوان کے تحت میں مندرجہ ذیل عبارت پائی جاتی ہے:۔

المقدمة الثانية۔ اعلم ایضا ان الصحابه

رضوان الله علیهم اجمعوا علی ان نصیب الا مام بعد انقراض زمن النبوة واجب بل جعلوه اهم الواجبات حیث استغوا به عن دفن رسول الله صے الله علیه وسلم و اختلافهم فی التعین لایقح فی الجماع المزکور و التلک الا همیة لما توفی رسول الله صلی الله قام ابو بکر خطیباً کما سیاتی فقال ایها الناس من کان یعبد محمدًا فان محمدً اقدمات و من کان یعبد الله فان الله حی لا یموت لا بد لهذا الامر ممن یقومه به فانظروا وهاتوا اراء کم فقالوا صدقت نظر فیه ثم ذالک الوجوب عندنا معشر اهل السنة والجماعة وعند اکثر المعتذ له بالسمع ای من جهت التوتر والا جماع المذکور وقال کثیر بالعقل و وجهه ذالک الوجوب انه صلی الله علیه وسلم امر باتامة الحد و دوسد الثغور تجهیز الجیوش للجهاد و حفظ بیضة الا سلام

مقدمہ ثانیہ۔ یہ بھی آپ جاننا چاہیئے کہ تمام صحابہ رسول اللہؐ نے اس امر پر اجماع کیا ہے کہ زمانہ نبوت کے ختم ہونے کے بعد امام کا مقرر کرنا واجب ہے بلکہ ان اصحاب رسولؐ ہی تو وہ ہیں جو دفن و کفن رسول کو چھوڑ کر اسکی طرف مشغول ہو گئے۔ امام کے تعین میں جو ان کا اختلاف ہوا وہ

اختلاف اس اجماع کو ناقص نہیں کرتا اور اسی اہمیت کی وجہ سے جب جنابِ رسولِ خدا نے وفات پائی تو حضرت ابوبکر نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا جیسا کہ آگے تحریر ہے پس انہوں نے کہا کہ اے لوگو تم میں سے جو محمدؐ کی عبادت کرتا تھا اسے جاننا چاہیئے کہ محمدؐ مر گئے اور جو خدا کی عبادت کرتا ہے وہ معلوم کرے کہ خدا زندہ ہے کبھی نہیں مرے گا یہ ضروری ہے کہ اپنا اما م قائم کرو پس اپنی راویوں کو جمع کرو اور پیش کرو لوگوں نے جواب دیا کہ تم نے یہ درست کہا ہم اس میں صلاح کرتے ہیں ہم اہلسنت و جماعت و معتزلہ کے نزدیک نصب امام کا وجوب بذریعہ سمع تواتر و اجماع مذکور کے بھی ثابت ہے اور بہت لوگ کہتے ہیں کہ یہ عقلاً بھی واجب ہے کیونکہ جنابِ رسولِ خدا نے حدود یعنی سزائیں قائم کیں۔ ملک کی حفاظت کے لئے احکام صادر فرمائے۔

لشکر کی تیاری بغرض جہاد اور مذہب اسلام کی حفاظت کے لئے بھی حکم دیا

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور ان لوگوں کو تقرر حاکم و خلیفہ کی اہمیت کا بہت احساس تھا۔ یہ کیوں ضروری تھا؟ اس کی وجہ سے کہ جنابِ رسولِ خدا نے احکام سیاسی تمدنی جاری کئے ہوئے تھے۔ ملک کی حفاظت کا حکم دیا تھا۔ اسلام کی حفاظت کا حکم دیا ہوا تھا۔ لشکر اور فوجیں جہاد کے لئے تیار کرنے کے احکام دیئے ہوئے تھے ان احکام کا نافذ کرانے والا ضرور کوئی ہونا چاہیئے ہم بھی کہتے ہیں ضرور ہونا چاہیے لیکن قربان جائیے اس منطق کے حضرت ابوبکر کو اور ان لوگوں کو تو ان احکام کے نافذ کرانے کی ضرورت کا خیال آ گیا لیکن خود ان احکام کے صادر کرنے والے کو اس ضرورت کا احساس نہ ہوا اگر احساس ہوتا تو وہ اپنا جانشین ہی نہ مقرر کر دیتے جس طرح حضرت ابوبکرؓ نے کرنے کی کوشش کی

یہ محال عقلی ہے یا نہیں۔

یہ مسلمات تاریخیہ میں سے ہے کہ حضرات شیخین تجہیز و تکفین رسول کو چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ میں معرکہ آرائی کے لئے چلے گئے۔

فلما فرغ ابو بکر من البیعة رجع الی المسجد فقعد علی المنبر فبا یعه النا س حتیٰ امسیٰ و شغلوا عن دفن رسول الله صلعم حتیٰ کان اخر اللیل من لیلة الثلثاء من الصبح

جب حضرت ابوبکر کو بیعت سے فراغت ہوئی تو وہ سقیفہ بنی ساعدہ سے واپس ہوئے اور مسجد نبوی میں منبر پر تشریف لے گئے اور وہاں بھی لوگ انکی بیعت کرتے رہے حتیٰ کہ دن گذر گیا اور اس مشغولیت نے لوگوں کو دفن رسولؐ میں شریک ہونے سے محروم رکھا آخر شب شنبہ و صبح تک حضرت ابوبکر اخذ بیعت میں مشغول رہے۔

حسین دریار بکری:۔ تاریخ خمیس الجزء الثانی ص ۱۸۸

الفاروق حصہ اوّل ص ۶۵۔ ابن حجر مکی صواعق محرقہ مقدمہ ثانیہ صہ ۵

عن عروة قا ل ابو بکر و عمر رضی الله عنها لم یشهدا دفن النبی صلعم و کا ن نا فی الانصار فد فن قبل ان یر جعا۔

عروہ سے مروی ہے کہ پیغمبرؐ کے دفن کے وقت حضرات ابوبکر و عمر موجود نہ تھے بلکہ اس وقت وہ دونوں مجمع انصار میں خلافت کے لئے جھگڑ رہے تھے اور ان دونوں حضرات کے وہاں سے آنے سے پہلے جناب رسولؐ خدا دفن ہو چکے تھے۔

☆ علی المتقی کنز العمال الجزء الثالث حرف الخا

☆ کتاب الخلافت ص ۱۴۰ حدیث ۲۳۲۸ سیرۃ الحلبیہ۔ الجزء الثالث ص ۳۹۲،۳۹۴

☆ محمد بن جریر الطبری: تاریخ الامم والملوک الجزء الثالث ص ۱۹۸ و ۲۰۱

☆ ابن الاثیر و تاریخ کامل الجزء الثانی ص ۱۲۳

اما وجود (ای الامام) علینا سمعاً فلوجهین انه تواتر اجماع المسلمین فی الصدر الاول بعد وفات النبی علے امتناع خلو الوقت عن خلیفه و امام حق حتی قال ابو بکر فی خطبه المشهوده الا ان محمدً اقدمات ولا بد لهذ الدین ممن یقوم به فیها فبادر الکل الی قبوله ولم یقل احد لا حاجته الی بنی ساعده و تر کواهم الاشیاء وهو دفن رسول الله۔

شرح مواقف

امام کا ہمارے لئے عقلاً و سماعاً واجب ہونا دو وجہ سے ہے ایک یہ کہ اس پر اجماع مسلمین کا یہ تواتر ثابت ہے کہ زمانہ اولی یعنی بعد وفات نبی صلعم

سے کوئی وقت خلیفہ اور امام حق سے خالی نہیں رہا چنانچہ حضرت ابو بکر نے اپنے مشہور خطبہ میں کہا تھا کہ خبردار! محمدؐ تو وفات پا گئے مگر اُمت کے لئے ضروری ہے کہ اس دین کا قائم رکھنے والا ایک نہ ایک موجود ہو تو سب نے قبول کیا۔ اور یہ نہیں کہا کہ اب اس کی ضرورت نہیں بلکہ سب اس پر متفق ہو کر سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو گئے اور اس کام کے آگے سب سے زیادہ اہم کام یعنی دفن رسول کو بھی صحابہ نے ترک کر دیا۔

ان بزرگواروں کی منطق ایسی ہوتی ہے کہ خواہ مخواہ بھی ہم کو اپنا جملہ معترضہ بیچ میں ڈالنا پڑتا ہے۔ جناب رسولؐ خدا کی رحلت کے بعد تو یک لخت حضرت ابو بکر کو امام کی ضرورت کا خیال پیدا ہو گیا جب یہی بات جناب رسولؐ خدا نے اپنے مرض الموت میں فرمائی تھی اور جانشین کی بابت وصیت تحریر کرنی چاہی تو کیوں یہ بزرگوار مانع ہوئے حسبنا کتاب اللہ کہہ کر مخالفت کی۔ جناب رسولؐ خدا کی رحلت کے بعد کتاب اللہ کہاں گئی اور فقرہ حسبنا کتاب اللہ کیوں یاد نہ رہا بجائے سقیفہ بنی ساعدہ میں جا کر اپنی تعریف کرنے کے مسجد نبوی میں قرآن لے کر بیٹھ جاتے کہ آؤ اس کے مطابق فیصلہ کریں۔ غرضیکہ معلوم ہوا کہ یہ طے شدہ امر ہے کہ تقرر جانشین رسولؐ بہت اہم فریضہ تھا اور اس کا احساس تمام امت کو تھا اب حضرت ابو بکر کا انتقال ہوتا ہے۔ وہ ضرورت امام کو محسوس کر کے حضرت عمر کو اپنا خلیفہ مقرر کرتے ہیں۔ یہی نہیں کہ ان کو اس ضرورت کا احساس تھا بلکہ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ خداوند تعالیٰ کے یہاں اس کی باز پرس ہو گی کہ تم نے میری مخلوق پر کیسے آدمی کو حاکم مقرر کیا تھا۔

حدثنا ابن حمید قال حدثنا سلمه عن ابن اسحاق عن الزهری عن القاسم بن محمد عن اسماء بنت

عمیس قالت دخل طلحة بن عبدالله علی ابی بکر فقال استخلفت علی الناس عمر و قد رایت ما یلحق الناس منه وانت معه فکیف به اذا خلا بھه وانت لاق ربک فسالک عن رعیتک فقال ابو بکر وکان مضجعاً اجلسونی فا جلسوه فقال لطلحه ابا لله تخوفنی اذا لقیت الله ربی فسألنی قلت استخلفت علی اھلک خیر اھلک۔

اسماء بنت عمیس زوجہ ابوبکر کہتی ہیں کہ طلحہ حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور کہا کہ تم نے عمر کو لوگوں پر حاکم بنا دیا ہے۔ حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ جب تم موجود تھے تب بھی لوگوں نے ان سے کیا دُکھ اٹھائے اور اب کیا ہوگا کہ تم موجود نہ ہوگے اور وہ خود مختار ہوں گے تم اپنے پروردگار سے ملنے والے ہو اور وہ تم سے تمہاری رعایا کے متعلق سوال کریگا ابوبکر اس وقت لیٹے ہوئے تھے انہوں نے کہا کہ مجھے اٹھا کر بٹھا دو لوگوں نے انہیں اٹھا کر بٹھا دیا تو انہوں نے طلحہ سے کہا کہ تو مجھ کو خدا سے ڈراتا ہے جب میں اپنے خدا سے ملوں گا تو کہوں گا کہ میں نے تیری مخلوق پر تیرے بہترین بندے کو حاکم بنا دیا ہے۔

☆ محمد بن جریر الطبری: تاریخ الامم والملوک الجزء الرابع صہ ۵۴

☆ حسین دیار بکری: تاریخ الخمیس الجزء الثانی ص ۲۶۹

دخل علیه المھاجرون والانصار حین

استخلفت علینا عمر و قد عرفته و علمت بوائقه فینا وانت بین اظهر نافکیف اذا ولیت علینا وانت لاق الله فسأ لک فما انت فائل۔

جب مہاجرین وانصار نے سنا کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو خلیفہ مقرر کر دیا ہے تو وہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور کہا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ تم نے ہمارے اوپر عمرؓ کو حاکم مقرر کر دیا ہے حالانکہ آپ عمرؓ کو جانتے ہیں اور ان مظالم وفتنہ وفساد سے بھی آگاہ ہیں جو عمرؓ نے ہمارے اوپر کیے ہیں۔

یہ تو جب تھا کہ تم ہم میں تھے جب تم نہ ہو گے تو وہ کیا کچھ نہ کر ڈالیں گے۔تم اب خدا سے ملاقات کرنے والے ہو جب خدا تم سے پوچھے گا تو تم کیا جواب دو گے؟

☆ ابن قیتبہ:۔کتاب الامامتہ والسیاستہ ص ۱۹

جماعت اہل حکومت کے ہندی مورخوں میں سے مولوی شبلی مرحوم بہت پایہ کے مؤرخ سمجھے گئے ہیں جنھوں نے تاریخ ومناظرہ کو اچھی طرح خلط ملط کر کے دونوں کو خوب مسخ کیا ہے انہوں نے الفاروق میں لکھا ہے۔"حضرت ابوبکرؓ کو مدتوں کے تجربہ سے یقین ہو گیا تھا کہ خلافت کا بارِ گران حضرت عمرؓ کے سوا اور کسی سے اٹھ نہیں سکتا" الفاروق حصہ اوّل مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ ص ۷۲۔یہاں اتنا ہی ضروری تھا مدتوں کے تجربہ کی بجائے اگر سقیفہ بنی ساعدہ کا تجربہ کہتے تو زیادہ صحیح تھا۔بہر حال مدت خلافت ہی کو لے لیں۔حضرت ابوبکرؓ کو اپنی ڈھائی سال کی خلافت کے تجربہ سے تو حضرت عمر کی لیاقت معلوم ہو گئی لیکن جناب رسولؐ خدا کو اپنے عمر بھر کے تعلقات سے حضرت علیؑ کی لیاقت نہ معلوم ہوئی ۔کاش حضرت عمرؓ ہی کی لیاقت معلوم ہو جاتی کسی کو خلیفہ تو مقرر کر جاتے!! اب حضرت عمرؓ کا وقت آتا ہے۔ان کا تو کہنا ہی کیا ہے۔وہ تو ہر وقت اپنے جانشین کے انتخاب کی فکر میں غلط و پیچان رہتے تھے

مولوی شبلی کہتے ہیں۔

"اس وقت اسلام کے حق میں جو سب سے اہم کام تھا وہ ایک خلیفہ کا انتخاب کرنا تھا تمام صحابہ بار بار حضرت عمرؓ سے درخواست کرتے تھے کہ اس مہم کو آپ طے کر جائیں حضرت عمرؓ نے خلافت کے معاملے کو مدتوں غور کیا تھا اور اکثر اس کو سوچا کرتے تھے بار بار لوگوں نے ان کو اس حالت میں دیکھا کہ سب سے الگ متفکر بیٹھے ہیں اور کچھ سوچ رہے ہیں دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خلافت کے باب میں غلطان و پیچاں ہیں" الفاروق حصہ اوّل صہ ۲۰۳ کتاب امامتہ والسیاستہ ص ۲۲ اور تاریخ طبری ج ۵ ص ۳۴ میں حضرت عمر کے آخری وقت کے بارے میں مرقوم ہے:

ثقیفہ بنی ساعدہ میں تو (سو) مسلمان بھی نہ تھا جبکہ غدیر خم میں (سوا لاکھ) کا جم غفیر تھا جو سب راوی بھی ہیں

ابن عمر کہتے ہیں کہ جب میرے والد زخمی ہوئے تو میں ان کے حضور میں حاضر ہوا لوگوں نے ان کی تعریف کی اور کہا کہ خداوند تعالیٰ تم کو جزائے خیر دے۔ میرے باپ نے کہا کہ لوگ دو قسم کے ہوتے ہیں محبت کرنے والے اور ڈرنے والے (یعنی تم جو میری تعریف کرتے ہو میرے ڈر کی وجہ سے کرتے ہو) لوگوں نے کہا کہ آپ اپنا جانشین مقرر کریں میرے باپ نے کہا کہ کیا تم اپنے اس امر کا بوجھ میرے اوپر حالت حیات و ممات میں رکھنا چاہتے ہوں حالانکہ میری خواہش ہے کہ کاش امر خلافت سے میرا حصہ برابر کا

رہتا نہ میرا اس سے کچھ نقصان ہوتا اور نہ مجھ کو اس سے کچھ نفع پہنچتا۔ اگر میں اپنا جانشین مقرر کروں تو بہ تحقیق جانشین مقرر کیا اس نے جو مجھ سے بہتر تھا یعنی ابوبکرؓ اور اگر میں تم کو بغیر خلیفہ کے چھوڑ دوں تو بہ تحقیق چھوڑا تم کو بغیر خلیفہ کے اس نے جو کچھ مجھ سے بہتر تھا یعنی جناب رسولؐ خدا۔ عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ میرے باپ نے جب رسولؐ اللہ کا حوالہ دیا تو میں سمجھا کہ وہ اپنا جانشین مقرر نہیں کریں گے۔



امام نووی شارح صحیح مسلم اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں

اس حدیث سے یہ دلیل ظاہر ہوئی کہ بہ تحقیق جناب رسولؐ خدا نے اپنا جانشین مقرر نہیں فرمایا اور اس ہی عقیدہ پر اہلسنت و جماعت کا اجماع ہے۔ قاضی کہتے ہیں کہ اس کی مخالفت بکر پسر خواہر عبدالواحد نے کی ہے اس کا گمان ہے کہ رسولؐ خدا نے ابوبکر کے اوپر نص کی تھی اور شیعہ و روافض کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے علیؑ کو اپنا خلیفہ مقرر فرمایا تھا لیکن یہ سب دعویٰ باطل اور افراء ہیں۔ اور یہ دلیری ہے امور محسوسہ میں جھگڑنے کی...... پس جو شخص گمان کرے کہ ان میں سے کسی کے لئے آنحضرتؐ نے وصیت کی تھی تو اس نے اُمت کو خطاء پر اجماع کرنے کا الزام لگایا اور اہل قبلہ میں سے کسی کے لئے یہ کب جائز ہوگا کہ وہ صحابہ کو جھوٹ پر اجماع کرنے کی تہمت دے اور اگر کچھ ہوتا تو ہر آئینہ بیان کیا جاتا کیونکہ یہ امور مہمہ میں سے ہے۔

حضرت عمر کا یہ قول اور یہ عقیدہ ہر ایک بڑی تاریخ کی کتاب میں درج ہے ملاحظہ ہو

(کتاب الامامتہ والسیاستہ ص ۲۲، تاریخ الامم والملوک الجزء الخامس ص ۳۴، کتاب الاحکام، باب استخلاف، فتح الباری الجزء الثالث عشر ص ۱۷۷، مسند ابی داؤد طیالسی ص ۷ حدیث ۲۷، الجزالثانی ص ۵۹ حدیث ۴۴۱، الجزء الثامن ص ۲۶۵ حدیث ۹۱۶۹، صواعق محرقہ باب الاول فصل الربع ص ۱۵، شرح نہج البلاغہ الجزء الاول ص ۳، ۶۲، تاریخ الکامل الجزء الثالث ص ۲۵، الجزج ء الاول ص ۴۳، ۴۶، ۴۷، الجزالسادس ص ۱۹۳، تاریخ الخمیس الجزء الثانی ص ۲۲۲، سیرۃ الحلبیہ، الجزء الثالث ص ۳۱۰، القول المستحسن فی فکر الحسن مطبوعہ اُردو اخبار دہلی سنہ ۱۸۵۱، ص ۲۲۱، ۲۲۲، شمس التواریخ ص ۱۱۹۲، مطبوعہ مصر الجزء السادس الاستخلاف والترکہ ص ۴، ۵، قرۃ العینین مطبوعہ مطبع مجتبائی ص ۲۳۶، اسلام کا نظامِ حکومت ص ۲۰۳، تاریخ عمر بن الخطاب الباب الخامس والستون ص ۱۵۳، تاریخ السلام السیاسی ص ۳۳۲، جمع الفوائد من جامع الاصول وجمع الزوائد الجلد الاول ص ۳۲۱)

ان لوگوں کے لئے جن کو محض سقیفہ بنی ساعدہ کے ذریعہ سے حکومت ملی تھی۔ یہی اعتقاد مناسب تھا۔ دراصل سوادِ اعظم میں اس اعتقاد کا باعث یہی سقیفہ بنی ساعدہ کا اجلاس تھا۔

اب ہمارے سوالات

الف۔ آنحضرت کو ضرورت خلیفہ کا احساس تھا یا نہیں؟

ب۔ آپ نے کیوں خود خلیفہ مقرر نہیں کیا؟

ج۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں اجتماع کس کے حکم یا کس اطلاع کے ماتحت ہوا؟

د۔ اس وقت کل مسلمانوں کی تعداد کیا تھی اور سقیفہ بنی ساعدہ میں خلیفہ مقرر کرنے والے کتنے آدمی تھے۔ حجۃ الوداع میں آنحضرتؐ کے ساتھ ایک لاکھ کے قریب مجمع بیان کیا جاتا ہے۔ سقیفہ میں تو سو آدمی بھی نہ تھے۔

ہ۔ کیا مسلمانوں میں صرف چند اشخاص یا جماعتوں کو خلیفہ مقرر کرنے کا حق حاصل تھا وہ کون کون سے آدمی تھے یا جماعتیں تھیں اور کس نے ان کو یہ اختیار دیا تھا۔

و۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں اس وقت بنو ہاشم میں سے ایک آدمی بھی موجود نہ تھا یہ کیوں ایسا ہوا۔ کیا بنو ہاشم کو اس امر میں رائے دینے کا حق حاصل نہ تھا۔

ز۔ اہلبیتِ رسولؐ جن کی عظمت و کرامت کلام الٰہی و قول رسولؐ سے ظاہر ہے۔ اور جن کی محبت اجر رسالت قرار پا کر تمام اُمت پر فرض کی گئی وہ کیوں اس اجماع میں شریک اور مدعو نہ کیے گئے۔

ح۔ اس اجتماع کے وقت تاریخ کا اعلان قبل از انعقاد کیوں نہ کیا گیا۔ تا کہ جمہور مسلمین اس میں حصہ لے سکتے؟

ط۔ اس مسلمانوں کے اہم اجتماع کے لئے زمانہ جاہلیت کا وہ محل و مقام کیوں منتخب کیا گیا

جہاں ڈاکہ ڈالنے اور گناہ کرنے کے لئے خفیہ سازشیں ہوا کرتی تھیں۔ مسجد نبوی کو اس غرض کے لئے کیوں نہ منتخب کیا گیا۔ جہاں مسلمانوں کا زیادہ تعداد میں جمع ہونا آسان تھا۔ مقام رسول بھی وہیں تھا۔ تجہیز و تکفین رسول بھی وہیں ہو رہی تھی؟

ی۔ مسجد نبوی کے قریب اہلبیت رسول تھے بنو ہاشم وہیں تھے۔ اس کو ترک کیا گیا۔ ایک خفیہ و مکروہ مقام و ناموزوں وقت بغیر اطلاع و مشورہ عام کے مقرر کیا گیا۔ جب حضرت علیؑ و بنو ہاشم تجہیز و تکفین رسولؐ میں مشغول تھے اور اس کو ادھورا نہیں چھوڑ سکتے تھے اگر حضرت علیؑ کے لئے کوئی نصِ رسولؐ نہ تھی تو پھر ان کو اس احتیاط کے ساتھ اُس اجتماع سے کیوں دُور رکھا گیا؟

ک۔ محض اس موقعہ کے لئے مسجد رسولؐ کو ترک کرنا اور زیادہ معنے خیز ہو جاتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس سے پہلے اور اس کے بعد ہمیشہ مسجد رسولؐ ہی میں ایسے اجتماع ہوتے رہے ہیں۔ امر واقعہ تو یہ ہے کہ ساری تاریخ اسلام میں سقیفہ بنی ساعدہ میں ایسا اجتماع پہلا اور آخری یہ ہی ایک تھا۔

ل۔ ایسے نامکمل و ناقص و خفیہ اجتماع میں کہاں سے اور کیوں یہ قدوسیت آ گئی کہ عقل کا مُنہ اور بحث و تمحیص کا دروازہ یہ کہہ کر بند کیا جاتا ہے کہ اگر کچھ نکتہ چینی کی تو اُس اجماع کی شکستگی لازم آ جائے گی۔ اس اجماع کے لئے نہ تو نص قرآنی ہے اور نہ قول رسولؐ۔

م۔ اگر اس اجماع میں ایسی قدوسیت ہے جیسی کہ سمجھی گئی ہے تو حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ نے کیوں اس کی طرف رجوع نہیں کیا۔

ن۔ آنحضرتؐ کے متعدد اقوال وغدیر خم کا عظیم الشان اجتماع وخطبہ جو عام طور سے حضرت علیؑ کے تقرر کے ثبوت میں پیش کئے جاتے ہیں امام غزالی کی بحث سے بالکل معدوم ہیں۔

اس موضوع کی ضروری اور قابل بحث امور کے تذکرہ کو نظر انداز کرنا امام غزالی کے منطق کی کمزوری کا ایک پہلو ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ جو دلائل انہوں نے اپنی بحث میں بیان کیے ہیں۔ وہ کہاں تک درست ہیں۔ انہوں نے عدم استخلاف کے ثبوت میں مندرجہ ذیل دلائل پیش کیے ہیں۔

ا۔ اگر کوئی نص ہوتی تو ہم تک ضرور پہنچتی۔ جس طرح کہ آنحضرتؐ کے مختلف امراء وحکام و افسران فوج کا مقرر کرنا ہم تک پہنچتا ہے۔

۲۔ یا اگر ایک دفعہ وہ نص ظاہر ہو گئی تھی تو اب کیوں معدم ہو گئی۔

۳۔ اس فرض کرنے سے کہ آنحضرتؐ نے کسی شخص کے لئے نص بیان فرمائی تھی۔ اور اس کو خلیفہ اپنا مقرر کر دیا تھا دو الزام عائد ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ صحابہ نے آپ کے حکم کی نافرمانی کی۔ دُوسرے یہ کہ سقیفہ بنی ساعدہ کا اجتماع واجماع ناقص وشکستہ ہو جاتا ہے۔

ان دلائل کا نقص وضعف ایسا آشکارا ہے کہ اس کو تفصیل سے بیان کرنے سے ناظرین کی قوتِ استدلال کی ہتک ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ یہ دلائل امام غزالی جیسے جید فلاسفر منطقی ومفکر کے دماغ سے نکلے ہیں۔ لہذا ہم کو ان کی اصلیت کا اظہار کرنا پڑا۔ جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ ہم تک کوئی ایسی نص پہنچی اور اب موجود نہیں ہے اس وقت تک دلائل بے معنی ہیں۔ ایک فریق تو بانگِ دُہل کہہ رہا ہے کہ ایسی بہت سی نصوص ہیں۔ ہم تک پہنچی ہیں وہ ان کی تشریح وتفصیل بھی کر رہا ہے یہ ثابت کیے بغیر

کہ وہ نصوص غلط اور غیر معتبر ہیں یہ حکم صادر کرنا کہ کوئی نصوص موجود نہیں ہے اپنے دعوے کو ثابت کرنے کی بے سود کوشش ہے۔ علاوہ اس کے یہ دلیل بھی تو کیسی کمزور ہے۔ آنحضرتؐ نے جو امراء فوج و حکام زکوۃ و تعلیم مقرر کئے ان کے نام کے چھپانے کی تو کسی کے لئے کوئی وجہ ہی نہ تھی۔ حضرت علیؑ کے حق میں جو بے شمار نصوص ہیں ان کے مٹانے کے لئے تو ہر ایک حکومت شروع ہی سے اپنی انتہائی جدوجہد کرتی رہی ہے۔ ترغیب سے، ترہیب سے، لالچ سے، سزا کے ڈر سے، لوگوں کو روکا گیا اور منع کیا گیا کہ وہ یہ نصوص بیان نہ کریں بلکہ ان کی تردید کریں۔ ان دونوں میں کوئی وجہ تشبیہہ ہی موجود نہیں۔ پھر مشابہت بے کار ہے۔ تیسری دلیل تو کچھ ہے ہی نہیں۔ اگر وہ نصوص موجود ہیں اور واقعی اُن کی مخالفت کی گئی ہے تو پھر مورخ کی شان سے بعید ہے کہ وہ حق سے صرف اس وجہ سے اعراض کرے کہ اس کے قبول کرنے سے صحابہ و اجماع کے متعلق جو اس کے اعتقادات ہیں وہ متزلزل ہو جائیں گے۔ اگر واقعات عقیدہ کے خلاف ہیں تو عقیدہ کی ترمیم ضروری ہے نہ کہ واقعات کا اخفاء یا اُن کا انکار۔

تو میں جواب دیتا کہ اے میرے رب اس کو مقرر کیا ہے جس کی بابت تیرے بندہ اور رسول کو میں نے یہ کہتے سنا تھا کہ قیامت کے دن معاذ بن جبل علماء کے گروہ میں ہوگا۔ یا اگر خالد بن ولید زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ مقرر کرتا اور جب میں خدا کے حضور میں حاضر ہوتا اور وہ مجھ سے دریافت کرتا محمد کی امت پر کس کو حاکم مقرر کیا ہے تو میں جواب دیتا کہ اے میرے خدا اس کو جس کی بابت میں نے تیرے بندہ اور رسول کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ خالد بن ولید خدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں جس کو خدا نے مشرکین پر کھینچ رکھا ہے ابن قیتبہ۔

جناب رسول خدا کی آنکھ بند ہوتے

ھی حضرت ابو بکرؓ کو بھی خیال آگیا

حضرت عمرؓ کو بھی خیال آ گیا انصار کو بھی خیال آ گیا۔ غرض کہ امت کے بچے بچے کو یقینہو گیا کہ تقرر جانشین رسول و والی امور مسلمین ضروری ہے بغیر کسی اور کے جتانے کے یہ خیال آ گیا۔ جناب رسول خداؐ نے اپنے مرض الموت میں اسی ضرورت کیطرف توجہ دلا کر اپنی وصیت لکھنی چاہی تو فرما دیا گیا کہ یہ تو مرض کے ہذیان کی وجہ سے آنحضرتؐ فرما رہے ہیں ہمارے لئے محض کتاب خدا ہی کافی ہے۔ جب آنحضرتؐ نے انتقال فرمایا تو سب کو یک لخت خیال آ گیا امت کے لئے تو ایک ہادی و حاکم کی ضرورت ہے پھر ان بزرگوں میں سے کسی نے نہ کہا کہ حسبنا کتاب اللہ اور نہ ہی اپنے اس قصیہ کے طے کرنے کے لئے کتابِ خدا کی طرف رجوع کیا۔ اب تو حضرت عائشہ نے حضرت عمرؓ کو صلاح دی کہ محمدؐ کی امت کو بغیر نگہبان کے نہ چھوڑنا چاہئے ورنہ فتنہ و فساد پیدا ہوگا۔ اپنے شوہر بزرگوار سے یہ عرض کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ دو اور دو چار کی طرح نتیجہ نکلا کہ آنحضرت سے یہ کسی نے اس وجہ سے عرض نہ کیا کہ سب کو معلوم کہ آنحضرت علیؑ کو اپنا جانشین مقرر فرما چکے ہیں ابھی دو مہینے کے قریب ہی عرصہ گذرا کہ اس کا اعلان بھی کر دیا ہے۔

اب ان سے کیا پوچھیں اور ان کو کیا صلاح دیں۔ اب تو اس جماعت کا واحد مقصد یہ تھا کہ کسی تدبیر سے حضرت علیؑ کو حکومت نہ ملے۔ فقرہ حسبنا کتاب اللہ اپنے وقت پر کام کر چکا تھا۔ اب اس کی نہ ضرورت تھی اور نہ ہی اس سے اس مقصد میں کچھ نفع حاصل ہو سکتا تھا یا دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ آنحضرتؐ پر بھروسہ نہیں تھا کہ صحیح انتخاب فرمائیں گے لہٰذا ان سے یہ عرض نہ کی۔ حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ پر بھروسہ تھا لہٰذا ان سے امت کے لوگوں نے بھی اور حضرت عائشہ نے بھی عرض کی کہ آپ اپنا جانشین مقرر کر دیں۔ یہ ہم ناظرین پر چھوڑتے ہیں کہ فیصلہ کریں کہ ان

دونوں میں سے کونسی صحیح و درست وجہ تھی ایک اور بات بھی ملاحظہ ہو۔ جو کل کے مسلمان تھے ان کو تو یہ ڈر اور خیال پیدا ہوا کہ مرنے کے بعد ہم سے خداوند تعالیٰ دریافت کرے گا کہ تم نے محمدؐ کی امت پر کس کو حکم اور والی مقرر کیا لیکن خود محمدؐ کو نہ یہ ڈر ہوا اور نہ یہ خیال پیدا ہوا کہ مجھ سے یہ سوال خداوند تعالیٰ کے دربار میں کیا جائے گا کیا آپ اس کو مانتے ہیں اور اگر جناب رسولِ خدا کا خیال ادھر نہ گیا تھا تو خداوند تعالیٰ کو بھی یاد نہ آیا اور اپنے نبی کے جانشین کا انتظام نہ کیا۔ معراج میں اپنے پاس بلایا۔ اتنا نزدیک کہ **فکان قاب قوسین او ادنی** راز و نیاز کی باتیں کیں۔ **فا وحی الی عبدہ ما اوحی** ۔اور یہی بتانا بھول گئے حالانکہ اپنے پہلے سب انبیاء کے لئے ان کو جانشین کا انتظام کرالیا تھا۔ اب فرمایئے عدم استخلاف کا عقیدہ محال عقلی ہے یا نہیں۔ غور کیجئے کیا اس کے برخلاف یہ عقیدہ مطابق عقل و واقعات ہے یا نہیں جناب رسولؐ خدا کا تعلق خداوند تعالیٰ سے براہِ راست بذریعہ وحی تھا۔ اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے رسول مقرر کر کے بھیجا تھا۔

اس رسولؐ کی جتنی عمر ہوئی تھی وہ بھی اسے معلوم تھا۔ یہ بھی معلوم تھا کہ دس یا بیس سال کی تعلیم میں ان لوگوں کے دلوں میں ایمان ناممکن ہے اس رسولؐ کے بعد بھی ہدایت کی ضرورت ہوگی۔ لہٰذا اس نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ تمہارے بعد تمہارا جانشین علیؑ ہوگا اس کا اعلان کر دو۔ آنحضرتؐ نے بمقام غدیر خم اس حکم کی تعمیل نہایت عمدہ طریقہ پر کر دی اور بری الذمہ ہو گئے۔ امت کی اکثریت نے بوجوہات چند در چند جس کا ذکر اس کتاب میں کیا گیا ہے۔ اس حکم سے سرتابی کی۔ قرآن حکیم کا تو یہ دعویٰ ہے کہ ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین (پارہ نمبر ۷ سورۃ انعام ع) لیکن قرآن شریف کو الہامی کتاب ماننے والے اس کو کتاب اللہ جاننے والے۔ اس کی جامعیت کے قائل حسبنا کتاب اللہ کہنے والے کہتے ہیں کہ نہیں۔ اس میں جانشینی رسول کا تذکرہ کہیں نہیں ہے رطب و یابس اس میں ہے ہوا کرے۔ جانشینی اس قابل نہیں کہ اس میں جگہ پائے اگر تم یہ کہتے ہو تو پھر حسبنا کتاب اللہ کا دعویٰ کیسا۔ جانشینی رسول کا تو

وہ مسئلہ تھا جس نے شجر اسلام کی جڑ کو ہلا دیا۔

اس کی وجہ سے ایسے افتراق دین میں پڑا کہ قیامت تک یہ رخنہ اس میں قائم رہے گا اتنا کشت وخون ہوا کہ دنیائے اسلام کے ایک ایک گھر سے اب تک رونے کی صدا آتی ہے۔ مسلمانوں کے لئے اتنے عظیم الشان اور دُور رس نتائج اپنے میں مضمر رکھنے والا مسئلہ اور مسلمانوں کی اس الہامی کتاب میں اس پر کوئی حکم نہ صادر کیا گا ہو جس کتاب کا دعویٰ یہ ہے کہ ہر ایک رطب و یابس کا ذکر اس میں اور اس کتاب کی بیجا خاموشی کا ادعا وہ فرقہ کرے جس کا مرشد اعظم جناب رسولؐ خدا کے بستر مرگ پر یہ کہے کہ حسبنا کتاب اللہ۔ یہی نہیں کہ صرف اس جماعت ہی کا یہ ادعا ہے کہ جانشینی رسولؐ کا تذکرہ کتاب اللہ و احادیثِ رسولؐ میں نہیں ہے بلکہ خود حسبنا کتاب اللہ کہنے والا کہہ گیا کہ جانشینی رسولؐ کا کرنہ تو قرآن میں ہے اور نہ اقوال رسولؐ میں۔ اسی ہی وجہ سے تو ہم نے سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر اس کا تصفیہ کیا عقلِ انسانی حیران ہے کہ کس کو زیادہ نظر استعجاب و حیرت سے دیکھے۔ آیا آنحضرتؐ کے اس مزعومہ فعل اور قرآن شریف کی اس مفروضہ خاموشی کو، یا مسلمانوں کی اس دیدہ دلیری کو کہ اپنے رسول اور اپنے خدا کے ذمہ یہ الزام لگاتے ہیں۔ چونکہ جماعت اہل حکومت نے سقیفہ بنی ساعدہ کے قائم کردہ حکام کی اطاعت کو اپنا مذہب بنالیا ہے۔

لہٰذا سقیفہ بنی ساعدہ کی کاروائی کی جوازیت کو برقرار رکھنا اپنا ایمان سمجھتے ہیں یا تو جان بوجھ کر انجان بنتے ہیں یا جوش مذہب سقیفہ سے مغلوب ہو کر ان کی عقل اس الزام کو دیکھ ہی نہیں سکتی جو آنحضرتؐ پر اس بے توجہی و غفلت کی وجہ سے عائد ہوتا ہے۔ کفارِ مکہ کہا کرتے تھے کہ (معاذ اللہ) محمد (صلعم) تو فقط دنیا کی وجاہت اور اپنے عیش و آرام کے طالب ہیں کس کا دین کس کی وحی۔ کیسا جبرئیل۔ یہ تو ساری کہانی ہے سقیفہ کے مسلمانوں کا یہ کہنا کہ حضرت ابوبکرؓ نے محبتِ اسلام

کی وجہ سے جناب رسولؐ خدا کے جانشین مقرر کرنے کی طرف توجہ کی۔ اس ہی وجہ سے اپنا جانشین مقرر کیا۔ حضرت عمر اس ہی فکر میں، ہمشہ غلطان و پیچاں رہے کہ کس کو امتِ محمدؐ کا والی و حاکم اپنے بعد مقرر کریں حضرت عائشہ کو بھی پہلا خیال یہ آیا کہ امت محمدؐ بغیر نگہبان و محافظ کے نہ چھوڑی جائے لیکن جناب رسولِ خدا نے اس طرف مطلق توجہ نہ کی۔ نہ تو خود اپنا جانشین مقرر کیا اور نہ امت کو بتایا کہ کس کو یا کس طرح یا کن اصول کو مدِ نظر رکھ کر اپنا ولی و حاکم مقرر کرنا۔ کفار و منافقین کی اس لزام کی تائید کرتا ہے۔

علاوہ اس کے اسلام کا متعدد فرقوں میں منقسم و متفرق ہو کر کمزور ہو جانے اور قرآن شریف کے صحیح معانی کا بہت سی تاویلوں میں دب کر مفقود ہو جانے کا الزام بھی اس بے توجہی کی وجہ سے آنحضرتؐ پر عائد ہوتا ہے جب رسولؐ خدا نے اپنا اصلی جانشین نہ منتخب کیا اور قرآن شریف کی صحیح تاویل جاننے اور علم کامل رکھنے والے شخص کا نشان اپنی امت کو نہ بتایا تو امت کا ہر شخص حق بجانب تھا کہ خلیفہء رسولؐ ہونے کا دعویٰ اور قرآن حکیم کے صحیح علم رکھنے کا ادعا کرے اور لوگ حق بجانب تھے کہ جس کو جی چاہے اپنا خلیفہ مانیں اور جس کو جی چاہے اپنا خلیفہ نہ مانیں۔ قرآن حکیم کی جو تاویل ان کے وقتی اور دنیا وی فوائد کی مدد و معاون ہو اس کو قبول کریں اور جو تاویل ان کے مقاصد کے خلاف ہو اس کو رد کریں۔ چنانچہ عدم استخلاف کے مغالطہ کے عام ہو جانے کی وجہ سے ایسا ہی ہوا اور اسلام صدہا فرقوں میں منقسم ہو گیا۔ یہاں تک کہ جن اصولوں پر ہر ایک شخص کو خلیفہء رسولؐ بننے کا مجاز سمجھا گیا۔ ان ہی اصولوں پر زیادہ ہمت و جرأت رکھنے والے انسانوں کے دل میں نبی بننے کا شوق پیدا ہونے لگا۔

عوام الناس عقیدۂ استخلاف کے خلاف عام طور سے دو اعتراض کیا کرتے

ھیں وہ یہ ھیں

(۱) یہ مان لینے سے کہ جناب رسولِ خداؐ کی رحلت کے بعد امت کے اکثریت نے حضرت علیؑ کی حکومت سے اعراض کر کے عصیانِ خدا اور رسول کیا۔ جناب رسولِ خداؐ کی تعلیم پر الزام لازم آتا ہے کیا آپ کی تعلیم کا اتنا ہی اثر تھا کہ ادھر آپ کی آنکھ بند ہوئی ادھر امت کی اکثریت نے رجعت قہقری کی؟

(۲) اگر خدا اور رسولؐ نے حضرت علیؑ کو خلیفہ منتخب فرما دیا تھا تو کیا حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ ان سے بھی زیادہ طاقت و قدرت والے تھے کہ مشیت ایزدی کو چلنے نہ دیا اور خود خلیفہ بن گئے۔

یہ دونوں اعتراضات جہلاؑ کے ہیں۔ علماء کبھی ایسے اعتراض نہیں کریں گے چونکہ آج کل کے بڑے بڑے تعلیم یافتہ حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں لہٰذا ہم ان کا جواب دیتے ہیں۔

اعتراض اول: آنحضرتؐ کو اپنی نبوت کے تیئس سال میں سے صرف دس سال آزادی سے کام کرنے کے ملے تھے اور ابھی صرف دو سال ہی ہوئے تھے کہ مکہ فتح ہوا تھا۔ اس قلیل عرصہ میں عرب قوم کی فطرت کی تبدیلی ناممکن تھی اور نہ یہ آپ کا ارادہ تھا اور نہ ہی یہ مشیت الٰہی تھی علامہ مشرقی اپنی معرکۃ الآراء تصنیف یعنی تذکرہ میں قرآن کریم اور جناب رسول خداؐ کی تعلیم نے جو عرب کی حالت میں تبدیلیاں پیدا کر دی تھیں اس کا مختصر ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

"یہ سب کچھ اسلام اور قرآن کا ناقابل انکار معجزہ تھا۔ مگر عرب کی جہالت اور طبیعت کو کون بدل سکتا تھا وہ عادتیں اور خاصیتیں جو ان کی فطر

ت میں ہزار در ہزار برس پہلے سے چلی آتی تھیں کس طرح چشم زدن میں ان سے رخصت ہوا کر اپنا نقش پا نہ چھوڑتیں وہ ملی اوصاف جو قرآن اور صدیوں پہلے ان کی مٹی میں خمیر ہو چکے تھے۔ ان کے طبعی میلان کا رکو. کیسے بے اثر چھوڑ دیتے قرآن اور متحد الاعمال تعلیم کی فدایانہ تعمیل میں عرب اپنا ظاہری عبادات ورسومات کو بدل سکتے تھے اپنے آبائی روایات و اعتقادات کو بادی النظر میں چھوڑ سکتے تھے۔ اپنے داخلی مناقشات اور قبائلی تنازعات کو علیٰ رؤس الاشہاد محو کر سکتے تھے۔ بلاغت وفصاحت کوذاتی ادعا کو بھی طوعاً و کرہاً خیر باد کہہ سکتے تھے مگر طبائع کے باطنی رجحان اور اصلی طریق تخیل کو ہرگز نہ بدل سکتے تھے وہ دراصل اس مٹی میں رہنے والے وہم زدہ لوگ اور قریب اس ہی آب و ہوا میں پلے ہوئے فرقہ بند آدمی تھے جنہوں نے وادی سینا میں موسیٰ علیہ السلام کی شریعت بیضا کو ہاتھ میں لیکر اس کی غیبت میں اپنی پرانی عادت کے مطابق اللہ سے انکار اور بچھڑے کی پرستش شروع کر دی تھی۔

تذکرہ مقدمہ ص ۶۷۔۶۸

جن الفاظ کے نیچے ہم نے لکیر کھینچ دی ہے ان پر غور کرنے سے مزید وضاحت ہوتی ہے کہ جتنی بھی تبدیلیاں عرب میں ہوئیں وہ بھی صرف ظاہری تھیں۔ اصل واندرونی وذاتی تبدیلیاں نہ تھیں جو کچھ بھی انہوں نے چھوڑا تھا اکراہ واجبار کے ساتھ چھوڑا تھا اپنی مرضی کے خلاف چھوڑا تھا حضرت موسیٰ کی تمثیل تشریح کرتی ہے کہ ذرا سا دباؤ ہٹنے کے بعد جو کچھ چھوڑا تھا وہ پھر عود کر آیا۔ جناب رسولؐ خدا کی تعلیم کا تو اتنا عظیم الشان اثر ہوا کہ یک لخت دس برس کے قلیل عرصہ میں تقریباً سارے عرب نے اپنے قدیمی خداؤں کو چھوڑ دیا

اور ایک خدا کو ماننے لگے اور اس تعلیم کا اثر تو آخر تک رہا۔ یہ تو زائل نہیں ہوا۔ مسلمان تو وہ رہے۔ اس بات کا ٹھیکہ جناب رسولؐ خدا نے نہیں لیا تھا کہ ان کو کبھی شیطان بہکا بھی نہ سکے دنیا کی زینت انہیں اپنی طرف کھینچ ہی نہ سکے وہ فرشتہ بن جائیں صدیوں کی آلائش صرف دس یا بیس سال اندر جاتی رہے ایسی ذمہ داری کسی پیغمبر نے نہیں لی اور نہ لے سکتا ہے۔ خداوند تعالیٰ کی حضوری میں صدیوں رہنے کے باوجود ابلیس کی اپنی ابلیسی فطرت باقی ہی رہی قرآن شریف وجہ بتا رہا ہے **کان من الجن** جن کی نافرمان اور متکبر فطرت نے اسے سجدہ کرنے باز رکھا یہ لوگ خدا کو ایک تو مانتے رہے پھر بتوں کی پرستش تو شروع نہیں کر دی اور اگر یہ بھی کر دیتے تو آنحضرتؐ کا کیا قصور تھا۔ محض چالیس راتوں کی غیر حاضرتی سے ساری امت موسوی بچھڑے کو پوجنے لگی اور موسیٰؑ کے خدا کو چھوڑ دیا۔ جب خطرہ محسوس ہوا تو حضرت عیسےؑ کے حواریوں تک نے ان کو چھوڑ دیا بہت سے ایسے اولوالعزم انبیاء و مرسلین ہوئے ہیں کہ ان کی مدتوں کی تعلیم کے باوجود صرف معدودے چند لوگ ایمان لائے اور آخر کار عذاب کی دعا فرمائی اور عذاب نازل ہوا۔ حضرت موسیٰؑ و حضرت عیسیٰؑ یا ان انبیاء و مرسلین کے اوپر تو کوئی الزام عائد نہیں ہوتا۔ ان کی تعلیم کا تو کچھ نقص نہ تھا زمین شور تھی سنبل نہ پیدا کر سکی۔

اعتراض نمبر دوم:۔ خداوند تعالیٰ کی مشیت ہمیشہ اپنے بندوں کے ساتھ نیک رہی ہے۔ نیک رہتی ہے نیک رہے گی۔ جب حضرت آدمؑ و حواؑ کو پیدا کیا تو میشت الٰہی یہی تھی کہ وہ دونوں باغات بہشت میں کوش و خرم رہیں خداوند تعالیٰ کی مشیت یہ ہرگز نہ تھی کہ شیطان ان کو ورغلا کر معصیت کا مرتکب کرے اور وہ دونوں مصیبت میں گرفتار ہوں۔ شیطان آیا اور ان کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ شیطان قدرت میں خداوند تعالیٰ سے زیادہ تھا۔ خداوند تعالیٰ انبیاء و مرسلین بھیجتا ہے تاکہ لوگ ہدایت پائیں لیکن باوجود اس کے بہت سے کافر رہتے ہیں اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ وہ خدا پر غالب آ گئے خداوند تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ دنیا معصیت میں گرفتار رہے۔ لیکن وہ رہتی ہے اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ گنہگار خداوند تعالیٰ سے بازی لے گئے۔ قضائے الٰہی صادر ہو چکی ہے کہ اس کی مخلوق اپنے افعال میں آزاد رہے گی تاکہ سزا و جزا

کا جائزہ ہونا قائم رہے۔ مشیت ایزدی میں چون وچرا کرنا ابلیس کی میراث ہے اور یہ اعتراض کہ حضرت علی کی حکومت پر لوگ کیوں متفق نہ ہوئے اس ہی قسم سے ہے اگر یہ اعتراض جائز ہے تو پھر یہ اعتراض بھی جائز ہوگا کہ حضرت ذکریا کو کیوں آرے سے چیرا جانے دیا۔ آرہ کشوں کے ہاتھ اسی وقت شل کیوں نہ ہو گئے کیوں حضرت عیسیٰ کو سولی کی نوبت آئی بجائے ان کو آسمان پر اٹھانے کے ان لوگوں ہی کو کیوں نہ مسلمان بنا دیا یا غارت نہ کر دیا۔ پیغمبروں کو کیوں ایذائیں پہنچائیں گئیں۔ قصہ مختصر کیوں خداوند تعالیٰ نے پیغمبروں کے بھیجنے کا طولانی اور غیر یقینی طریقہ اختیار کیا کیوں نہ **کن فیکون** کی طرح سارے کافروں کو یک لخت مومن بنا دیا اور آگے بڑھو تو یہ سوال اٹھے گا کہ کیوں لوگوں کو کفر کرنے کا اختیار دیا گیا۔ شروع سے کوئی کافر ہی نہ ہوتا۔ کیوں ابلیس کو موقع دیا گیا کہ آدم وحوا کو بہکائے امر واقعہ یہ ہے کہ قضائے ربانی جاری ہو چکی ہے کہ انسان کو **لا اکراہ فی الدین** کے اصول کے مطابق مذہب کے معاملہ میں بالکل اور اس کے دیگر افعال میں ایک حد تک صاحب اختیار رکھا جائے جب ہی تو سزا و جزا ہے ورنہ جبر ہی منظور ہوتے تو کفر ایک لمحہ کے لئے بھی دنیا میں نہ ٹھہرتا۔ تو خلافت علی ابن ابی طالب کیوں ان سے جبراً منوائی جاتی۔ لوگوں نے اس غلط خیال و عقیدہ کو کیوں ایجاد کیا اور جاری رکھا؟ کچھ تو ہم بتا چکے ہیں اور کچھ آگے چل کر بتائیں گے۔

تقرر خلیفہ و جانشین رسول صلی اللہ کی ضرورت و اہمیت

ضرورت امام، سردار، ہادی، راہنما یا لیڈر اس وقت سے مسلم چلی آتی ہے کہ جب سے بنی نوع انسان نے اجتماعی معاشرت کی منزل میں قدم رکھا۔ دماغ انسان ان نے ابھی پوری طرح سے نشوونما بھی نہیں پایا تھا اور عقل انسانی ابھی اپنے ابتدائی مراحل ہی طے کر رہی تھے کہ اسے ایک ایسے سردار و ہادی کی ضرورت محسوس ہوئی جو اسے حوادث روزگار میں صحیح راستے پر اس طرح چلائے کہ وہ

اپنی زندگی امن وامان وعزت وحفاظت کے ساتھ بسر کر سکے جوں جوں بنی نوع انسان ارتقائی مراحل طے کرتی گئی یہ ضرورت معاملات کی پیچیدگی کے ساتھ ساتھ زیادہ اہم ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ کسی جماعت کے لئے ناممکن ہو گیا کہ وہ بغیر سردار اور رہنما کے زندہ رہ سکے آپ سکے اندرونی قضایا اور غیروں سے بیرونی معاملات کے صحیح حل کے لئے سردار رہنما کا ہونا جماعتی زندگی اور انفرادی حفاظت کے لئے ناگزیر تھا۔ انسان تو انسان وہ حیوانات بھی جن کے لئے ایک جماعت بنا کر رہنا مشیت ایزدی نے مقرر کر دیا ہے ایک ہادی وسردار کی ضرورت محسوس کرتے ہیں شہد کی مکھی ایک علیحدہ رہ کر زندہ نہیں رہ سکتی۔ شہد کی مکھیوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ جماعت بنا کر رہیں اس صورت میں ہی میں شہد اکٹھا کر سکتی ہیں اور جاڑے کے ایام گزار سکتی ہیں۔ لہذا وہ بھی ایک سردار کی ماتحتی میں رہنما قبول کرتی ہیں اور وہ سرداران کا جماعتی زندگی کی رہنمائی کرتا ہے جو مکھی شہد جمع کرنے کی محنت نہیں اٹھانا چاہتی۔ اس کے لئے وہ سردار حکم دیتا ہے کہ اسے مار کر نکال دو اور ساری مکھیاں اس کی اطاعت کرتی ہیں۔ انگریزی میں اس سردار کو کوئن اور عربی میں یعسوب کہتے ہیں۔

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ جس نوع حیوانات کے لئے خدوند تعالیٰ جماعت بنا کر رہنا ضروری قرار دیتا ہے اس کے لئے اصل سردار بھی خد ہی پیدا کرتا ہے۔ چنانچہ یعسوب کی ترکیب وساخت ساری مکھیوں سے علیحدہ ہوتی ہے ان کی سرداری کے لئے خدوند تعالیٰ ایک ممیز مکھی پیدا کرتا ہے وہ خود بیٹھ کر اپنی ہی جسی مکھیوں میں سے سردار مقرر نہیں کرتیں۔ بنی نوع انسان کی زندگی کے ابتدائی مراحل میں اس کی تعلیم کے لئے خدوند تعالیٰ نے یہ ہی طریقہ مقرر کیا تھا کہ وہ جانوروں سے عقل سیکھے جانوروں میں instinct یا پیدائشی شعور پیدا کر دیا۔ جو جانور اور انسان دونوں کے لئے موجب ہدایت ہوا ایسے بہت سے موقعے ہوئے ہیں جب جانوروں نے انسان کی رہنمائی کی ہے۔ زمانہء ماضی میں قابیل کا قصہ

اس تعلیم کی ایک مثال ہے جس کو کوّے نے مردے دفن کرنا سکھایا۔ اور زمانہء حال میں نمایاں مثالیں ہوائی جہازوں اور آبدوز کشتیوں کی ہیں جو علی الترتیب چیل کے طریقہء پرواز اور مچھلی کے طرز پیرا کی پر مبنی ہیں ضرورت امام کا ایک ایسا مسئلہ ہے جو تمام بنی نوع انسان کا متفق علیہ ہے۔ اس پر زیادہ بحث و تحیص وثبوت کی ضرورت نہیں قرآن حکیم میں بھی ہر ایک قوم کے لئے ایک ہادی کا ہونا صریح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ **ق 7** اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ہ بہر صورت ہر ایک قوم کے لئے ایک ہادی و امام کی ضرورت مسلّم ہے مسلمانوں کی جماعت کیلئے اس ضرورت کی اہمیت دبالا ہو گئی کیونکہ اس نظام کو جناب رسولؐ خدا نے قائم کیا تھا۔ حاکم دین وشریعت اور والی امور مملکت ایک ہی شخص تھا۔

رسولؐ خدا کو اپنے خلیفہ و جانشین کے تقرر کی ضرورت و اہمیت کا احساس تھا یا نہیں ؟؟؟

دوم میں ہم ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ و حضرت عائشہ بلکہ امت کے عوام الناس تک کو بغیر کسی استثناء کے جناب رسولؐ خدا کے خلیفہ و جانشین کے تقرر کی ضرورت و اہمیت کا احساس بہت زیادہ تھا۔ جب صورت حال یہ ہے تو بار ثبوت اپنے دعوے کے ثابت کرنے کا اس پر ہوگا جو کہتا ہے کہ جناب رسولؐ خدا کو اپنے جانشین کے تقرر کی ضرورت و اہمیت کا احساس نہ تھا اگر چہ عقیدہ عدم استخلاف اس ہی قیاس پر مبنی ہے کہ جناب رسولِؐ خدا کو اس ضرورت کا علم نہ تھا پھر بھی کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے جو علانیہ اور بالصراحت یہ کہے کہ آنحضرتؐ کے لائے ہوئے قرآن میں تو اس ضرورت کو صریح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے لیکن معاذ اللہ رسولِؐ خدا ایسے غبی تھے

کہ ان کو اس ضرورت کا علم نہ ہوا۔ چونکہ عقیدۂ عدم استخلاف کو صحیح ماننے سے ایسے ایسے نتیجے نکلتے ہیں صریحاً غلط ہیں لہٰذا ہم یہ قرار دینے میں حق بجانب ہیں کہ خود یہ عقیدہ ہی غلط ہے جو قرآن شریف آپ کے ذریعہ سے امت تک پہنچا تھا وہ خود بتا رہا ہے کہ نبوت کا سلسلہ ختم ہوا ہے لیکن ہدایت کے دروازے بند نہیں ہوئے ابھی اس امت میں ہادی ہوتے رہیں گے احکام قرآنی سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نافذ کرنے کے لئے حاکم و والی کی ضرورت ہے۔

4۔ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ ہ (پارہ نمبر ۱۳ سورۃ الرعد۔ ع ۱)۔

بات یہ ہے کہ آپ تو صرف آگاہ کرنے والے ہیں اور ہر قوم کے لئے ہادی ہے۔

کیوں شیعت کے تمام اصول و فروع کا دار و مدار امامت پر ہے

حضرت صاحب:۔ امامت کا تعلق اصول اسلام سے ہے اور شیعہ اس پر پختہ عقیدہ رکھتے ہیں جو چیز اس گروہ کو باقی گرہوں سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ شیعہ امامت کے لئے نص کا عقیدہ رکھتے ہیں اور وہ یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ جس طرح سے نبوت کے عہدہ کا تقرر خدا کرتا ہے اس طرح سے امامت کے عہدہ کا تقرر بھی خدا کی جانب سے ہوتا ہے۔ شیعہ عقیدہ کے مطابق امامت ایک منصب الٰہی و سماوی ہے اور جانشین رسولؐ کے تعین کے لئے وحی الٰہی کی ضرورت ہے۔ شیعہ علماء امامت کو اصول اعتقادی میں سے قرار دیتے ہیں۔ اس کے برعکس اہل سنت والجماعت امامت و خلافت کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اجراء کے لئے امام کی ضرورت سمجھتے ہیں اور ان کے پیش نظر یہ امت کا کام ہے کہ اپنا نظام چلانے کے لئے امام کا انتخاب کرے جو اس کام کو انجام دے سکے۔ الغرض اسلام کے دونوں مکاتب فکر

اس امر پر متفق ہیں کہ رسول اکرمؐ کے بعد امام کا ہونا ضروری ہے اگر اختلاف ہے تو امام کے تعین کے طریقے کار پر ہے امام کے تعین کے لئے دو طرح کے نظریات پائے جاتے ہیں۔

ا۔ نص کا عقیدہ کہ امام کی تعین نص کی بنا پر ہوتی ہے۔

۲۔ انتخاب کا نظریہ کہ امام کا انتخاب امت کی صوابدید پر منحصر ہے۔

امامت سے مربوط سوالات کا جواب دینے سے قبل مذکورہ نظریات کا جائزہ لیتے ہیں اور دلائل سے موازنہ کرتے ہیں۔ کہ مذکورہ نظریات میں سے کون سا نظریہ مضبوط ہے۔ اگر صدر اسلام اور اس وقت کے حالات اور پیغمبرؐ اسلام کی وفات کے وقت کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کے مصالح اور اتحاد المسلمین کے لئے ضروری تھا کہ رسولِ خداؐ اپنے جانشین کا خود ہی اعلان کر کے جائیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ کی وفات کے وقت اسلام کو تین خطرات کا سامنا تھا اور خطرات کی تکون دین اسلام کو چیلنج کر رہی تھی۔ ایک طرف سے رومی حکومت تھی اور دوسری طرف سے ایرانی شہنشاہیت تھی۔ (یہ دونوں بیرونی خطرے تھے)۔ اندرونی خطرہ منافقین کی طرف سے تھا (جو اسلام کے وجود کو خاک میں ملانا چاہتے تھے)۔

رومی خطرہ وحیات پیغمبرؐ میں ہی پوری طرح سے سامنے آ چکا تھا اور آنحضرتؐ زندگی کے آخری لمحات تک اس خطرہ سے آزاد نہیں ہو سکے تھے۔ اسی خطرہ سے نمٹنے کے لئے آپؐ نے زندگی کے آخری ایام میں ایک لشکر تشکیل دیا تھا۔ جس کا سربراہ اسامہ بن زید کو مقرر کیا تھا۔ یہ معرکہ آپ کی نظر میں اتنا اہم تھا۔ کہ آپ نے لشکرِ اسامہ سے پیچھے رہ جانے والوں پر لعنت کی تھی (**طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۹۰۔ تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۲ ص ۳۱۷، سیرت حلبی جلد ۳ ص ۲۰۷، تاریخ طبری ۲ ص ۲۹۵، تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۶۱**) خطرہ کی تکون کا دوسرا ضلع اسلام کا بد طینت دشمن تھا۔ اور نفر

ت کی انتہا یہ تھی کہ خسرو پرویز نے آنحضرتؐ کے نامہ مبارک کو چاک کیا تھا اور اس نے اپنے یمن کے گورنر کو خط لکھا کہ محمد مصطفیٰ کو گرفتار کرنے یا انہیں قتل کر کے ان کا سر اس کے پاس بھیج دے۔ خطرے کی تکون کا تیسرا ضلع منافقین پر مشتمل تھا۔ یہ مدینے کے اندر اور باہر رسولؐ اکرم کی مزاحمت کرتے تھے اور ان کا کام مسلمانوں میں بزدلی پھیلانا تھا۔ قرآن کریم نے مختلف مقامات پر ان کی منفی سرگرمیوں کا تذکرہ کیا ہے اور حد یہ ہے کہ اللہ نے ان کی مذمت میں ان کے نام پر ان کے برے افکار اعمال کی وضاحت کے لئے قران کریم کا ایک پورا سورہ نازل کیا تھا۔

اس وقت کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اسلام اور مسلمانوں کے خلاف دشمنی کی مضبوط تکون قائم ہو چکی تھی اور دشمن ہر طرف سے گھات میں بیٹھا ہوا تھا۔ تو کیا ان حالات میں پیغمبر اکرمؐ امت اسلامی اور آئین اسلام کو بغیر رہبر کے اپنے حال پر چھوڑ دیتے؟ آنحضرت ﷺ جانتے تھے کہ عربوں کی زندگی قبائلی زندگی ہے اور قبائلی افراد اپنے سردار کے حکم پر عمل کرنے کے عادی ہوتے ہیں اور ان حالات میں رہبر کا مقرر نہ کرنا قبائلی عصبیتوں اور قبائلی جھگڑوں کو برانگیختہ کرنے کا سبب بن سکتا تھا اور دشمن اس سے فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ الرئیس ابو علی سینا کہتے ہیں۔ "نص رسولؐ کے تحت جانشین کا تقرر کرنا حقائق سے نزدیک تر ہے۔ کیونکہ جانشین کے تعین سے تمام اختلافات اور تنازعات ختم ہو سکتے ہیں"۔ (شفاء الھیات، مقالہ دہم، فصل پنجم ص ۵۶۴)۔

اگر امامت کا تعلق اصول سے ہے تو قرآن مجید میں اسے بیان کیوں نہیں کیا گیا

جواب:۔ پیغمبر اکرم ﷺ کے بعد اسلامی معاشرہ کو ایک بلند قامت شخصیت کی ضرورت ہے یہ وہ حقیقت ہے جسے ہر انصاف پسند خود ہی محسوس کر سکتا ہے اور اتفاق یہ ہے کہ قرآن حکیم نے اس مسئلہ

کو سائل کے نظریہ کے برعکس ایک کلی صورت میں بیان کیا ہے۔

وہ آیات جن کا تعلق مسئلہ امامت سے ہے۔

۱۔ آیت ولایت:

ا۔ ارشاد خداوندی ہے:

۵۵۔۵ انما ولیکم اللّٰہ ورسولہ والذین اٰمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم رٰکعون ٥ (سورۂ المائدہ/ ۵۵)

(تمہارا ولی صرف خدا ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ ہے اور وہ جو ایمان لائے، نماز کو قائم کیا اور زکوٰۃ دیتے ہیں جب وہ رکوع میں ہوتے ہیں)

بہت سے مفسرین ومحدثین نے اس آیت مجیدہ کی شان نزول بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک سائل مسجد میں آیا اور اس نے نمازیوں سے مدد کی درخواست کی لیکن کسی نے اسے کچھ نہ دیا۔ حضرت علیؑ رکوع کی حالت میں تھے آپ نے سائل کو اپنی اس انگلی کی طرف اشارہ کیا جس میں آپ نے انگوٹھی پہنی ہوئی تھی۔ سائل آگے بڑھا اور اس نے آپ کی انگلی سے انگشتری اتار لی اور مسجد سے چلا گیا۔ پیغمبر اکرمؐ نے یہ سنا تو آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی خدایا جس طرح تو نے موسیٰ کے لئے ان کے خاندان میں سے وزیر مقرر کیا تھا اسی طرح میرے خاندان میں سے میرا وزیر مقرر فرما۔ اس وقت فرشتہ وحی لے کر آیا اور "**انما ولیکم ورسولہ والذین ---**" کی آیت مجیدہ کو آپ تک پہنچایا۔ اس آیت مجیدہ کے اس شانِ نزول کو شیعہ علماء کے علاوہ اہل سنت کے چھیا سٹھ

(۶۶) محدثین متکلمین نے الفاظ کے معمولی سے اختلاف کے ساتھ اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ عظیم القدر محقق علامہ امینی نے اس کے تمام مصادر کو اپنی کتاب "الغدیر" میں نقل کیا ہے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ آیت مسئلہ امامت کو کس طرح سے بیان کرتی ہے

اس کی وضاحت یہ ہے کہ اس آیت میں لفظ "ولی" استعمال ہوا ہے جس کا معنی ہے سر پرستی کرنے والا اور زمام امور سنبھالنے والا۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت میں باپ کو اپنی اولاد کا ولی اور حاکم کو اپنی رعایا کا ولی قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ اصول ہے **الا ب ولی الطفل والحا کمہ ولی اقاصر** (باپ کمسن بچے کا ولی ہوتا ہے اور حاکم کمزور کا ولی ہوتی ہے) اسی لفظ سے "ولی المومنین" کا جملہ ماخوذ ہے۔ لہٰذا آیت "ولیکم اللہ" سے حاکم مراد ہے اور آیت مجیدہ کے قرائن اور اس کا شان نزول اس امر کی گواہی دیتے ہیں کہ "ولی" سے امامت و سر پرستی مراد ہے۔

اس آیت کے قرائن ملاحظہ فرمائیں

۱۔ آیت "ولیکم" میں اگر لفظ ولی سے ولایت دینی زعامت اور مقام سر پرسیت مراد نہ ہوتا اور اس کی بجائے بقول اہل سنت "ناصر اور محبّ" مراد ہوتا تو پھر اس ولایت کو تین افراد میں مخصوص بھی نہ کیا جاتا کیونکہ تمام اہل ایمان ایک دوسرے کے محبّ و ناصر ہیں چنانچہ اس ولایت کو صرف تین شخصیات پر مختصر نہ کیا جاتا۔

۲۔ آیت کے ظاہری الفاظ اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ اسلامی معاشرے کے سر پرست صرف یہی تین افراد ہیں۔ لہٰذا حکومت رکھنے والے اور ہیں اور ان کا محکوم کردہ علیحدہ ہے۔ اگر ہم "ولی" کو رہبر امورِ مسلمین کے سر پرست کے معنی میں لیتے ہیں تو حاکم و محکوم گروہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں اور اگر ہم نے ولی

کے معنی دوست اور مددگار کے کریں تو پھر دونوں گروہ ایک ہی گروہ کے افراد قرار پاتے ہیں کیونکہ تمام افراد ایک دوسرے کے دوست محب اور مددگار یاور ہیں۔

۳۔اگر لفظ "ولیکم" کی آیت مجیدہ کے لفظ "ولی" سے صرف دوستی نصرت مراد ہوتی تو پھر صرف لفظ "آمنو" ہی کافی تھا اور یہ کہنے کی ضرورت ہی نہ تھی کہ "وہ نماز قائم کرتے ہیں اور حالتِ رکوع میں زکوۃ دیتے ہیں"۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک ایماندار معاشرے میں رہائش پذیر مومن ایک دوسرے کے خیر خواہ اور مددگار ہوتے ہیں۔چاہے وہ رکوع کی حالت میں زکوۃ دیں یا نہ دیں اس آیت مجیدہ کا وہی مفہوم ہے جسے رسول خدا نے اپنی اور حدیث میں یوں بیان فرمایا۔

یا علی انت ولی کل مومن من بعدی

[اے علی ! تو میرے اور ہر مومن کا ولی (سر پرست) ہے۔](مستدرک حاکم جلد۳ص ۱۱۱،مسند احمد بن حنبل جلد۴ص ۴۳۷)۔

اس حدیث میں موجود لفظ "بعدی" یہ ظاہر کرتا ہے کہ 'ولی' سے مقصود رہبری وحکومت اور دینی و دنیاوی امور میں مسلمانوں کی سرپرستی مراد ہے اس سے محبت اور دوستی مراد نہیں ہے کیونکہ حضرت علیؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں بھی اہل ایمان کے دوست اور مددگار تھے، اہل ایمان سے دوستی اور ان کی مدد کا جذبہ آنحضرتؐ اور حضرت علیؑ میں پیدا نہیں ہوا تھا۔

﴿۲۔آیت "اولی الامر"﴾

حضرت علیؑ کی امامت وولایت کے لئے صرف آیت ولایت ہی نازل نہیں ہوئی آپ کی

امامت کی گواہی "اطاعت اولی الامر" کی آیت سے بھی ملتی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے۔

۵۹۔۵ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ (سورۃ النساء/۵۹)

(اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور جو تم میں صاحبانِ امر ہوں)

اس آیت میں "اولی الامر" سے "فرمانروا" مراد ہیں۔ اور یہ فرمانرواؤں کا وہ گروہ ہے جن کی اطاعت خدا اور رسول کی اطاعت کی مانند واجب ہے۔ فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر میں کیا ہی خوب کہا ہے۔

اس آیت کی رو سے "اولی الامر" خدا اور رسول کے پہلو میں دکھائی دیتے ہیں۔ آیت کی ترتیب بتاتی ہے کہ اس منصب کے اہل وہ ہیں جو گناہ اور خطا سے معصوم ہوں۔ اولی الامر کے معصوم ہونے کا پہلا ثبوت تو یہ ہے کہ انہیں خدا اور رسول جیسی معصوم ذوات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے لہٰذا انہیں بھی معصوم ہونا چاہیے۔ علاوہ ازیں اللہ نے اولی الامر کی اطاعت کا حکم کسی قید اور شرط کے بغیر دیا ہے۔ اس غیر مشروط اطاعت کے حکم سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے معصوم فرمانروا مراد ہیں اگر اس سے غیر معصوم افراد مراد ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کی اطاعت کے حدود کو مقرر کرتا لیکن اللہ نے ان کی اطاعت کو غیر مشروط طور پر فرض کیا ہے۔ (مفاتیح الغیب المعروف تفسیر رازی جلد ۱۰/۱۴۴) چنانچہ قرآن حکیم کی یہ دو آیات (آیت ولایت اور آیت اولی الامر) مسئلہ امامت کو مکمل طور پر واضح کرتی ہیں۔ جبکہ قرآن مجید میں کچھ آیات ایسی بھی ہیں جن کے ظاہری الفاظ سے اگرچہ مسئلہ امامت کی وضاحت نہیں ہوتی لیکن ان کی شانِ نزول سے یہ بات متعین ہو جاتی ہے کہ ان کا تعلق مسئلہ امامت سے ہے مثلاً "اکمال دین" کی آیت۔

﴿۳۔ آیت اکمال دین﴾

۷۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا(سورہ المائدہ/۳)

(آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت تمام کی ہے اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا ہے)۔

محدثین اور مفسرین کی ایک جماعت نے لکھا ہے کہ جب رسول خدا ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر غدیر خم میں حضرت علیؑ کی امامت و ولایت کا اعلان کیا تھا تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مجیدہ نازل فرمائی۔(درمنثور جلد۲ ص ۲۹۸۔ فتح القدیر جلد۳ ص ۵۷۔ ینابیع المودت ص ۱۲۰۔ تفسیر المنار جلد ۶ ص ۴۶۳۔ مزید حوالہ جات کے لئے علامہ امینی کی کتاب الغدیر جلد اول ص ۴۴۷۔ ۴۵۸ کا مطالعہ فرمائیں جہاں علامہ نے سولہ منابع کا تذکرہ کیا ہے)۔ چنانچہ مذکورہ بالا تین آیات سے سوال کا جواب مل جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مسئلہ امامت و ولایت کو اچھی طرح سے بیان کیا ہے۔ قرآن مجید نے اس اہم مسئلہ سے ہرگز بے توجہی نہیں کی ہے۔

قرآن کریم میں آئمہ کے نام

سوال:۔ قرآن مجید میں بارہ آئمہ کے نام کیوں نہیں بیان کیے گئے؟

جواب:۔ قرآن کریم کی روش یہ ہے کہ وہ صرف کلیات اور عمومی اصول کو بیان کرتا ہے پیغمبر اکرمؐ نے جزئیات و مصادیق کو بیان کیا تھا۔ آنحضرتؐ کا کام صرف تلاوت قرآن نہیں تھا آپ کو قرآن کے بیان اور توضیع کا بھی ذمہ دار قرار دیا گیا تھا جیسا کہ فرمان قدرت ہے۔

۴۴۔ وَ اَنزَلنَآ اِلَیکَ الذِّکرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیھِم وَ لَعَلَّھُم یَتَفَکَّرُونَ ہ (سورۂ نحل/۴۴)

(ہم نے آپ کی طرف قرآن کو نازل کیا ہے تاکہ آپ ان کے لئے ان احکام کو واضح کریں جو ان کی طرف نازل کیے گئے ہیں۔شاید یہ غور وفکر کریں)

اس آیت مجیدہ پر غور کیجیے۔اس آیت میں "**لتبیــــــــن**" کہا گیا ہے اور اس کی بجائے "**لتقرأ**" یا "**لیتلوا**" نہیں کہا گیا۔یعنی نبی اکرمؐ کا کام احکام قرآن کو واضح کرنا ہے صرف آیات پڑھنا نہیں ہے آپ کا کام لوگوں تک صرف پیغام پہنچانا ہی نہیں تھا بلکہ احکام کی وضاحت بھی آپ کی ذمہ داری تھی۔لہذا قرآن کریم سے یہ توقع کرنا کہ اس میں مصادیق اور جزئیات کی تفصیل بھی ہوگی تو یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ہم ملک کے آئین سے یہ توقع رکھیں کہ اس میں تمام قوانین کی جزئیات بھی ہوں گی۔

ذیل میں ہم افراد کے چند نام قرآن حکیم سے نقل کرتے ہیں۔

﴿۱۔ نام سے تعارف﴾

کبھی حالات وواقعات متقاضی ہوتے ہیں کہ فرد کا نام بیان کیا جائے جیسا کہ اللہ نے حضرت عیسیٰؑ کے اس قول کو نقل کیا ہے۔

و مبشر برسولیا تی من بعدی اسمه احمد (سورۂ الصف/۲)

(میں ایک رسول کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام "احمد" ہوگا)۔

اس آیت میں حضرت مسیح نے آنحضرتؐ کے اسم مبارک کو بیان کیا۔

﴿۲۔ تعداد سے تعارف﴾

کبھی حالات وواقعات کا تقاضا ہوتا ہے کہ تعداد بیان کی جائے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔

ق۔۱۲ وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِیْ اِسْرَآئِيْلَ وَ بَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَیْ عَشَرَ نَقِيْبًا(سورۃ المائدہ/۱۲)

(اور جب اللہ نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا اور ان میں بارہ نقیب مقرر کیے)

﴿۳۔ صفت سے تعارف﴾

بعض اوقات حالات وواقعات کا تقاضا ہوتا ہے کہ مورد نظر شخص کے اوصاف بیان کیے جائیں جیسا کہ توارت وانجیل میں آنحضرتؐ کے صفات کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

الذین یتبعون الرسول الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوارۃ والانجیل یامرھم بالمعروف وینھاھم عن المنکر و یحل لھم الطیبات ویحرم۔

صاف بتا دیا کہ تم تو فقط ڈرانے والے ہو۔ ھادیان

کا سلسلہ برابر جاری رہے گا

اولوالامر کی اطاعت کا حکم دے کر ظاہر کر دیا کہ اسلام میں صاحبان امر ہوں گے اور ان کی اطاعت تم پر واجب ہے آنحضرتؐ اچھی طرح جانتے تھے کہ میں نے معصیت الٰہی کے عذاب سے تو

ڈرادیا ہے اور کفر وشرک کے برے عواقب سے ان کو آگاہ کردیا ہے۔ صراط مستقیم اچھی طرح واضح کردی ہے لیکن صراطِ مستقیم پر قائم رہنا اور اس پر چلنا اس کے معلوم کر لینے سے زیادہ مشکل ہوتا ہے صدیوں کی عادت چند سالوں میں نہیں جاتی۔ صحیح وحدانیت کا وجدان۔ صفات الٰہی کا عین یقین حق اللہ۔ حق العباد وغیرہ یہ ایسے مشکل راستے تھے کہ جن میں سے بغیر ہادی کے گزرنا ناممکن تھا ایسے ہادی کی ضرورت کا آپ کو اچھی طرح احساس تھا۔ جو ان پرانی عادت والے گنہگاروں کو اپنا صحیح نمونہ عمل دکھا کر صراط مستقیم پر قائم رکھے اور عرصہ تک چلائے تاکہ یہ نئی تعلیم طبیعت ثانیہ ہو کر مزاج انسانی میں مستقل ہو جائے۔ قرآن شریف کی تنزیل ابھی ابھی ختم ہوئی تھی ابھی اس کی صحیح تاویل کی تعلیم باقی تھی آپ جانتے تھے کہ تنزیل منوانے کے لئے تو مجھے کفار سے جنگ کرنی پڑی۔

میرے جانشین کو اس کی صحیح تاویل کے لئے جنگ کرنی ہوگی۔ تاویل میں ان سے جنگ کرنی ہوتی ہے۔ جو تنزیل کو تو ظاہراً مانتے ہیں لیکن اپنے خواہشات نفس کی اطاعت میں اس کی غلط تاویل کرتے ہیں اور وہ منافقین ہوتے ہیں جو ظاہراً رسالت کو مانتے ہیں۔ تبلیغ مکمل جب ہی ہوتی ہے کہ جب تنزیل پر ایمان ہو اور تاویل صحیح ہو۔ اسی ہی وجہ سے حکم ایزدی صادر ہوا کہ **یا ایھا النبی جاھد الکفار و المنافقین** ط کفار سے تو آپ جنگ کر چکے تھے ابھی منافقین سے جہاد کرنا باقی تھا اور یہ اہم کام جانشین کے سپرد ہونا تھا آپ جانتے تھے کہ اس تبلیغی کام کو میرا جانشین مکمل کریگا۔

علیھم الخبائث ویضع عنھم امرھم والاغلال التی کانت علیھم اور جو لوگ رسول نبی اُمی کا اتباع کرتے ہیں جسے وہ اپنے ہاں تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ انہیں اچھے کاموں کا حکم دیتا ہے اور برے کاموں سے روکتا ہے اور ان کے لئے پاکیزہ اشیاء کو حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزوں کو حرام کرتا ہے اور ان سے وہ بارگراں اور ان زنجیروں کو ہٹاتا ہے جو

ان پر پڑی ہوئی تھیں۔ مذکورہ بالا آیات پر توجہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن کریم سے باہ آئمہ اوران کے آباء کے نام کی توقع رکھنا سرے سے ہی عبث ہے۔ کیونکہ کبھی مصلحت نام لینے میں ہوتی ہے اور کبھی صفات بیان کرنے میں ہوتی ہے اور کبھی تعداد بیان کرنے میں ہوتی ہے۔

اگر ہم خواہ مخواہ کی ضد پر اتر آئیں اور یہ کہنا شروع کر دیں کہ خدا نے تمام اختلافی مسائل کو قرآن میں بیان کیوں نہیں کیا، اگر وہ بیان کر دیتا تو تفرقہ پیدا نہ ہوتا۔ لیکن ایسا مطالبہ قرآن کی روش کے خلاف ہے اگر ایسا ہوتا تو خدا کو لاکھوں کلامی فقہی، تشریعی، اور عقیدتی مسائل بیان کرنے پڑتے۔ جب کہ خدا نے ایسا نہیں کیا۔ اسی طرح سے خدا نے ان مسائل پر بھی بحث نہیں کی جن کی وجہ سے مسلمانوں میں کئی صدیوں تک جنگ کا بازار گرم رہا۔ جیسا کہ قرآن نے یہ بیان نہیں کیا کہ

ا۔ صفات خدا عین ذات ہیں یا زائد بر ذات ہیں؟

۲۔ "استواء علی العرش" واضح حقیقت کیا ہے؟

۳۔ کلام خدا حادث ہے یا قدیم؟

۴۔ جبر و اختیار میں صحیح موقف کون سا ہے؟

یہ اوران جیسے مسائل کا قرآن کریم سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ قرآن کریم میں ان مسائل کے متعلق اشارات و کنایات موجود ہیں لیکن ایسی واضح آیات موجود نہیں ہیں جن سے ان مسائل کے اختلافات کا قطعی اور حتمی فیصلہ ہو سکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن نے لوگوں کو غور و فکر کی دعوت دی ہے اور لوگوں سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ آیات کے مفہوم پر توجہ کریں۔ اگر قرآن ہر ایک مسئلہ کو قطعی انداز میں بیان کر شروع کر دیتا کہ تمام لوگ راضی ہو جائیں تو یہ اس بنیاد کے خلاف ہوگا۔

نام لینے سے بھی اختلاف ختم نہیں ہوتا

سائل کا خیال یہ ہے کہ اگر قرآن کریم میں آئمہ ہدیٰ کا نام موجود ہوتا تو اختلاف کبھی نہ ہوتا۔

یقیناً ایسا سمجھنا سائل کی غلط فہمی پر مبنی ہے۔ کیونکہ ہمیں ایسی مثال بھی ملتی ہے کہ نام کا اعلان ہوا تھا اس کے باوجود بھی اختلاف ختم نہیں ہوا تھا۔ بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے درخواست کی کہ آپ خدا کی طرف سے ہم پر ایک شخص کو حاکم مقرر کریں تا کہ ہم اس کی سربراہی میں جہاد فی سبیل اللہ کریں، اپنی مقبوضہ زمین کو واپس لے سکیں اور اپنے قیدیوں کو آزادی دلا سکیں۔

ق۔۲۴۶ اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ (سورۃ البقرہ/۲۴۶)

(جب انہوں نے اپنے نبی سے کہا کہ ہمارے لئے بادشاہ مقرر کریں تا کہ ہم اس کی زیر قیادت اللہ کی راہ میں جنگ کریں)۔

چنانچہ اس وقت کے نبی نے اللہ کے حکم سے فرمانروا کے نام کا اعلان کیا اور کہا۔

ق۔۲۴۷ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا (سورۃ البقرہ/۲۴۷)

(اللہ نے تمہارے لئے "طالوت" کو حکمران مقرر کیا ہے)

آیئے دیکھیں کہ نبی نے تو اللہ کی طرف سے ایک شخص کی حکمرانی کا اعلان کر دیا تھا کیا اس کے

بعد اختلاف ختم ہو گیا تھا؟ قرآن حکیم بیان کرتا ہے کہ اس کے باوجود بھی اختلاف ختم نہ ہوا۔ ان لوگوں نے الٹا طالوت پر اعتراض کیا اور یہ کہا۔

۲۲۷۔ اَنّٰی یَکُوْنُ لَهُ الْمُلْکُ عَلَیْنَا وَ نَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْکِ مِنْهُ وَ لَمْ یُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ

سورۃ البقرہ ۲۴۷/

(اسے ہم پر حکومت کیسے مل گئی جب کہ ہم حکومت کے لئے اس سے زیادہ اہل تھے اور وہ مال کے اعتبار سے بھی دولت مند ہے)۔

قرآن کریم کے بیان کردہ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف دور کرنے کے لئے صرف نام بتا دینا ہی کافی نہیں ہوتا۔ اس کے لئے معاشرتی حالات کا آمادہ ہونا ضروری ہے۔

عین ممکن تھا کہ اگر بارہ آئمہ کے نام ولدیت سمیت بیان کر دیئے جاتے تو حکومت واقتدار کے خواہش مند طالع آزما قسم کے لوگ اس سلسلہ کو روکنے کے لئے اس خاندان کی نسل کشی شروع کر دیتے اور حالات وہی نہج اختیار کر لیتے جو فرعون نے پیدا کیے تھے اور حضرت موسیٰ کے لئے ہزاروں معصوم بچوں کو قتل کیا گیا تھا۔

صد ہزاراں طفل سر بریدہ شد
تا کلیم اللہ موسیٰ زندہ شد

ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مہدیؑ کے نسب اور خاندان کی طرف اشارہ کیا گیا تو اس سے کتنی زیادہ حساسیت وجود میں آ گئی تھی۔ اور ایک عرصہ تک حضرت امام حسن عسکریؑ کے گھر پر پہرے بٹھائے گئے تاکہ ان کی صلب سے کوئی بیٹا پیدا نہ ہونے پائے اور اگر پیدا بھی ہو جائے تو اسے فوراً قتل کر دیا جائے

یہاں یہ یاددہانی ضروری ہے کہ قرآن کریم کو آئین کی حیثیت حاصل ہے۔ قران سے جزئیات کو تلاش کرنا بے محل ہے۔ نماز، روزاورزکوۃ اسلام کے اہم ترین واجبات میں شامل ہیں اور پورے قرآن میں ان کا حکم موجود ہے۔ لیکن ان کی جزئیات کی تفصیل قرآن کریم میں موجود نہیں ہے۔ بلکہ تفصیل کے لئے سنت نبوی سے استفادہ کرنا ضروری ہے۔

امامت و نبوت میں کیا فرق ھے اسی طرح سے امام و نبی میں کیا فرق ھے

☆ کیا شیعت کا امتیازی نشان امامت ہے؟

☆ کیا عقیدہ امامت ختم نبوت کے منافی ہے؟

☆ آئمہ اہلبیت کے حیرت انگیز کمالات کی وجہ؟

☆ امامت نیابتِ نبوت ہے یا نبوت سے بالاتر ہے؟

☆ امامت میں الوہیت کی جھلکیوں کا سبب کیا ہے؟

لدھیناوی صاحب شیعہ حضرات محمد مصطفیؐ کو اپنا نبی مانتے ہیں اور علیؑ اور ان کی اولاد کو اپنا امام مانتے ہیں؟

شیعہ جواب دیتے ہیں

امامت وخلافت اتصاف باوصاف۔ تخلق باخلاق وتادب بآداب اور توارث صفات کا نام ہے۔ اور خلیفہ اپنے مستخلف کا آئینہ ہوتا ہے۔ جس میں تمام اوصاف مستخلف کا عکس نظر آتا ہے۔ بشرطیکہ انسان چشم بصریت رکھتا ہو۔ تو اب اس کے سمجھنے اور معلوم کرنے میں ذرا بھی دقت نہیں ہوسکتی۔ کہ پیغمبرؐ خاتم النبین وافضل واکمل خلفاء رب العالمین کا خلیفہ وجانشین اس کا قائم مقام اور اس کی جگہ اس کا کارکن اور کارنبویؐ انجام دینے والا کون ہوسکتا ہے؟ یعنی جانشین نبی بعد نبی وہی شخص ہوگا۔ جو

جملہ کمالات پیغمبری کا عکس نظر آتا ہو۔اور جس کے چہرے میں جمالِ محمدیؐ دکھائی دیتا ہو۔اور جس کے چہرے پر نظر کرنا پیغمبرؐ کے چہرہ مبارک پر نظر کرنا اور عین عبادت خدا ہو۔وہ عقل وفہم وعلم وحلم۔قدرت و عزم وشجاعت وسخاوت وقناعت وحسب ونسب۔تحمل وتجمل وصبر واستقلال و رضا واطمینان۔لطف وکرم۔رؤفیت ورحیمیت اور طہارت وعصمت میں مثل پیغمبرؐ ہو۔

اگر وہ صاحب آیاتِ بینات ومعجزات باہرات ہو۔تو یہ صاحب اعجاز وکرامات۔اگر وہ علم احاطی رکھتا ہے۔تو اس کا بھی احاطی ہو نہ اخباری۔اگر اس کا علم موہبتی الٰہی ہے۔تو اس کا بھی وہبی ولدنی۔نہ تصوری ذہنی۔اگر وہ مدینہ علم ہے۔تو یہ بھی بابِ علوم۔اگر وہ نور کبریا ہے۔تو یہ بھی شمع ہدیٰ۔اگر وہ آفتاب ہدایت وارشاد ہے۔تو یہ بھی ماہتاب صداقت وسداد۔اگر وہ روح عالم ہے۔تو یہ خاتم الاوصیاء والا ولیاء۔اگر وہ اُم لارواح ہیت۔تو یہ ابوالاجسام والا جساد (ابوتراب)۔اگر وہ خاتم الانبیاء ہے۔تو یہ خاتم الاوصیاء والاولیاء۔اگر وہ اُم الارواح ہے۔تو یہ ابوالاجسام والا جساد (ابوتراب)۔ اگر وہ مرکز انوار ہے۔تو یہ مصدر انوار۔اگر وہ صادق وامین ہے۔تو یہ لسان صدق فی الآخرین۔اگر وہ افضل المعصومین ہے۔تو یہ ابوالائمۃ المعصومین۔اگر وہ نمود بزرگ خداوند علیم ہے۔تو یہ نباء عظیم۔اگر وہ از جانب خدا معلم حکمت وکتاب کریم ہے۔تو یہ عند اللہ علی حکیم۔اگر وہ اشرف المقربین السابقین ہے۔تو یہ صالح المومنین۔اگر وہ حامی روز محشر ہے۔تو یہ ساقی حوض کوثر۔

اگر وہ صاحب مقام ہے۔تو یہ حامل لوائے حمد ف یوم المشہود۔نہیں رسولؐ اور خلیفہ رسولؐ ایک نور کے دو ٹکڑے۔ایک اصل کے دو تنے۔ایک صدف کے دو موتی۔ایک کان کے دو گوہر۔ایک آسمان ہدایت کے آفتاب وماہتاب۔نہیں نہیں دونوں ایک ایسا اتحاد ذاتی وصفاتی رکھتے ہوں۔کہ دوئی کا شبہ ہی جاتا رہے۔اور خلیفہ رسولؐ نفس رسولؐ ہو

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

صفات علویؑ و خلافت نبویؐ

بہرکیف اوصاف خلیفئ نبی تمام اوصاف نبیؐ ہیں۔ چنانچہ مقام اظہار میں جو معیارِ خلافت اپنے لئے قرار دیا ہے۔ وہی اپنے جانشین کے لئے قرار دیا ہے۔ **فقال صلی اللہ علیہ والہ وسلم۔ انا مدینۃ العلم وعلی بابھا۔** میں شہر علم ہوں۔ اور علیؑ اُس کا دروازہ ہے۔ ملاحظہ ہو صحیح ترمذی وغیرہ۔ **وانا دار الحکمۃ وعلی بابھا ومن اراد الحکمۃ فلیا تھا من بابھا۔** میں خانہ حکمت ہوں۔ اور علی اس کا دروازہ ہے۔ اور جو شخص حکمت چاہتا ہے۔ اُس کو چاہئے۔ کہ بابِ حکمت سے خانہ حکمت میں داخل ہو۔ کیونکہ خداوند عالم فرماتا ہے۔ **واتو البیوت من ابوابھا۔ (سورۃ البقرہ:۹۸)** گھروں میں ان کے دروازے سے داخل ہو۔ اس سے مراد ہمارے گھروں کے دروازے نہیں ہیں۔ اس لئے کہ اگر اس سے مراد ہمارے گھروں کے دروازے ہوں۔ تو یہ حکم فضول ہوگا۔ اس واسطے کہ کوئی احمق اسے احمق بھی ایسا نہیں ہے۔ جو اپنے گھر میں پشت کی طرف سے یا دیوار کود کر داخل ہوتا ہو۔ بلکہ مراد اس سے بابِ شہر علم اور بابِ بیت نبوت ورسالت ہے۔ پس جو چاہتا ہے علوم نبوتی سے مستفیض اور خانہ نبوت میں داخل ہونا۔ وہ بابِ علوم کے پاس آئے۔ کیونکہ وہی قائم مقام نبیؐ و آئینہ جمال نبوی ہے۔ اور فیض نبی اس کے ہاتھ پر جاری۔ حتی کہ آخرت میں بھی۔ اس لئے کہ مالک کوثر پیغمبرؐ ہے۔ کما قال عزوجل۔ **انا عطینک الکوثر (سورۃ الکوثر:۱)** ہم نے تجھ کو کوثر عطا کیا ہے۔ اور ساقی کوثر روزِ محشر اس کا خلیفہ وجانشین علیؑ بن ابی طالبؑ ہے۔ کیونکہ یہ خلافت بھی خلافت الٰہیہ ہے۔ جیسا کہ پہلے ثابت کیا گیا۔ صرف فرق یہ ہے۔ کہ بعد نبیؐ خلیفہ نبیؐ صاحب شریعت جدیدہ نہیں ہوتا۔ اسی شریعت نبوی کا مبلغ ہوتا ہے۔

مولا علیؑ اور اُن کے گیارہ معصوم فرزند نور خدا ہیں

پس خدا نے جن صفات سے اپنے پیغمبرؐ کو متصف کیا ہے۔ انہی سے اپنے ولی اور خلیفہ اور وصیِ پیغمبر علیہ السلام کو موصوف کیا ہے۔ نبی نورِ کبریا ہے۔ **قد جائکم من اللہ نور** (سورہ المائدہ ۱۵) علیؑ بھی خدا کا نور ہے۔ اور اسی نورِ محمدی کا جزو ہے۔ اور اسی کے ساتھ کتم عدم سے ساتھ وجود میں آیا ہے۔ اور اتباع کیا ان لوگوں نے اس نور کا۔ جو اس کے ساتھ ساتھ اُتارا گیا۔ یہ ہیں۔

ملاحظہ ہو تفسیر ثعلبی آیہ مجیدہ۔ **وفی الارض قطع متجورات و جنت من اعناب وزرع ونخیل سنوان وغیر صنوان یسقی بما واحدونفضل بعضھا علی بعض فی الاکل ان فی ذالک لایات لقوم یوقنون** (سورئہ الرعد:۴) صورت تنزیلی آیت کی ظاہر ہے صورت تاویل میں تفسیر مذکور میں جابر بن عبداللہ انصاری سے مروی ہے کہ میں نے حضرت رسول علیہ السلام کو کہتے ہوئے سنا۔ **ان وعلی من شجرۃ واحدۃ والناس من اشجار شتی**۔ میں اور علیؑ ایک درخت سے ہیں۔ اور ایک جڑ کی دو شاخیں ہیں۔ اور لوگ مختلف درختوں اور مختلف اصلوں سے ہیں۔ اور اسی آیت مذکورہ کو تلاوت فرمایا۔ یہیں سے یہ حدیث مشہور و معروف مستنبط ہے۔ **انا و علی من نور واحد** میں اور علیؑ ایک نور سے اور ایک نور کے دو ٹکڑے ہیں۔ اور یہی مطلب حدیث مذکورۃ الصدر کا ہے۔ پس علیؑ و نبیؐ ایک ہی نور سے ہیں۔ اور دونوں نورِ کبریا۔

رحیم ہیں

خدا نے اپنے نبی کو روف و رحیم فرمایا ہے۔ تو اپنے ولی اور وصی نبی کو بھی اسی صفت سے موصوف کیا ہے۔ **فقال محمد رسول الله والذین معه اشداء علی الکفار رحماء بینهم ترهم رکعا سجداً یبتغون فضلاً من الله و رضوانا سیماهم فی وجوههم من اثر السجود (سوره الفتح:۲۹)** محمد پیغمبرؐ خدا ہیں۔ اور وہ لوگ جو اُن کے ساتھ ہیں۔ اور اسی سے معیت رکھتے ہیں۔ ان کی صفت یہ ہے۔ کہ وہ کفار کے لئے سخت ہیں۔ اور آپس میں ایک دوسرے پر رحیم و مہربان نبی اہل اسلام کے لئے باعث رحمت۔ جب تم انہیں دیکھو گے۔ تو رکوع و سجود میں پاؤ گے۔ کہ وہ خدا کے تفضّل اور اُس کی خوشنودی کے خواستگار رہتے ہیں۔ اور کثرت سجود سے ان کی پیشانیوں میں نشان پڑے ہوتے ہیں۔

ظاہر ہے۔ اگر یہاں معیت سے جزئیہ مراد لی جائے۔ تو اس میں ہر ایک مسلمان داخل ہوگا۔ کیونکہ ہر ایک شخص کسی نہ کسی امر میں رسولؐ کے ساتھ معیت رکھتا ہے۔ اور یہ خلاف آیہ ہے اور خلاف واقع۔ کیونکہ تمام اہل اسلام میں صفاتِ مذکورہ ہرگز نہیں پائی جاتیں۔ پس ضرور معیت کلیہ مطلقہ ہے۔ یعنی وہ شخص جو پیغمبرؐ سے معیت تامہ رکھتا ہے۔ اور ازل سے ہر زمان و ہر مکان اور ہر نشاء۔ اور یہاں ہر حال سفر و حضر روز و شب میں اس کے ساتھ ساتھ ہے۔ اور اس کے نور کے ساتھ بھی معیت ہے۔ روح کے ساتھ بھی معیت ہے۔ طہارت میں معیت ہے۔ علم میں معیت ہے۔ اسلام و ایمان میں معیت ہے۔ ولایت میں معیت ہے۔ امامت میں معیت ہے۔ اطاعت میں معیت ہے۔ مودت میں معیت ہے وغیرہ۔ جملہ صفات میں نبیؐ کے ساتھ ساتھ بلکہ شریک صفات نبوتی ہے۔ اور ایسا شخص غیر از علی ابن ابی طالب اور کوئی نہیں۔ جو نور نبی اور نفس نبی ہے۔ اور صفات مذکورہ اسی پر صادق آتی ہیں۔ بشرطیکہ انسان چشم بصیرت سے غور کرے۔ ورنہ فضول و مہمل و لغو تاویلات کے لئے میدان وسیع ہے۔ لیکن

هاتوا برهانکم ان کنتم صادقین چاہیئے۔کہ علیؑ کی سی معیت رسولؐ کے ساتھ کسی دوسرے میں ثابت کرے۔وان الدعاوی الاتقبل الا بالبراهین والمیات۔

مولا علیؑ اور اُن کے گیارہ معصوم فرزند داعی حق ہیں

خدا نے اپنے پیغمبرؐ کو داعی الحق فرمایا ہے۔اس کے اوصیاء کو بھی داعی الی الحق قرار دیا ہے۔(سورہ آل عمران:۱۰۴) چاہیے کہ تم میں سے ہمیشہ ایک امت ایسی موجود رہے۔جو خیر مطلق کی طرف دعوت دے۔اور امر بالمعروف کرے اور نہی عن المنکر کرے۔اور یہ غیر از ذریت رسولؐ واہل بیتؑ رسولؐ اور کوئی نہیں۔وہ ہی ذریت رسولؐ ہے۔جس کا ایک فرد ہمیشہ موجود ہے۔اگر وہ زمین سے اُٹھ جائے۔تو زمین مع اہل زمین تباہ ہو جائے اور دنیا نیست ونابود۔دعوت الی الحق موقوف ہے علم احاطی پر۔اور علم ہم علیؑ اور اولاد علیؑ کا ثابت کر چکے ہیں۔پس ہدایت ودعوت الی الحق وہی کر سکتے ہیں۔جو علم میں سب سے مقدم ہیں۔اور علم اپنے وجود کے ساتھ لیکر آتے ہیں۔اور قبل نزول ظاہری قرآن کے عالم ہیں۔اور باب علوم نبوتی ہیں۔کیونکہ اگر ایسا نہ ہو۔تو وہ خود محتاج ہدایت غیر ہوں گے۔اور جب محتاج ہدایت غیر ہوئے۔تو ہادی وداعی الی الحق نہیں ہو سکتے۔(سورہ یونس ۳۵) کیا وہ شخص سزاوار و مستحق اتباع ہے۔جو حق کی طرف ہدایت کرتا ہے۔یا وہ شخص جو اپنی ہدایت میں دوسرے کا محتاج ہے۔اور دوسرے شخص کی راہ نمائی کی ہدایت ہی نہیں پا سکتا۔تمہیں کیا ہو گیا ہے۔کہ ایسا خلاف فطرف وخلاف عقل حکم کرتے ہو،ہدایت ودعوت الی الحق موقوف ہے علم موہبتی لدنی پر۔اور یہ علم علیؑ واولادؑ علیؑ میں ہے اور وہ داعی الی الحق ہیں۔

مولا علیؑ اور اُن کے گیارہ معصوم فرزند ولی خدا ہیں

خدانے اپنے پیغمبرؐ کو ولی قرار دیا ہے۔ وصی نبی کو بھی ولی فرمایا ہے۔ ۵۵-۵ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ہ (سورۃ المائدہ /۵۵) سوائے اس کے نہیں ہے۔ کہ تمہارا ولی خدا ہے۔ اور اس کا رسولؐ۔ اور وہ اہل ایمان جو نماز کو قائم کرتے ہیں۔ اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔ بالاتفاق مفسرین اس سے مراد علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں۔ اور باتفاق اہل اسلام علیؑ ولی اللہ ہیں۔ جیسا کہ امام ابواسحاق احمد بن محمد الثعلبی نے اپنی تفسیر میں اس کی شرح کی ہے۔ ملاحظہ ہو روایت ابن عباس وابوسعیدؓ غفاری وغیرہ۔ اور بعد اس کے وہ لوگ جو اس صفت زکوٰۃ فی الرکوع سے متصف ہیں۔ اور راکعین مطلق ہیں۔ (سورہ البقرہ:۴۳) یہ رکوع ایک معنیٔ خاص رکھتا ہے۔ اور یہاں محض افہام وتفہیم کے لئے مذکور ہوا ہے۔ ورنہ دراصل اور فی الحقیقت رکوع سے مراد رکوع ظاہری نماز نہیں ہے۔ (سورہ آل عمران:۴۳) اے مریمؑ اپنے پروردگار سے دعا کر اور سجدہ بجالا، اور رکوع کر رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ بلا سجدہ راکعین کے ساتھ رکوع کرنا بے معنی ہے۔ اور جب کافرین سے کہا جاتا ہے۔ کہ رکوع کرو۔ تو وہ رکوع نہیں کرتے۔ کیا اس رکوع سے نماز کا رکوع مراد ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

پس رکوع سے مراد ایک حالت خاص ہے۔ اور یہاں بطور تشبیہ ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ نماز کی تین حالتیں ہیں۔ ایک حالت قیام۔ ایک رکوع۔ ایک سجدہ۔ قیام حالت استقامت ہے۔ سجود فناء وکمال عجز وانکسار وتواضع اور رکوع حالت وسطی۔ پس اسی طرح انسان تین حالتیں رکھتا ہے۔ ایک حالت استقامت ذاتیہ ہے۔ اور ایک حالت سجدہ ہے۔ کہ مقام فناء مطلق ہے۔ کہ اپنے وجود سے بالکل غافل ہوتا ہے۔ اور خدا

کی طرف بالکلیہ مائل۔ ایک حالت رکوع ہے۔ کہ نہ استقامت ذاتیہ ہے۔ اور نہ فنائے مطلق بلکہ بین بین۔ پس راکعین ایک جماعت خاص ہیں۔ جو واسطہ ہیں درمیان خالق و مخلوق۔ اور امت وسط ہیں۔ خدا سے لیتے ہیں۔ اور مخلوق کو پہنچاتے ہیں۔ فقال عز وجل۔ سورہ البقرہ: ۱۴۳) اسی طرح سے خدا نے تم کو امت وسط قرار دیا ہے۔ کہ تم تمام لوگوں پر شہید رہو۔ اور رسول تم پر شہید ہو۔ اور یہی دو راکعین و ساجدین ہیں۔ جن کے لئے حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کو حکم تھا۔ کہ خانہ کی ان کے لئے تطہیر کرو۔ (سورہ البقرہ ۱۲۵) اے ابراہیمؑ و اسماعیل میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور راکعین و ساجدین کے واسطے پاک و پاکیزہ رکھو۔ یہ راکعین و ساجدین ذریت ابراہیمؑ و نسل اسماعیلؑ ہے۔ جس کی نسبت خود حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا ہے۔ (سورہ ابراہیم: ۳۷) اے میرے پروردگار میں نے اپنی بعض ذریت کو یہاں وادی بے زراعت میں تیرے خانہ محترم کے پاس مقیم کیا ہے۔ تا کہ یہ دُنیا میں نماز کو قائم کریں۔ پس یہ راکعین امت وسط واسطہ فیضان الٰہی ہیں۔ اور یہی ولی امور خداوندی اور بعد پیغمبرؐ اولی بالتصرف و متصرف مطلق۔ یہ ہمیشہ تابع فرمان الٰہی اور اس کے ہر ایک حکم کے آگے سر تسلیم خم کیے ہوئے ہیں اور دوسرے تمام لوگوں کو حکم ہے۔ کہ ان کے ساتھ ہو جائیں۔ ان کی اطاعت اور ان کے قدم بقدم چلیں۔ اور ان کی اقتداء کریں۔ (سورہ المرسلات: ۴۸) جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ان کے ساتھ ہو جاؤ۔ اور ان کی اقتداء کرو۔ وہ ایسا نہیں کرتے۔ اور یہی وہ ولایت مطلقہ او اولیت ہے۔ جس کا اعلان جناب رسول مقبولؐ نے خم غدیر میں بایں الفاظ کیا تھا۔ من کنت مولا فعلی مولا الخ (جس کا میں مولا و ولی ہوں۔ علیؑ بھی اس کا مولیٰ ہے)۔ اور اسی واسطے آپ نے اول حاضرین سے یہ اقرار لیا تھا۔ الست اولی بکم من انفسکم۔ کیا میں تمہارے نفسوں سے زیادہ تم پر متصرف نہیں ہوں؟ جو آیہ مجیدہ (سورہ الاحزاب: ۶) کا مفہوم ہے۔ اور جب سب نے اقرار کر لیا۔ اور "بلی" کہہ دیا۔ اُس وقت فرمایا۔ کہ پس علیؑ بھی ایسا ہی ہے۔ اور میرے بعد وہی ولی خدا اولیٰ بالتصرف ہے۔ حکومت تحت ولایت مطلقہ ہے۔

صراط مستقیم ہیں

خدانے اپنے رسول کو صراط مستقیم پر قرار دیا ہے۔ اور اپنے ولی کو بھی صراط مستقیم پر قرار دیا ہے۔ بلکہ نفس صراط مستقیم قرار دیا ہے۔ (سورہ الحجر:۴۱) یہ علیؑ کا سیدھا راستہ ہے۔ اور پیغمبرؐ کے لئے فرمایا: (سورہ یٰسین ۳:۳۔۴) (سورہ الانعام:۱۵۳) یہ میرا سیدھا راستہ ہے۔ صرف اسی کا اتباع کرو۔ اور مختلف راستوں پر نہ جاؤ۔ اگر ایسا کرو گے۔ تو راہ خدا سے جدا ہو جاؤ گے۔ یہ صراط علیؑ و اولاد علیؑ ہے۔ کہ قائم مقام و جانشین رسولؐ ہے۔ صراط علیؑ صراط نبیؐ ہے۔ اور صراط نبیؐ صراط اللہ۔ ملاحظہ ہوں روایات رشید احمد ابن زین الحبشی کہتے ہیں۔ کہ میں نے اپنے سردار شیخ و امام اور قطب حبیب عبداللہ الحداد سے سنا۔ کہ وہ فرماتے تھے۔ **ان طریقة السادة العلوية هی الصراط المشار اليه فی قوله تعالیٰ ان هذا صراطی مستقيما فاتبعوه والا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيله** ۔ یعنی طریقہ سادات علویہ (علیؑ و اولاد علیؑ) ہے۔ وہ صراط مستقیم الٰہی ہے۔ جس کی طرف قرآن میں اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے۔ پس اسی کی اتباع کرو۔ اور دوسرے مختلف راستوں کو نہ چلو۔ اگر ایسا کرو گے۔ تو راہ خدا سے دور ہو جاؤ گے۔ اور اسی طریقہ مستقیمہ کی کتاب اللہ میں تشریح ہے۔ جس پر کبھی اور کسی طرف سے باطل کا دخل نہیں ہو سکتا۔ ھذا صراط علیؑ مستقیم۔ اور یہی قول نبیؐ فعل نبیؐ اور تقریری سے ثابت ہے۔ اور یہی صالحین سلف اور تابعین کا عقیدہ رہا ہے۔ اور اسی کو امام ابو طالب مکی اور امام ابو القاسم قشیری نے نقل کیا ہے۔ اور جو ان کے قدم بقدم چلے ہیں۔ اور انہوں نے اس باب میں مفصل و مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ کہ صراف مستقیم طریق علیؑ و اولاد علیؑ ہے۔ اور اسی کو امام حجۃ الاسلام ابو حامد غزالی نے ثابت کیا ہے۔ یہ طریقہ مستقیمہ اولاد علیؑ میں آباؤ اجداد سے چلا آیا ہے۔ چنانچہ اپنے باپ و نانا سے حسنینؑ نے پایا۔ اور ان سے علیؑ ابن الحسین زین العابدین کو وراثتاً پہنچا۔ اور اس صورت سے ثابت ہے۔ کہ ان کا طریق محض کتاب و سنت ہے۔ پس جو شخص طریق علوی کے مخالف ہو۔ اس کا طریق ان سبل متفرقہ میں سے ہے۔ جو سبیل اللہ و صراط الٰہی سے جدا ہیں۔ (رشفتہ الصادی) صراط علیؑ صراط نبیؐ ہے۔ اور صراط نبیؐ صراط اللہ۔ وان ربی علی صراط مستقیم۔

مولا علیؑ اور اُن کے گیارہ معصوم فرزند مخلوقات پر گواہ ہیں

پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ کہ شہید اولا و بالذات خدا کی صفت ہے۔ اور ثانیاً و بالعرض بعد خدا اس کا رسولؐ شہید علی الخلق ہے۔ اسی طرح سے اس کی اوصیاء و علیؑ و اولاد علیؑ شہید ہیں۔ فقال سبحانہ و تعالیٰ۔ (سورہ البقرہ: ۱۴۳) اسی طرح سے ہم نے وسط قرار دیا ہے۔ کہ تم تمام لوگوں پر شہید ہو۔ اور رسولؐ تم پر شہید ہے۔ مفسرین کا یہ قول بالکل غلط و باطل بلکہ بدیہی البطلان ہے۔ کہ اس امت وسط سے مراد تمام اُمت محمدیؐ ہے۔ کیونکہ قرآن شاہد ہے۔ کہ خود اہل اسلام کے خود اپنے معاملات میں ان کی شہادت مقبول نہیں ہے۔ بلکہ چاہئے کہ ثبوت مدعا میں دو شاہد عادل پیش کریں۔ بلکہ بعض معاملات میں چار شاہدوں بلکہ شہیدوں کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ باب زنا میں۔ اور نص قرآن فاسق کی خبر مقبول نہیں۔ جب تک کہ وہ شاہد و بینہ اپنے بیان پر پیش نہ کرے۔

پس کیونکر ہو سکتا ہے۔ کہ تمام صالحین و فاسقین امت کی شہادت غیروں کے حق میں مقبول ہو جائے۔ یہ شاہد بھی نہیں ہو سکتے۔ نہ کہ شہید جس کے معنی حاضر علی الشئے ہیں۔ (سورہ النساء: ۳۳) کون ہے افراد امت میں سے جو مثل خدا احاطہ بر خلائق رکھتا ہو۔ مگر وہ شخص جو مظہر اوصاف الٰہی اور خلیفہ خدا ہو۔ اور ایسا شخص امت محمدیؐ میں مگر علیؑ اور اولاد علیؑ جو آئینہ اوصاف نبویؐ ہیں۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو یہ آیہ سورۃ الحج۔ (سورہ الحج: ۷۸) اے ایمان والو رکوع اختیار کرو۔ اور فنا فی اللہ ہو جاؤ۔ اور اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔ اور خیر مطلق کو بجالاؤ۔ اور اُس کی راہ میں حق جہاد ادا کرو۔ اُس نے تمہیں کو اس واسطے اختیار و پسند کیا ہے۔ اور اس کے لئے چن لیا ہے۔ اور باوجود اس کے تم پر دین میں تنگی نہیں رکھی۔ یہ تمہارے باپ ابراہیمؑ کی ملت ہے۔ اسی نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔ پہلی کتب میں بھی اور اس میں بھی ذکر ہے۔ تاکہ تم پر پیغمبر شہید

رہے۔ اور تم تمام لوگوں پر شہید ہو۔ اور آیہ مجیدہ کی بارہ صفتیں یا بارہ خصوصیتیں یا بارہ حکم بتلا رہے ہیں کہ اس سے خاص برگزیدگان خدا وہی نفوس مراد ہیں۔ جو تمام اوصاف نبیؐ میں شریک اور نفس رسولؐ ہیں۔ اور مثل رسولؐ شہید علی الناس ہیں۔ اور اولاد ابراہیمؑ سے ہیں۔ اور حضرت ابراہیمؑ نے اُن کو پہلے سے مسلمان قرار دیا ہے۔ پہلی کتب میں بھی اور اس کتاب میں بھی۔

ہم صرف اسی کتاب کے حوالہ کا ذکر یہاں کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ آخری کتاب اور مصدق جمیع کتب سابقہ ہے۔ اور بتلاتے ہیں۔ کہ کہا ان کو حضرت ابراہیمؑ نے مسلمان فرمایا ہے۔ (سورہ البقرہ: ۱۲۷۔۱۲۸) اے ہمارے پروردگار ہم دونوں (ابراہیمؑ و اسماعیلؑ) کو اپنا خاص مطیع و منقاد بنا۔ اور ہماری ذریت میں سے ایک اُمت کو ایسا ہی مسلمان بنا۔ اور اس کی تشخص کے لئے فرمایا۔ (سورہ البقرہ: ۱۲۹) اور اے پروردگاران میں ان ہی میں سے ایک کو رسول بنا۔ ان آیات سے ثابت ہے۔ کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی ذریت یعنی اولاد اسماعیلؑ میں ایک امت کے لئے اپنے سے اسلام کی خواہش کی ہے۔ اور اسے ویسا ہی مسلمان قرار دیا ہے۔ اور ایہ امت مسلمہ ہمیشہ ذریت ابراہیمؑ میں موجود ہے۔ اور یہ امت مسلمہ وہی ہے جس میں پیغمبرؐ مبعوث ہوا ہے۔ اور وہ ان کا ایک فرد ہے۔ اور ظاہر ہے کہ پیغمبرؐ بنی ہاشم سے ہے۔ پس وہ امت بھی بنی ہاشم ہی سے ہے۔

اور ایسی اُمت مسلمہ جو وقت بعث مرسل مسلمان ہو۔ اور پیغمبرؐ اُن میں سے مبعوث ہوا سوائے علیؑ ابن ابی طالبؑ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ وہ پہلے سے مسلمان تھے۔ اور وقت بعثت پیغمبرؐ کی تصدیق کی۔ ولم یشرک باللہ طرفۃ عین ابدک۔ ایک چشم زدن کے واسطے مشرک نہیں ہوئے۔ پس وقت بعثت نبیؐ بھی وہ مشرک نہ تھے۔ موحد و مسلم تھے اور رسولؐ پر ایمان لائے یعنی ان کی تصدیق کی۔ جس طرح حضرت لوطؑ حضرت ابراہیمؑ پر ایمان لائے تھے۔ یعنی ان کی تصدیق کی تھی۔

(سورہ العنکبوت:۲۶) اور ابراہیمؑ پر لوطؑ ایمان لایا۔ اور اسی وجہ سے تمام اہل اسلام حضرت علیؑ کو کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں۔ کیونکہ کبھی شرک نہیں کیا۔ اور کسی بت کے آگے نہیں جھکے۔ اور یہی وہ مسلمین ہیں جن کا ذکر آیہ سورۂ قصص میں آچکا ہے۔ یعنی جو وقت تلاوت قرآن کہتے ہیں۔ کہ ہم تو پہلے ہی سے مسلمان ہیں۔ پس یہ قبل نزول قرآن اسلام لانے والے علیؑ اور اس کی صفت سے متصف اولاد علیؑ ہیں۔ لہذا شہید یہی امت مسلمہ ہے۔ جس کو حضرت ابراہیمؑ نے مسلمان قرار دیا ہے۔ پس علیؑ بھی مثل رسولؐ شہید علی الناس ہیں۔ بعد ازاں دیگر آئمہؑ جو ان کی صفات سے متصف اور وارث نبوت و خلافت و امامت ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ تمام الفاظ بصیغہ جمع استعمال ہوئے ہیں۔ یعنی باقی آئمہ اہلبیتؑ بھی مثل نبیؐ و علیؑ شہید علی الناس ہیں۔

مولا علیؑ اور اُن کے گیارہ معصوم فرزند مخلوقات کے اعمال پر گواہ ہیں

خدا نے اپنے حبیب کو رویت اعمال میں شریک کیا ہے۔ کہ خدا اور اس کا رسولؐ لوگوں کے تمام اعمال کو دیکھتے ہیں۔ پس اسی طرح سے کچھ مومنین خاص کو اسی صفت سے موصوف کیا ہے۔ (سورہ التوبہ: ۱۰۵) کہہ دو اپنے پیغمبر کو عمل کرو جو کچھ تمہارا دل چاہے۔ خدا تمہارے عمل کو دیکھتا ہے۔ اور اس کا رسولؐ و مومنین۔ اور عنقریب تم خداوند عالم الغیب والشہادت کی طرف جاؤ گے۔ پس وہ تم کو تمہارے اعمال سے آگاہ و متنبہ کرے گا۔ یہ رویت اعمال تفسیر شہید علی الناس ہے۔ اور شہید تین ہے۔ خدا۔ رسول خداؐ۔ اور وصی رسول خداؐ۔ پس اعمال کو دیکھنے والے اور ان پر احاطہ رکھنے والے اور ان پر حاضر و ناظر بھی تین ہی ہیں۔ خدا اور رسول خداؐ اور مومنین جو بعد رسولؐ شہید علی الناس ہیں۔ اس تفسیر سے یہ بھی واضح نہ ہو گیا۔ کہ شہید علی الناس تمام امت محمدیؐ ہرگز نہیں ہو سکتی۔

جو تمام اعمال ناس پر حاضر و ناظر ہو۔ عام مسلمان کسی ایک شخص کے اعمال ظاہریہ و باطنیہ پر جو شب و روز میں اس سے سرزد ہوتے ہیں۔ احاطہ نہیں رکھتے۔ چہ جائیکہ تمام عالم کے لوگوں کے اعمال پر احاطہ رکھتے ہوں۔ پس اعمال عباد کو دیکھنے والے وہی نفوس قدسیہ ہیں۔ جو مظہر خدا اور آئینہ جمال رسولؐ خدا ہیں۔ اور اول ان کا علیؑ ابن ابی طالب ہے۔ اسی کی تفسیر میں پیغمبرؐ نے فرمایا ہے۔ اے علیؑ جو میں دیکھتا ہوں۔ وہی تو دیکھتا ہے۔ اور جو کچھ میں سنتا ہوں۔ وہی تو سنتا ہے۔ اسی کان کی صفت میں کلام حمید مجید میں آیا ہے۔ (سورہ الحاقہ ۱۲:) اور تمام آوازوں کو حفظ و ضبط رکھتا ہے۔ ایک کان جس کی صفت اذن واعیہ ہے یعنی اذن سامعہ نہیں۔ بلکہ واعیہ ہے۔ یعنی اس میں اتنی ظرفیت ہے۔ کہ تمام آوازوں کو بالتفصیل ضبط و حفظ رکھے۔ یہ کان جس کی ظرفیت ایسی ہے۔ علیؑ اب ابی طالبؑ ہی کا کان ہے۔ اس کی تائید اور تفسیر میں تفسیر کبیر ملاحظہ ہو۔

مولا علیؑ اور اُن کے گیارہ معصوم فرزند اللہ سبحانہ کا سننے والا کان ہیں

اور امام ابو اسحاق الثعلبی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ تو رسول خداؐ نے فرمایا۔ یا علیؑ یہ تمہارا کان ہے۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں۔ اُس وقت میں کوئی چیز بھی نہیں بھولتا۔ اور نیز ثعلبی اور ابوالحسن علیؑ ابن احمد الواحد نے اپنی مضمون کو بریرہ اسلمی سے روایت کیا ہے۔ کہ "تعیھا اذان واعیہ" حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ پس وہ یہ کان ہے۔ جو تمام آوازوں کی بالتفصیل ضبط رکھتا ہے۔ اور کیونکر ایسا نہ ہو۔ وہ اسی خداوند سمیع و بصیر کا مظہر ہے۔ جس پر آوازیں مشتبہ نہیں ہوتیں۔ اور جناب سر اللہ فی العالمین اپنے خطبے میں فرماتے ہیں۔ کہ معاشر الناس تم رسول اللہؐ سے میری قرابت قریبہ اور منزلت مخصوصہ کو جانتے ہو۔ میں بچہ تھا۔ تو رسولؐ نے مجھے اپنی گود میں بٹھایا۔ مجھے اپنے سینے سے لگاتے تھے۔ اور اپنے بستر پر سُلاتے تھے۔ اور میرا بدن ان سے مس کرتا تھا۔

اور میں اُن کی خوشبو سونگھتا تھا۔ وہ جناب اپنے منہ میں کچھ چباتے تھے۔ اور پھر مجھے کھلاتے تھے۔ پس نہ تو میری بات میں کبھی جھوٹ پایا گیا۔ اور نہ میرے فعل و عمل میں کوئی خطا و غلطی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کے ساتھ دودھ بڑھائی کے زمانے سے ایک ملک اعظم ساتھ کیا ہوا تھا۔ جو آنحضرت کو مکارم اخلاق اور محاسن تعاب پر شب و روز چلاتا تھا۔ اور میں ہمیشہ حضرتؐ کے ساتھ ساتھ اس طرح رہتا تھا۔ جس طرح اُونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے نشان قدم پر چلتا ہے۔ اور ساتھ ساتھ رہتا ہے۔ ہر روز وہ جناب میرے لئے ایک علم اخلاق بلند کرتے تھے۔ اور مجھے اقتداء رکا حکم دیتے تھے۔ اور وہ جناب ہر سال میرے ساتھ کوہ حراء پر جاتے تھے۔ اور میرے اور خدیجہؑ کے سوا ان کو اور کوئی نہ دیکھتا تھا۔ اور ایک گھر میں جناب رسول خداؐ اور خدیجہؑ کبھی نہیں ہوئے مگر یہ کہ میں تیسرا ہوتا تھا۔ میں نور وحی و رسالت دیکھتا تھا۔ اور بوئے نبوت سونگھتا تھا۔ اور جس وقت آنحضرتؐ پر اول وحی اجرائی نازل ہوئی۔ تو میں نے شیطان کے رونے کی آواز سنی۔ اور میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ یہ کیسا نالہ ہے۔ فرمایا۔ یہ شیطان کے رونے کی آواز ہے۔ اور وہ اپنی عبادت سے مایوس ہو گیا۔ بیشک تو سنتا ہے جو میں سنتا ہوں۔ اور دیکھتا ہے جیسا کہ میں دیکھتا ہوں۔ مگر تو نبی نہیں ہے۔ اور بتحقیق کہ تو وزیر ہے۔ اور تو بیشک خیر پر ہے۔ اور فرماتا ہیں۔ میں سنتا تھا آواز کو۔ اور دیکھتا تھا روشنی کو تبلیغ و انذار سے سات سال قبل۔ اور صادق آل محمدؐ بیان فرماتے ہیں۔ کہ حضرت علیؑ جناب رسول خداؐ کے ساتھ قبل اظہار رسالت تو دیکھتے تھے۔ اور آواز سنتے تھے۔ اور رسول مقبولؐ نے آپ سے فرمایا۔ اگر میں خاتم الانبیاءؐ نہ ہوتا۔ تو اے علیؑ تم میرے شریک نبوت ہوتے (جیسے ہارونؑ تھے)۔ پس اگر تم نبی نہیں ہو۔ تو وصی نبیؐ ہو۔ اور وارث نبی ہو۔ بلکہ تم سید اوصیاء و امام اتقیاء ہو (کمافی المناقب)۔ پس یہی ہے اذن اللہ الواعیہ۔ اور یہی ہے عین اللہ ید اللہ و وجہ اللہ و جنب اللہ۔

الحاصل علیؑ جملہ اوصاف واخلاق وآداب وعلوم وفنون وجمیع کمالات میں شریک رسولؐ ہیں اور ان کی تمام صفات کا نمونہ اور ان کے جمال کا آئینہ۔ اسی وسطے فرماتے ہیں۔ تمام اوصاف واخلاق وفضائل و کمالات جن کا ملائکہ نے نبیؐ کے لئے اقرار کیا ہے۔ انہی کا میرے لئے اقرار کیا ہے۔ اور انہی صفات سے مجھے متصف کیا ہے۔ مگر اسم نبوت کہ وہ مخصوص ہے آنحضرتؐ سے اور اُن پر ختم۔ غرض سوائے منصوصفات موسوی میں شریک حضرت موسیٰؑ تھے۔ اور اسی واسطے حضرتؐ نے فرمایا ہے۔ اے علیؑ تو مجھ سے وہ نسبت رکھتا ہے۔ اور اسی درجے میں ہے۔ جس میں ہارونؑ تھے۔ یعنی اسی طرح سے میری صفات سے متصف میر اوزیر میرا خلیفہ اور میرے امر میں شریک ہے۔ مگر یہ کہ نبوت مجھ پر ختم ہوگئی ہے۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اگر میرے بعد نبی ہوتا۔ تو تو بھی مثل ہارونؑ نبی کہلاتا۔ تجھ میں موجود ہے۔ چنانچہ جملہ ثقات آئمہ حدیث مسلم و بخاری وترمذی وغیرہ نے اپنی اسانید سے اپنی اپنی صحاح میں سعد بن وقاص وغیرہ سے نقل کیا۔ کہ جنگ تبوک کے موقع پر آنحضرتؐ علیؑ کو اپنے اہل پر خلیفہ بنا کر چھوڑ گئے۔ اس وقت حضرتؑ نے عرض کیا۔ آپ مجھے عورتوں بچوں میں چھوڑتے جاتے ہیں۔ تب آپ نے فرمایا۔ یعنی تم مثل ہارون میرے خلیفہ وقائم مقام ہو۔ اسی وجہ سے کہ وہ جناب تمام فضائل وکمالات اور روحانیت ونورانیت میں مثل نبیؐ ہے۔ خدا نے اس کو نفس رسول قرار دیا ہے۔ الخ (سورہ آل عمران:۶۱) کہہ دو اے پیغمبر کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تم اپنے بیٹوں کو۔ اور ہم اپنی نساء کو بلائیں اور تم اپنی نساء کو۔ اور ہم اپنے نفسوں کو بلائیں اور تم اپنے نفسوں کو۔ اور پھر ایک دوسرے کو بددعا کریں۔ اور باتفاق مفسرین انفسنا سے مراد جناب امیرؑ ہیں۔ لیکن انفس بصیغہ جمع آنا اور پھر ضمیر جمع متکلم مع الغیر کی طرف مضاف ہونا ثابت کررہا ہے۔ کہ یہ سب نفوس قدسیہ ایک دوسرے کا نفس اور نفس واحدہ ہیں۔ اور حسنینؑ اور فاطمہؑ بھی اسی طرح نفس رسولؐ ہیں جس طرح علیؑ۔ اور اسی وجہ سے یہ تینوں بزرگوار بھی مثل پیغمبرؐ آیہ تطہیر میں شامل اور حرمت صدقہ میں شریک اور اسی طرح وہ نفوس جوان کی صفات سے متصف اور آئینہ جمال محمدیؐ ہیں۔ اور جن کی شان میں خود پیغمبرؐ نے فرمایا ہے۔ اے علیؑ تو میرا بھائی میرا وصی میرا وارث ہے۔ تیرا گوشت میرے گوشت سے ہے۔ اور تیرا خون میرے خون سے ہے۔ اور

تجھ سے صلح مجھ سے صلح ہے۔ اور تجھ سے جنگ مجھ سے جنگ ہے۔ اور ایمان تیرے گوشت پوست میں مخلوط ہے۔ جس طرح میرے گوشت پوست میں مخلوط ہے۔ اور تو ہی کل حوض کوثر پر ہی میرا قائم مقام ہوگا۔ تو میرے قرض کو ادا کرے گا۔ اور میرے وعدے پورے کرے گا۔ ملاحظہ ہو کتاب المناقب وینابیع۔

مولا علیؑ اور اُن کے گیارہ معصوم فرزند مظہر کامل خداوند جلیل ہیں

محمد بن الحکیم الترمزی رسالہ فتح المبین کی شرح ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے کہا۔ کہ علم کے دس حصے ہیں۔ علیؑ کے لئے نو حصے ہیں اور باقی تمام لوگوں کے لئے باقی دسواں حصہ۔ اور وہ جناب اس دسویں حصے میں بھی اور سب سے زیادہ عالم ہیں۔ اور فرمایا۔ کہ حضرتؑ ایک شب مجھ سے باء بسم اللہ الرحمن الرحیم کی شرح بیان کرنے لگے۔ یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ اور حضرتؑ شرح سے فارغ نہ ہوئے۔ اس وقت میرا علم اس بحر زخار کے مقابلہ میں مثل فوارے کے معلوم ہوتا تھا۔ اور اس وقت جنابؑ نے فرمایا۔ اگر میرے لئے مسند بچھائی جائے۔ اور میں اس پر بیٹھوں۔ تو اہل توریت کے لئے توریت سے فیصلہ کروں۔ اور اہل انجیل میں انجیل سے۔ اور اہل قرآن میں قرآن سے۔ اسی واسطے صحاب رضی اللہ عنہم احکام کتاب میں انہی کی طرف سے رجوع کرتے تھے۔ اور انہی سے فتاویٰ لیتے تھے۔ جیسا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے چند مرتبہ فرمایا۔ اگر علیؑ نہ ہوتے۔ تو عمر ہلاک ہوجاتا۔ اور آنحضرتؐ نے فرمایا ہے۔ عالم ترین امت علیؑ بن ابی طالبؑ ہے۔ انتہی۔ اور صاحب شرح الکبریت الاحمر فرماتے ہیں۔ حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ اگر میرے لئے مسند بچھائی جائے۔ تو میں اہل توریت میں توریت سے حکم کروں۔ اہل انجیل میں انجیل سے اور اہل فرقان میں ان کے فرقان سے۔ الحدیث۔ پس اس جناب کا علوم خاتم الرسل اور علوم شرائع جمیع انبیاء

سابقین کی جامعیت کو دیکھنا چاہیئے۔ اوران تمام علوم کی جامعیت اور احاطہ ان کو ان کی کتب کے مطالعہ سے حاصل نہیں ہوا۔ بلکہ وراثت روحانی اور علم لدنیا ور الہامات الٰہیہ کے ذریعہ سے حاصل ہوا۔ اور یہ انسان کامل کا مرتبہ ہے۔ اور صوفیہ اس کو آخر درجہ تنزلات خمسہ قرار دیتے ہیں۔ اور انسان کامل جامع ہوتا ہے جمیع مظاہر الٰہیہ کو۔ اور وہ ہمارے نبیؐ اور ان کا وارث علیؑ ہے۔ انتہی۔ پس جناب رسول خداؐ جامع جمیع مظاہر الٰہیہ مظہر کامل خداوند عالم ہیں اور علیؑ جامع جمیع اوصاف محمدیؐ اور انسان کامل اور مظہر مطلق خداوند جلیل۔ پس بعد رسولؐ وہ قائم مقام رسولؐ ہیں۔

مولا علیؑ اور اُن کے گیارہ معصوم فرزند واجب الاطاعت ہیں

اسی اتحاد ذاتی وصفاتی وتوارث صفات وانصاف باوصاف وتخلق باخلاق نبویؐ کی وجہ سے اطاعت علیؑ مثل اطاعت پیغمبرؐ فرض وواجب کی گئی ہے۔ (سورہ النساء:۵۹) یعنی اطاعت کرو خدا کی اور اطاعت کرو اُس کے رسولؐ کی اور اُن کی جو بعد رسولؐ ولی امو نبوی ومتصرف ومدبر امور الٰہی ہیں۔ جب تک کہ کوئی شخص وارث صفات نبوی ونمونہ کمالات خاتمیؐ وآئینہ اوصاف محمدیؐ نہ ہو۔ اطاعت اس کی مثل اطاعت پیغمبر ہرگز واجب نہیں ہوسکتی۔ پس یہ ولی امر بعد رسولؐ وہ ہیں۔ جو شریک صفات محمدیؐ ونفس رسولؐ ہیں۔ اور اس کی اطاعت بعینہ رسولؐ کی اطاعت ہے۔ اور شناخت اولی الامر یہ ہے۔ (سورہ القدر:۴) ملائکہ اور روح شب قدر میں ان کے پاس ہر ایک اور امر الٰہی لے کر نازل ہوتے ہیں۔

اور وہ لوگ جن پر تمام امور الٰہی کی وحی ہوتی ہے۔ غیر نبی اور امام اور کوئی نہیں ہوسکتا ہے۔ کیونکہ وحی شرط نبوت وامامت ہے۔ (سورہ الانبیاء:۷۳) اور ہم نے اُن کو امام بنایا ہے۔ کہ وہ ہمارے امر سے

ہدایت کرتے ہیں۔اور ہمارا امر ان پر نازل ہوتا ہے۔اور ہم نے اُن کو ہر فعل خیر اور قامہ صلوٰۃ و اداء زکوٰۃ کی وحی کی ہے۔ بلا ہماری وحی کچھ نہیں کرتے۔اور وہ ہمارے ہی عبادت گزار ہیں۔پس صاحبان امر وہ الیان امور مدبر امور سوائے آئمہ معصومین اہلبیتؑ جو وارث صفات نبوی ہیں اور کوئی نہیں ہے۔ دھوالمطلوب۔اور تصرف امری کے سمجھنے کے لئے ملاحظہ ہو آیہ ذیل۔(سورہ الاحزاب:٦)(نبی مومنین کی جانون کا خود اُن سے زیادہ مالک اور ان پر متصرف ہے)۔حتی کہ امر پیغمبر ہر حال میں واجب الاتباع ہے۔خواہ عبادت خدا اور نماز ہی میں کیوں نہ ہو۔جیسا کہ ثابت کیا جا چکا ہے۔

یہ حکم بعد پیغمبرؐ اُولی الامر کے واسطے ہے۔اور اُولی الامر مثل پیغمبرؐ مومنین کی جانون کا مالک ہے۔اور امر اس کا مثل امر پیغمبریؐ ہر حال میں واجب الاتباع ہے۔نماز کو ترک کرے اور حکم نبیؐ و اُولی الامر بجالائے۔یہی معنی اُولی الامر کے سمجھنے کے لئے کافی ہیں۔ بعد پیغمبرؐ اولی الامرؑ نفس رسولؐ ہے۔کہ حکم اس کا مثل حکم پیغمبرؐ ہے۔نہ کہ حاکم و بادشادہ۔یہ ہرگز اُولی الامر نہیں ہو سکتے۔فتدبر فیہ۔تفصیل کشف الاسرار میں ملاحظہ ہو۔

مولا علیؑ اور اُن کے گیارہ معصوم فرزند افضل المرسلین السابقین و خلیفہ رب العالمین ہیں

بنص آیات کریمہ مثل آیہ شہادت و آیہ نذارت مطلقہ۔(سورہ الفرقان:١) آیہ میثاق نبین ثابت و محقق ہے۔کہ پیغمبرؐ خاتم النبین تمام انبیاءؑ سابقین سے افضل ہیں۔ بلکہ تمام ملائکہ و ارواح و عقول قادسہ جملہ ماسوی اللہ تحت نبوت مطلقہ خاتم النبیین داخل اور آپ کی امت میں شامل اور آنحضرتؐ تمام اُن فضائل و کمالات کے جامع ہیں۔جو جملہ انبیاءؑ فرداً فرداً رکھتے تھے۔اور علیؑ چونکہ نفس رسولؐ اور تمام

صفات میں مثل رسولؐ و آئینہ کمالات رسولؐ ہیں۔ اس لئے وہ بھی تمام انبیاءؑ سے افضل ہیں۔ لہذا آنحضرتؐ نے ایک دن جبکہ حضرت علیؑ باہر سے تشریف لائے فرمایا۔ مرحبا اے سید المرسلین و امام المتقین۔ جیسا کہ حافظ ابونعیم نے حلیہ میں روایت کیا ہے۔ اور امام بیہقی نے فضائل صحابہ میں آنحضرتؐ سے باسناد خود روایت کی ہے۔ کہ حضرت نے فرمایا۔ یعنی جو چاہئے کہ علم آدمؑ۔ تقوائے نوحؑ۔ حلم ابراہیمؑ۔ ہیبت موسویؑ اور عبادت عیسویؑ کو دیکھے۔ تو علیؑ ابی طالبؑ کو دیکھے۔ کہ جامع جمیع صفات انبیاءؑ ہے۔ پس وہ علم معیار خلافت جو حضرت آدمؑ رکھتے تھے۔ حضرت علیؑ بھی رکھتے ہیں۔ اور جو علم وہ تقویٰ و ہیبت و عبادت دوسرے انبیاء میں تھی۔

ان میں بھی مع شے زائد۔ کہ جو صفات خاتمی ہیں۔ اور انہی صفات پر حضرت علیؑ کو خلق کیا۔ پس جس طرح سے خدا نے آدمؑ داوٗدؑ وغیرہما کو اپنا خلیفہ و جانشین مقام اور اپنی صفات کاملہ کا مظہر کامل اور صفات صفاتیہ کا نمونہ بنایا ہے۔ اسی طرح سے علیؑ کو اپنی صفات کمالیہ کا نمونہ و خلیفہ و جانشین بنایا ہے۔ (سورہ الزخرف: ۲۸)۔ ہم خدا کی زمین میں اس کے جانشین و قائم مقام ہیں۔ اور حضرت اپنے خطبہ میں فرماتے ہیں۔ میں امیر المومنین۔ سردار متقین۔ آیہ سابقینؑ۔ لسان ناطقین و خاتم وصیین ووارث نبیین اور خلیفہ رب العالمین ہوں۔ یہ خلفاء اللہ مثل افضل خلفاء رب العالمین حضرت خاتم النبیین وجہ اللہ۔ ید اللہ ولسان اللہ وجنب اللہ و باب اللہ وکلمتہ اللہ وعین اللہ واذن اللہ ہیں۔ اس خلافت راشدہ الٰہیہ کو اجماع و شوریٰ عوام الناس وغلبتہ السلطنت سے کوئی تعلق نہیں۔ خلیفہ خدا ہمیشہ خلیفہ خدا ہے۔ خواہ اس کو غلبہ ظاہری حاصل ہو یا نہ ہو۔ اور خواہ اُس کو کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے۔ کوئی اس کو پہچانے یا نہ پہچانے۔ البتہ فصول اربعہ۔ تقدم علم۔ قدرت اور حکم اس کے لئے ہمیشہ ثابت ہے۔ اور اوصاف الٰہیہ ہمیشہ اس سے منعکس ہیں اور خلافت نہیں ہے مگر توارث صفات۔

حضرت شیخینؓ خلفائے ثلاثہ کا احساسِ جرم

ثقیفہ بنی ساعدہ کی گلیوں میں بیعت کے اس طرح ناگہانی اور اچانک اور بے سوچے سمجھے واقع ہو جانے کا آخر میں ان حضرات کو بھی افسوس ہوا۔ اور انجام سوچ کر اس پر شرمندہ ہوئے۔ اور حضرت خلیفہ ثانی نے تو صاف فرمایا۔ کہ یہ بیعت فتنۃً واقع ہو گئی تھی۔ آئندہ ایسا ہوا تو گردن مار دوں گا (ملاحظہ ہو کتاب علامہ ابن قتیبہ موصوف)۔ اور حضرت خلیفہ اول نے چند مرتبہ اقالہ بیعت کی خواہش ظاہر کی اور اس سے دست برداری چاہی۔ چنانچہ گذرا۔ اور آخر وقت یعنی مرض الموت میں جب آپ ان اُمور کو یاد کر کے متاسف ہونے لگے ہیں۔ تو عبدالرحمن بن عوف نے کہا۔ ان باتوں کو چھوڑ دیئے۔ ان کے صدمے کو کم کیجئے۔ کیونکہ ایسے خیالات سے مرض میں زیادتی ہوگی۔ آپ برابر نیک کام کرتے رہے ہیں۔ اور میں خیال کرتا ہوں۔ کہ آپ نے کوئی ایسا کام نہیں کیا۔ جس پر متاسف ہوں۔ اور کوئی ایسا عمل آپ سے فوت نہیں ہوا۔ فرمایا۔ ہاں خدا کی قسم میں افسوس نہیں کرتا مگر تین باتوں پر جو میں نے کی ہیں۔ کاش کہ میں انہیں نہ کرتا۔ اور تین باتوں کے ترک کرنے پر کاش کہ میں انہیں کر لیتا۔ اور تین باتیں کاش کہ خدا سے ان کے باب میں دریافت کر لیتا۔ پس تین باتیں وہ جو میں نے کی ہیں۔ اور چاہئے تھا کہ میں انہیں نہ کرتا۔ وہ یہ ہیں۔ کاش کہ میں خانہ علیؑ کو چھوڑ دیتا۔ اگرچہ جنگ کا اعلان ہی کیوں نہ کر دیتے۔ دوسرے یہ کہ کاش یوم سقیفہ بنی ساعدہ ابوعبیدہ یا عمر کے ہاتھ پر بیعت کرتا۔ وہ امیر ہوتا اور میں وزیر ہوتا۔ اور خلافت اختیار نہ کرتا۔ تیسری بات یہ ہے کہ کاش کہ جب فجاءۃ السلمی اسیر ہو کر لائے گئے۔ تو میں انہیں یا تو قتل کر دیتا یا چھوڑ دیتا۔ اور خلاف قانون اسلام آگ میں نہ جلواتا۔ اور وہ تین باتیں جو نہیں کیں اور کاش میں اُنہیں کر لیتا۔ یہ ہیں۔ اول جب اشعث بن قیس اسیر کر کے لایا گیا تھا۔ تو اس کو قتل کر دیتا اور زندہ نہ چھوڑتا۔ دوم سوم جب میں نے خالد بن ولید کو شام کی طرف بھیجا تھا۔ عمر ابن الخطاب کو عراق پر بھیج دیتا۔ اور وہ تین چیزیں جن کو میں رسول اللہ سے پوچھ لیتا یہ ہیں۔ کاش اول میں دریافت کر لیتا۔ کہ آپ کے بعد خلافت کس کا حق ہے۔ تاکہ کسی کو اس میں جھگڑنے کا موقع نہ

رہتا۔ دوم دریافت کرلیتا۔ کہ آپ کے بعد خلافت کس کا حق ہے۔ تا کہ کسی کو اس میں جھگڑنے کا موقع نہ رہتا۔ دوم دریافت کر لیتا۔ کہ آیا انصار کا بھی اس میں کچھ حق ہے؟ سوم یہ کہ بھتیجی اور پھوپھی کی میراث کی بابت دریافت کر لیتا۔ کیونکہ میرے دل میں اس کی بابت ابھی تک شک ہے۔

یہ حضرات بھی وقوع واقعہ خلافت کو دلیل حقیقت و صداقت نہ جانتے تھے

اگر جناب خلیفہ صاحب اس واقعہ کے کیف ما کان واقع ہو جانے کو دلیل حقیت جانتے۔ یہ شکوک وشبہات ان کے دل میں جاگزیں نہ ہوتے اور اس طرح سے ان پر تاسف نہ فرماتے۔ اور خلیفہ صاحب اس کو فعل خدا نہ جانتے تھے۔ اگر ایسا جانتے۔ تو فعل خدا پر تاسف اور عدم رضا بقضائے الٰہی کیا معنی؟ ہرگز نہیں۔ محض کسی واقعہ کا وقوع ہو جانا اس کی حقانیت وصداقت کی دلیل نہیں ہے۔ خواہ بیعت ہو یا مصاحبت فی الغار ہو یا مصاحبت فی المقبرہ۔ چنانچہ ایسا ہی حضرت خلیفہ ثانی کے الفاظ سے بھی ظاہر ہے۔ کہ آخر وقت میں جب وہ تاسف فرمانے لگے ہیں۔ اور لوگوں نے آپ کی مدح وثناء شروع کی۔ تو فرمایا۔ ان من عزرتموہ لمغرور جس کو تم عزت دو بیشک وہ مغرور وفریب خوردہ ہے۔ واللہ وددت ان اخرج منھا کفافا کما دخلت فیھا خدا کی قسم میں اس بات کو دوست رکھتا ہوں۔ کہ میں اس سے ویسا ہی برابر سرابر پر نکل جاؤں۔ جیسا کہ داخل ہوا تھا۔

مجھے اس کی جزا ملے نہ سزا۔ خدا کی قسم اگر میرے لئے تمام روئے زمین کی دولت ہوتی۔ تو آنے والے دن کے خوف سے میں اس کو فدا کر دیتا۔ لوگوں نے کہا۔ آپ پر کوئی خوف نہیں ہے۔ فرمایا۔ اگر قتل کا خوف ہے۔ تو مجھے ابولولو نے قتل کر ہی دیا۔ کہا۔ آپ کو خدا جزائے خیر دے۔ فرمایا۔ میں

نہیں سمجھتا ہوں۔ کہ تم اس خلافت میں مجھ پر شک وضبط کرو گے۔ خدا کی قسم میں نہیں جانتا۔ کہ میرا کیا انجام ہوگا۔ اور میں کس حال میں پہنچوں گا۔ ولو ددت انی نجوت منھا کفافا لالی علی فیکون خیرھا بشرھا ویسلم لی ما کان قبلھا من الخیر الخ۔ یعنی اور میں اس بات کو دوست رکھتا ہوں۔ کہ میں اس خلافت سے برابر سرابر پر نکل جاؤں۔ اور اس کی خیر شر کا عوض ہو جائے۔ اور میرے لئے وہی خیر باقی رہ جائے۔ جو قبل خلافت حاصل تھی۔ انتہی لفظہ۔ قریباً یہی مضمون بخاری ص ۵۳۴ پر مروی ہے۔ وددت ذالک کفافا لا علی لالی کیا اس اقرار اور تاسف وندامت کے بعد کوئی عاقل دعویٰ کرسکتا ہے۔ کہ حضرات شیخین اس واقعہ کے نفس وقوع کو دلیل حقیت اور فعل خدا (خدا کا کام) جانتے تھے؟ ہر گز نہیں۔

یہ ان پر محض افتراء و بہتان ہے۔ سچ ہے "چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی"۔ ہر ایک کام کے کرنے سے پہلے اس کے انجام کو سوچ لے۔ دنیا کو دین پر مقدم رکھے۔ ورنہ یندم حیث لا ینفع الندم اور انسان ہمیشہ اس دن کو دیا رکھے۔ یوم یعض الظالم علی یدیہ ویقول الکافر یالیتنی کنت ترابا۔ اس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو غصے سے کاٹے گا۔ اور کافر کہے گا۔ **کہ اے کاش آج کے دن میں خاک ہو جاتا۔ اور یہ ندامت نہ دیکھتا۔** اللھم احفظنا من شرور انفسنا ونجنا من ھول المطلع۔

عظمت اھلبیت کا قرآن کریم سے استدلال اور فقط اھلسنت اور اھلحدیث کی کتب سے اثبات

کیا اور کسی کے متعلق بھی ایسی واضح آیتیں نازل ہوئیں جیسی اہل بیت طاہرینؑ کی شان میں نازل ہوئیں؟ کیا کلام مجید کی محکم آیتوں نے اہل بیتؑ کے علاوہ کسی اور کی طہارت و پاکیزگی کا حکم لگایا

ہے۔(اس میں (آیۂ تطہیر) یعنی آیۂ ۳۳ سورۂ احزاب کی طرف اشارہ ہے) کیا دنیا بھر کے لوگوں میں کسی ایک کے لیے آیت تطہیر نازل ہوئی ہے؟

اھلسنت اور اھلحدیث کی کتب سے ثبوت:

☆ صحیح (مسلم) کتاب فضائل الصحابه، (فضائل اهل بیت النبی) ج ۱۵ ص ۱۵۴ ط مصر
☆ باشرح نووی، صحیح (ترمذی) ج ۲ ص ۲۰۹، ۳۰۸، ۳۱۹ ط بولاق
☆ مسند (احمد بن حنبل) ج ۱ ص ۳۳۰ ط المیمنیه مصر (با سند صحیح)
☆ المستدرک (حاکم نیشا بوری) ج ۳ ص ۱۳۳، ۱۴۶، ۱۴۷، و ۱۵۸ او ج ۲ ص ۴۱۶
☆ تلخیص المستدرک (ذهنی) در ذیل المستدرک (حاکم) وهی صفحات
☆ المعجم (طبرانی) ج ۱ ص ۶۵ و ۱۳۵
☆ شواهد التنزیل (حاکم حسکانی حنفی) ج ۲ ص ۱۱-۹۲ ح ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۴، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۵، ۶۷۸، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۶، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۴، ۷۰۷، ۷۱۰، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۲۹، ۷۴۰، ۷۵۱، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، و ۷۷۴ ط ابیروت
☆ خصائص امیر المومنینؑ (نسائی شافعی) ص ۴ ط التقدم مصر
☆ ترجمته الامام علی بن ابی طالب از تاریخ دمشق (ابن عاسکر

شافعی) ج ۱ ص ۲۵۰، ۲۷۲، ۳۲۰، ۳۲۱، و ۳۲۲ ط

☆ کفایتہ الطالب (گنجی شافعی) ص ۵۴، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴ و ۳۴۵ (باسند صحیح) و ۳۷۶ ط الحیدریہ

☆ مسند (احمد بن حنبل) ج ۳ ص ۲۵۹ و ۲۸۵ و ج ۴ ص ۱۰۷ و ج ۲ ص ۲۹۲، ۲۹۶، ۲۹۸، ۳۰۴، ۳۰۶ ط المیمنیہ مصر

☆ اسد الغائبہ (ابن اثیر شافعی) ج ۲ ص ۱۲ و ۲۰ و ج ۳ ص ۴۱۳ و ج ۵ ص ۵۲۱ و ۵۸۹

☆ ذخائر العقبی (طبری شافعی) ص ۲۱، ۲۳ و ۲۴، اسباب النزول (واحدی) ص ۲۰۳ ط الحلبی مصر

☆ المناقب (خوارزمی) ص ۲۳ و ۲۲۴

☆ تفسیر (طبری) ج ۲۲ ص ۶، ۷ و ۸ ط الحنفی مصر

☆ الدار المنثور (سیوطی) ج ۵ ص ۱۹۸ و ۱۹۹، احکام القرآن (خصاص) ج ۵ ص ۲۳۰ ط عبدالرحمن محمد

☆ مناقب (ابن مغازلی شافعی) ص ۳۰۱، ح ۳۴۵، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰ و ۳۵۱

☆ مصابیع السنئہ (بغوی شافعی ج ۲ ص ۲۷۸ ط محمد علی صبیح

☆ مشکاۃ المصابیح (عمری) ج ۳ ص ۲۵۴

☆ الکشاف (زمخشری) ج ۱ ص ۱۹۳ ط مصطفیٰ محمد

☆ تذکرۃ الخصوص (سبط ابن جوزی (حنفی) ص ۲۳۳

☆ احکام القرآن (ابن عربی) ج ۲ ص ۱۶۶ ط مصر، تفسیر (قرطبی) ج ۱۴ ص ۱۸۲

☆ التسہیل (کلبی) ج ۳ ص ۱۳۷

☆ التفسیر المیز (جاوی) ج ۲ ص ۱۸۳

☆ الاصائبہ (ابن حجر شافعی) ج ۲ ص ۵۰۲ و ج ۴ ص ۳۶۷ ط

مصطفیٰ محمد

☆ الاتقان (سیوطی) ج۴ ص۲۴۰ ط المشهید الحسنی مصر
☆ الصواعق المحرقه (ابن حجر شافعی) ۸۵ ص و۱۳۷ ط المیمنیه مصر
☆ منتخب کنز العمال (متقی هندی) درحاشیه مسند (احمد بن حنبل) ج۵ ص۹۲
☆ السیرة النبوئیه (زین و حلان) درحاشیه السیرة الحلبیئه (برهان الدین حلبی) ج۳ ص۳۶۵ ط محمد علی صبیح مصر
☆ اسعاف الراغبین (صبان) درحاشیئه نور الابصار (شبلخجی) ص۹۷ و۹۸ ط العثمانیه
☆ فتح القدیر (شوکافی) ج۴ ص۲۷۹
☆ نور الابصار (شبلخجی) ص۱۰۱ ط العثمانیه مصر
☆ الاستیعاب (ابن عبدالبر) حاشیئه الاصابئه (ابن حجر) ج۳ ص۳۷ ط السعادة
☆ ینابیع المودئه (قندوزی حنفی) ص۱۰۷، ۱۰۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۴۴، ۲۲۰، و۲۹۴ ط اسلامبول
☆ العقد الفرید (ابن عبدربه مالکی) ج۴ ص۳۱۱ ط لبحنتئه التالیف والنشر مصر
☆ فتح البیان (صدیق حسن خان) ج۷ ص۳۶۳، ۳۶۴ و۳۶۵
☆ الریاض النضرئه (محب الدین طبری شافعی) ج۲ ص۲۲۸ ط۲
☆ فرائد السمطین (حموینی شافعی) ج۱ ص۳۱۶ ح۲۵۰ و ج۲ ص۹ ح۳۵۶، ۳۶۲ و ۳۶۴)

کیا قرآن مجید نے اہل بیت کے علاوہ کسی اور کو ہر شئے سے زیادہ عزیز رکھنے کا حکم دیا؟؟؟ آیہ مودت

اہلسنت اور اہلحدیث کی کتب سے ثبوت:

- ☆ شواھد التنزیل (حاکم حسکانی حنفی) ج۲ ص۱۳۰ ح ۸۲۲، ۸۲۳م ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۸
- ☆ مناقب (ابن مغازلی شافعی) ص۳۰۷، ح ۳۵۲
- ☆ ذخائر العقبیٰ (طبری شافعی) ص۲۵، ۱۳۸
- ☆ الصواعق المحرقه (ابن حجر شافعی) ص۱۰۱، ۱۳۵، ۱۳۶ ط لمیمنه مصر
- ☆ مطالب السوول (ابن طلحه شافعی) ج۱ ص۲۱ ط نجف
- ☆ فکایته الطالب (گنجی شافعی) ص۹۱، ۹۳، ۳۱۳ ط الحیدریه
- ☆ الفصول المهمه (ابن صباغ مالکی) ص۱۱
- ☆ مقتل الحسین (خوارزمی حنفی) ج۱ ص۱ و۵۷
- ☆ تفسیر (طبری) ج۲۵ ص۲۵ ط مصطفی الحلبی مصر
- ☆ المستدرک (حاکم) ج۳ ص۱۷۲، الاتهاف (شبراوی شافعی) ص۵، ۱۳، ۱
- ☆ احیاء لمیت (سیوطی شافعی) درحاشیه الاتحاف (شبراوی)

ص ۱۱۰

☆ نظر درر السمطین (زرندی حنفی) ص ۲۴

☆ نورالابصار (شبلنجی) ص ۱۰۶ ط العثمانیه مصر

☆ تلخیص المستدرک (فخررازی) ج ۲۸ ص ۱۲۶ ط

☆ عبدالرحمن محمد، تفسیر (بیضاوی) ج ۶ ص ۱۲۳ ط۔ مصطفیٰ محمد مصر

☆ تفسیر (ابن کثیر) ج ۸ ص ۳۷۲،

☆ تفسیر (قرطبی) ج ۱۶ ص ۲۲

☆ فتح القدیر (شوکانی) ج ۴ ص ۲۲ ط ۱ مصر

☆ الدرالمنثور (سیطعی) ج ۶ ص ۷

☆ ینابیع الموده (قندوزی حنفی) ص ۱۰۶، ۱۹۴، ۲۶۱ ط اسلامبول

☆ تفسیر (نسفی) ج ۴ ص ۱۰۵

☆ حلیته الاولیاء (ابونعیم) ج ۳ ص ۲۰۱

☆ فرائد المسطین (حموینی) ج ۱ ص ۲۰ و ج ۲ ص ۱۳ ح ۳۵۹

کیا جبرئیل آیہ مباہلہ اہلبیت علیہم السلام کے علاوہ کسی اور کے متعلق لے کر نازل ہوئے تھے؟

اهلسنت اور اهلحدیث

کی کتب سے ثبوت:

☆ صحیح (مسلم) کتاب الفضائل باب (فضائل علی بن ابی طالب) ج ۱۵ ص ۱۷۶ ط مصر با شرح نووی

☆ صحیح (ترمذی) ج۴ ص۲۹۳ ح۳۰۸۵ و ض ۵ ۳۰۱
☆ شواھد التنزیل (حاکم حسکانی) ج ا ص۱۲۰، ۱۲۹ ح۱۲۸، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۵
☆ المستدرک (حاکم) ج۳ ص۱۵۰ (باسند صحیح)
☆ تلخیص المستدرک (ذھبی) درذیل المستدرک (حاکم) ج۳ ص۱۵۰
☆ مناقب (ابن مغازلی شافعی) ص۲۶۳ ح ۳۱۰
☆ مسند (احمد بن حنبل) ج ا ص۱۸۵ ط المیمنیه
☆ کفایه الطالب (گنجی شافعی) ص۵۴، ۸۵، ۱۴۲ ط الحیدریه، ترجمته الا مام علی بن ابی طالب از تاریخ دمشق
☆ (ابن عساکر شافعی) ج ا ص۲۱، ح۱۳۰ و ۲۷۱
☆ تفسیر (طبری) ج۳ ص۱۹۲ ط المیمنیه مصر
☆ الشکاف (زمخشری) ج ا ص۱۹۳ ط مصطفیٰ محمد مصر
☆ تفسیر (ابن کثیر) ج ا ص۳۷۰، ۳۷۱
☆ تفسیر (قرطبی) ج۴ ص۱۰۴
☆ احکام القرآن (جصاص) ج ۲ ص۲۹۵۔۲۹۶ ط عبدالرحمٰن محمد مصر
☆ اسباب النزول (واحدی) ص۵۹
☆ احکام القرآن (ابن عربی) ج ا ص۱۱۵ ط السعادہ مصر
☆ التسھیل لعلوم التنزیل (کلبی) ج ا ص۱۰۹
☆ فتح البیان فی مقاصد القرآن (صدیق حسن خان) ج ۲ ص۷۲
☆ زادالمسیر (ابن جوزی) ج ا ص۳۹۹
☆ فتح القدیر (شوکافی) ج ا ص۳۴۷ ط۲ مصطفیٰ طلبی مصر
☆ تفسیر (فخررازی) ج۸ س۸۵ ط الھیه مصر

☆ جمع الاصول (ابن اثیر) ج۹ س۴۷۰

☆ ذخائر العقمی (محب الدین طبری) ص۲۵

لدھنیاوی صاحب: خدا را یہود و نصاریٰ (اسرائیل و سعودی) کے باپ امریکہ کی سازش کو سمجھیں اور اپنی مقصری کا داغ قدرت الٰہیہ کے معجزات پر نہ لگائیں۔ تعصب کی عینک اتار کر دیکھیں تو آپ کو کبھی بھی غلو نظر نہیں آئے گا ویسے آپ کے مرشدین کی کتب کے عکس بھی منسلک ہیں جن میں واضح موجود ہے کہ آپ حضرات نہ صرف توہین رسالت مابﷺ کے مرتکب ہیں، بلکہ اپنے خالق کو بھی اپنی ہی طرح کا اعضائے جسمانیہ والا انسان سمجھتے ہیں یہ ہی کہہ سکتا ہوں کہ سب کو مرنا ہے اور قیامت سے پہلے قبر تا حشر بھی ان گستاخیوں کی سزا لازماً بھگتنی ہے جیسا کہ ارشاد رب العزت میں۔ ”بڑے عذاب سے پہلے چھوٹے عذاب کی وعید ہے“ کہتا ہوں اور توفیق منجانب اللہ سبحانہ ہے:

اگر ان جوابات سے تشفی نہ ہو تو آئیے مباہلہ فی البیت اللہ کرلیتے ہیں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت طلب کرتے ہیں اور اگر پھر بھی آپ کی تشفی نہ ہو تو آئیے آگ لگا کر اس میں ساتھ داخل ہوتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کون جل کر مرتا ہے اور کون سرخرو ہوتا ہے؟؟؟

(مولف: سید ابن شہیدؒ)

☆ تذکرۃ الخواص (سبط بن جوزی حنفی) ص۱۲ ط الحیدریہ

☆ الدر المنثور (سیوطی) ص۱۲۹

☆ الصواعق المحرقه (ابن حجر) ص ۷۲، ۸۷، ۹۳ ط المیمنیئه مصر

☆ تفسیر الخازن (بغدادی) ج ۱ ص ۳۰۲

☆ السیرۃ الحلبیئه (برهان الدین حلبی) ج ۳ ص ۲۱۲ ط البهیئه مصر

☆ السیرۃ النبویئه (زین و حلان) درحاشیه السیرۃ الحلبیته ج ۳ ص ۵

☆ المناقب (خوارزمی) ص ۶۰، ۹۷

☆ الفصول المهمئه (ابن صباغ مالکی) ص ۱۱۰

☆ شرح نهج البلاغه (ابن ابی الحدید) ج ۱۲ ص ۲۹۱ ط مصر باتحقیق محمد ابو الفضجل

☆ اسد الغابه (ابن اثر شافعی) ج ۲ ص ۲۶

☆ الاصابه (ابن حجرعسقلانی) ج ۲ ص ۵۰۹ ط السعاده مصر

☆ مرآۃ الجنان (یافعی) ج ۱ ص ۱۰۹

☆ مشکاۃ المصابیح (عمری) ج ۳ ص ۲۵۴

☆ البدریه والنهایئه (ابن کثیر) ج ۵ ص ۵۴، ط السعادئه مصر

☆ تفسیر (ابی السعود) درحاشیه تفسیر (رازی) ج ۲ ص ۱۳۴ ط ا الدرالغامره مصر

☆ تفسیر (الجلالین) ج ۱ ص ۳۳ ط مصر

☆ ینا بیع الموده (قندوزی حنفی) ص ۹، ۴۴، ۵۱، ۵۲، ۲۳۲، ۲۸۱ و ۲۹۵ ط اسلامبول

☆ الریاض النضرئه (طبری شافعی) ج ۲ ص ۲۲۸ ط ۲

☆ فرائد المسطین (حموینی) ج ۱ ص ۳۲۸ ح ۳۰۷ وج ۲ ص ۲۳ ح ۳۶۵ و ص ۲۰۵ ح ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶

کیا اہل بیتؑ کے علاوہ سورہ ھل اتٰی کسی اور کی شان میں قصیدہ مدحت بن کر نازل ہوا ہے۔

خدا کی قسم نہیں۔ بلکہ یہ تو فقط انہی کے متعلق نازل ہوا ہے؟

اھلسنت اور اھلحدیث کی کتب سے ثبوت:

☆ شواھد التنزیل (حاکم حسکانی حنفی) ج ۲ ص ۲۹۸ ح ۱۰۴۲، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۵۱، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۱

☆ المناقب (خوارزمی حنفی) ص ۱۸۸، ۱۹۴

☆ کفایه الطالب (گنجی شافعی) ص ۳۴۵-۳۴۸ ط الحیدریه

☆ تذکرئه الخواص (سبط ابن جوزی) ص ۳۱۲-۱۳۷

☆ مناقب (ابن مغازلی) ص ۲۷۲ ح ۳۰۲

☆ نورالابصار (شلنجی) س ۱۰۱ و ۱۰۲ ط العثمانیه مصر

☆ تفسیر (قرطبی) ج ۱۹ ص ۱۳۰

☆ الکشاف (زمخشری) ج ۴ ص ۱۹۷ ط مصطفٰی محمد مصر

☆ روح المعانی (آلوسی) ج ۲۹ ص ۱۵۷

☆ اسد الغابه (ابن اثر جزری شافعی) ج ۵ ص ۵۳۰-۵۳۱

☆ اسباب النزول (واحدی) ص ۲۵۱

☆ تفسیر (فخررازی) ج ۱۳ ص ۲۴۳ ط البهیه مصر

☆ تفسیر (ابی السعود) در حاشیه تفسیر (رازی) ج ۸ ص ۳۹۳ ط الدارلعامرئه مصر

☆ التسهیل لعلوم التنزیل (کلبی) ج ۴ ص ۱۶۷

☆ فتح القدیر (شوکانی) ج ۵ ص ۳۳۸ ط الحلبی مصر

☆ الدر المنثور (سیوطی) ج٦ ص ٢٩٩
☆ ذخائر العقمی (محبی الدین طبری) ص٨٨، ١٠٢
☆ العقدالفرید (ابن عبدربه مالکی) ج٥ ص٩٦ ط ٢ لجنته التالیف والنشر مصر
☆ تفسیر الخازن (بغدادی) ج٧ ص ١٥٩ معالم التنزیل درحاشیه تفسیر الخازن (بغدادی)
☆ معالم التنزویل (بغوی) درحاشیه تفسیر خازن ج٧ ص١٥٩
☆ الاصابئه (ابن حجر) ج ٣ ص٣٢٧ ط السعادئه مصر
☆ تفسیر (البیهاوی) ج ٣ ص ٢٣٥ ط مصطفیٰ محمد
☆ اللآالمصنوعئه (سیوطی) ج ١ ص ٣٧٠
☆ تفسیر (النسفی) ج٣ ص٣١٨
☆ ینا بیع المودئه (قندوزی حنفی) ص٩٣، ٢١٢ ط اسلامبول
☆ نوادر الاصول (حکیم ترمذی) ص ٢٣
☆ شرح نهج البلاغئه (ابن ابی الحدید) ج١٣ ص ٢٧٦ ط مصر با تحقیق محمد ابو الفضل الریاض النضرئه (محب الدین طبری شافعی) ج ٢ ص ٢٤٣، ٣٠٢
☆ فرائد السمطین (حموینی شافعی) ج ١ ص ٥٣ ج ٣٨٣

کیا اھل بیت ھی خدا کی وہ رسی نھیں ھیں؟

جن کے متعلق خدا نے فرمایا ھے:

ق۔۱۰۳ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

تم سب خدا کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ رہو اور پراکندہ نہ ہو۔سورۂ آل عمران (۳) آیہ ۱۰۳۔

اھلسنت اور اھلحدیث

کی کتب سے ثبوت:

☆ شواھد التنزل (حاکم حسکانی حنفی) ج ۱ ص ۱۳۰ ح ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰

☆ الصواعق المحرقه (ابن حجر ھیثمی شافعی) ص ۹۰ ط المیمنیه مصر

☆ ینا بیع الموده (قندوزی حنفی) ص ۱۱۹، ۲۷۴، ۲۹۷ ط اسلامبول

☆ الاتحاف بحف الاشراف (شبراوی شافعی) ص ۷۲،

☆ روح المعانی (آلوسی) ج ۴ ص ۱۲،

☆ نورالابصار (شبلنجی) س ۱۰۱ ط العثمانیه

☆ اسعاف الراغبین (صبان شافعی) ص ۱۰۰ ط العثمانیه

جواب: ابن خلدون (المتوفی ۸۰۸ھ) ایک مشہور مورخ تھا، اس نے اپنے مقدمہ تاریخ میں سنی مکتب اور شیعہ مکتب کے مطابق امامت کی تشریح کی ہے اگرچہ اس نے نبوت کے مفہوم پر کچھ نہیں لکھا ممکن ہے اس نے اس لئے نبوت کے مفہوم پر بحث کرنا مناسب نہ سمجھا ہو کہ نبی کے مفہوم پر دونوں متفق ہیں۔ اسی لئے اس نے نبوت کی بجائے امامت کے متعلق دونوں مکاتب فکر کی آرا پیش کی ہیں۔ جب کہ ہم مذکورہ بالا سوال کی تشریح کے لئے "نبی" کی وضاحت بھی کرتے ہیں۔لفظ "نبی" لفظ "نبا" سے مشتق ہے۔ "نباء" کسی بڑی اور قابل توجہ خبر کو کہا جاتا ہے۔ اصطلاح میں نبی اس عظیم انسان کو کہا جاتا ہے جو غیب کی خبر دے یا غیب سے آگاہ ہو۔البتہ اس سے ہر غیبی خبر مراد نہیں ہے اس سے وہ خبر مراد ہے جس کا تعلق عقیدہ شریعت کے تحت

لوگوں کے فرائض سے ہوا۔ (نبی کی تعریف میں ہم نے لفظ "یا" اس لئے استعمال کیا ہے کہ اگر "نبی" "متعدی" ہوتو اس کا معنی خبر دینے والا اور غیب کی باتیں بتانے والا ہوتا ہے۔ اگر لفظ نبی "لازم" ہوتو اس کا معنی عالم غیب سے آگاہی رکھنے والا ہوتا ہے)۔

انبیاء کی دو اقسام ہیں

۱۔ ایک گروہ وہ ہے جنہوں نے وحی الٰہی کے تحت شریعت کی اساس رکھی اور انسان کی انفرادی واجتماعی زندگی کے لئے حیات بخش قوانین لائے۔ مثلاً شیریعتِ نوحؑ وابراہیمؑ وموسیٰؑ وعیسیٰؑ اور حضرت مصطفیٰ صلوات اللہ علیہم اجمعین۔

۲۔ دوسرا گروہ وہ ہے جنہیں خدا کی طرف سے پہلے سے موجود شریعت کی ترویج وتبلیغ کی ذمہ داری سونپی گئی تھی مثلاً انبیائے بنی اسرائیل کہ وہ سب کے سب حضرت موسیٰ کی شریعت کی ترویج پر مامور تھے۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی وحی تشریعی کا مخاطب ہوتا ہے خواہ وہ بصورت تاسیس ہو یا بصورت ترویج۔ فرشتہ اس پر نازل ہوتا ہے اور وہ اس تشریعی اور دینی امور کی وحی لے کر آتا ہے۔ اور نبی اس وحی کو لوگوں تک پہنچانے پر موموِر ہوتا ہے۔ حضرت رحمتہ اللعالمین اس عظیم کڑی کا آخری حلقہ ہیں آپ کی آمد سے وحی تشریعی کا سلسلہ بندہ ہو گیا اور اب قیامت تک نہ تو دنیا میں نیا نبی آئے گا اور نہ ہی احکام اسلام کو بیان کرنے کے لئے کوئی نبی آئے گا۔

آئیے دیکھیں کہ امام کون ہوتا ہے؟

ابن خلدون لکھتا ہے کہ اہل سنت کی نظر میں امامت امور عامہ کا نام ہے جس کا معاملہ براہ راست امت سے ہے، امت جسے مقرر کردے وہ پیشوا بن جاتا ہے۔ شیعہ نقطۂ نظر کے مطابق امامت دین کی اساس اور اسلام کا حصہ ہے اور پیغمبر کے لئے ہرگز جائز نہیں ہے کہ وہ اس مسئلہ کو نظر انداز کر

دے یا اسے امت کی صوابدید پر چھوڑ دے بلکہ نبی کیلئے ضروری ہے کہ وہ امام کو مقرر کرے۔ امام کے لئے شرط ہے کہ وہ گناہان صغیرہ وکبیرہ سے معصوم ہو۔ ابن خلدون کے اس تجزیہ کے بعد ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ شیعوں کی نظر میں امام تمام وظائف پیغمبر کا حامل ہوتا ہے فرق یہ ہے کہ اس پر وحی تشریعی نازل نہیں ہوتی اور اس سلسلے میں بھی اس پر فرشتہ نازل نہیں ہوتا۔ بالالفاظ دیگر "نبی" وہ عظیم انسان جس پر وحی الٰہی کا نزول ہو اور وہ وحی کی روشنی میں لوگوں کو دین کی تبلیغ کرے اور امام وہ معصوم فرد ہے جسے پیغمبر کی طرف سے دین کی نگہبانی اور امت کی رہبری کے لئے متعین کیا گیا ہو۔ الغرض پیغمبر دین کا مؤسس ہوتا ہے اور امام دین کا نگہبان اور پاسدار ہوتا ہے۔ وحی تشریعی نبی نازل ہوتی ہے۔ البتہ اس وحی تشریعی کے علاوہ امام کی بھی وہی ذمہ داریاں ہوتی ہیں جو نبی کی ہوتی ہیں اور ان عظیم ذمہ داریوں سے عہدہ برآمد ہونے کے لئے ضروری ہے کہ امام میں دو مؤثر شرائط موجود ہوں۔

ا۔ اسلام کے اصول وفروع کو تمام افراد امت سے زیادہ بہتر طور پر جانتا ہو تا کہ وہ اسلام کے اصول وفروع کو بطریق احسن بیان کر سکے اور امت کی علمی اور معنوی رہنمائی کر سکے اور اسکی موجودگی کی وجہ سے امت کو کسی اور شخص کی احتیاج محسوس نہ ہو۔

۲۔ گناہوں سے بچنے کے لئے اس میں مادہ عصمت ہونا چاہئے۔ کیونکہ اگر وہ گناہوں سے پاک نہ ہوگا تو لوگ اس کی رفتار و گفتار پر اعتماد نہیں کریں گے۔ اور وہ لوگوں کے لئے عملی نمونہ نہ بن سکے گا۔ مقام عصمت کے بغیر وہ لوگوں کے دلوں میں گھر نہ کر سکے گا۔

چنانچہ لوگوں کے اعتماد کے حصول اور لوگوں کے اذہان وافکار میں گھر کرنے کے لئے اس کا عمدی اور سہوی خطاؤں سے پاک ہونا نہایت ضروری ہے۔ شیعہ متکلمین نے ان دو شرائط کے ضروری ہونے کے

متعلق تفصیلی بحثیں کی ہیں مزید آگاہی کے لئے علم الکلام کی کتابوں کی طرف رجوع فرمائیں۔

آئمہ کے علم و آگاہی کا سرچشمہ

سوال:۔شیعہ بالخصوص شیعہ امامیہ اپنے عقائد اور احکام کا کچھ حصہ قرآن اور سنت رسول سے لیتے ہیں لیکن زیادہ مواقع پر وہ اپنے آئمہ کی روایات پر انحصار کرتے ہیں واضح کریں کہ آئمہ شیعہ کے علم و آگاہی کا سرچشمہ کیا ہے؟

جواب:۔اگر شیعہ زیادہ تر روایات اپنے آئمہ سے لیتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول خدا نے کتاب اللہ کے بعد انہیں دوسری حجت قرار دیا تھا اور آپ نے فرمایا تھا۔

انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی

(کنز العمال جلد اول ص ۱۶۵ حدیث ۹۴۵ طبع دوم۔صواعق محرقہ ص ۱۴۸ طبع محمدی اور دیگر کتب)۔

(میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں اور وہ ہیں اللہ کی کتاب اور میری عترت)

لہٰذا وہ لوگ جو عقیدہ شریعت کو قرآن و عترت کے شفاف چشموں سے حاصل کرتے ہیں رسول خدا کے فرمان کے مطابق وہ گمراہی سے محفوظ رہتے ہیں۔اگر امت اہل بیت کو چھوڑ کر اور لوگوں کی طرف رجوع کرتی ہے تو اس نے رسول مقبول کے حکم کی مخالفت کی ہے۔اب ہم اس سوال کا جائزہ لیتے ہیں کہ علوم اہل بیت کا منبع اور سرچشمہ کیا ہے؟اس کے جواب میں ہم عرض کرتے ہیں کہ آئمہ شیعہ کے علمی منابع حسب ذیل ہیں۔

الف: رسول خدا ﷺ سے منقول

معصومین نے کچھ احادیث کو بلا واسطہ اور کچھ احادیث کو اپنے آبائے طاہرین کی وساطت سے رسول اکرمؐ سے نقل کیا ہے اور وہ احادیث لوگوں تک پہنچائیں۔ روایات کی اس قسم میں ہر امام نے اپنے آبائے طاہرین کی وساطت سے رسولؐ خدا سے روایات نقل کی ہیں اور شیعہ امامیہ کے ہاں اس طرح بکثرت روایات موجود ہیں۔ اگر آئمہ اہل بیت کی سند سے رسولؐ خدا کی احادیث کو یکجا کر دیا جائے تو اس سے بہت بڑی مسند تیار ہو سکتی ہے۔ جو مسلمان محدثین وفقہاء کے لئے ایک عظیم خزانہ ثابت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ آئمہ ہدیٰ کی زبان سے منقول روایات حدیث کی دنیا میں کوئی نظیر نہیں ہے بطور نمونہ اس نوع حدیث میں ایک حدیث کو محدثین "سلسلۃ الذھب" قرار دیتے ہیں اور آج تک وہ حدیث برکت کے لئے علم وادب پرور "سامانیوں" کے خزانہ میں محفوظ ہے۔ ہم ذیل میں اس حدیث کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

شیخ بزرگوار صدوق (۳۸۱۔۳۰۶ھ) نے دو افراد کے واسطہ سے **ابو الصلت** ہروی سے نقل کیا، وہ کہتے ہیں کہ جب امام علی بن موسیٰ الرضاؑ شہر نیشاپور سے گزر رہے تھے تو اس وقت میں حضرت کے ساتھ تھا۔ اس وقت شہر نیشاپور کے بہت سے محدثین مثلاً محمد بن رافع، احمد بن حرب، یحییٰ بن یحییٰ، اسحاق بن راہویہ اور علم دوست افراد کی ایک کثیر جماعت نے آپ کی سواری کی باگ تھامی اور عرض کیا کہ ہم آپ کو آپ کے طاہر و اطہر آباء کی قسم دے کر سوال کرتے ہیں کہ ہمیں اپنے والد کی بیان کردہ کوئی حدیث سنائیں۔

اس وقت آپ نے کجاوہ سے سر نکالا اور یوں ارشاد فرمایا۔

حدثنی ابی العبد الصالح موسیٰ بن جعفر علیہ السلام قال: حدثنی ابی الصادق جعفر بن محمد علیہ السلام قال حدثنی ابی ابو جعفر محمد بن علی باقر علم النبیاء علیہ السلام قال حدثنی ابی علی بن الحسین سید العابدین علیہ السلام قال حدثنی ابی سید شباب اهل الجنة الحسین علیہ السلام قال حدثنی ابی علی بن ابی طالب علیہ السلام سمعت النبی یقول: سمعت جبریل یقول سمعت الله جل جلاله یقول: لا اله الا الله حصنی فمن دخل حصنی امن من عذابی۔

(اپنے آبائے طاہرین کی سند سے حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول مقبولؐ سے سنا)۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں نے جبریلؑ سے سنا۔ جبریلؑ نے کہا میں نے اللہ سے سنا وہ کہتا ہے کہ **لا اله الا الله** میرا قلعہ ہے جو میرے قلعہ میں داخل ہوا میرے عذاب سے محفوظ ہو گیا۔ جیسے ہی سواری چلی تو آواز دے کر فرمایا۔ **بشرو طها وانا من شروطها لا اله الا الله** کہنے کی کچھ شرائط ہیں اور میں بھی اس کی شرائط میں شامل ہوں) اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ آئمہ اہل بیتؑ کے علم و دانش کا ایک حصہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سینہ بہ سینہ ان کے پاس منتقل ہوا۔

ب۔ نقل از کتاب علیؑ

حضرت امیر المومنینؑ، پیغمبر اکرمؐ کی بعثت کے تمام ایام میں آپ کے ساتھ رہے۔ اسی حسنِ صحبت کا یہ فیضان ہوا کہ آپ نے آنحضرتؐ کی بہت سی احادیث کو ایک کتاب میں جمع کیا (اور حقیقت حضرت رسول اکرمؐ لکھواتے تھے اور حضرت علیؑ لکھتے تھے) حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد یہ کتاب خاندان عصمت میں باقی رہی اور آئمہ اہل بیتؑ اس سے استفادہ کرتے تھے۔ احادیث اہل بیتؑ میں

اس کا ذکر ملتا ہے۔ امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ اس کتاب کی لمبائی ستر ہاتھ تھی، اسے رسولؐ خدا نے لکھوایا اور یہ حضرت علیؑ کی تحریر میں ہے، اس میں تمام وہ چیزیں موجود ہیں جن کی لوگوں کی ضرورت ہوسکتی ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ یہ کتاب خاندانِ علیؑ میں ہاتھوں ہاتھ گردش کرتی رہی۔ امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ نے متعدد بار اس کتاب کا حوالہ دے کر اس کتاب کے اقتباسات پیش کیئے تھے اور اپنے دوستوں کو اس کتاب کا دیدار بھی کرایا تھا (**وسائل الشیعہ جلد ۳ باب ۱۲ از ابواب لباس مصلی حدیث اول**)۔ بہت سی شیعہ کتابوں بالخصوص "وسائل الشیعہ" کے مختلف ابواب میں کتاب علیؑ کے حوالے سے بہت سی احادیث مرقوم ہیں۔

ج۔ کتاب وسنت سے استنباط آئمہ علیہم السلام کتاب وسنت سے احکام کا استنباط کرتے تھے۔ اور انہیں استنباط کا وہ ملکہ حاصل تھا جو دوسروں کو حاصل نہ تھا۔ یہاں ان کے استنباط کا ایک نمونہ پیش کرتے ہیں تاکہ معلوم ہوسکے کہ ان کے استنباط کا اندازہ کتنا بلیغ تھا۔ متوکل عباسی کے دورِ حکومت میں ایک عیسائی نے ایک مسلم عورت سے زنا کیا اس نے اپنی بدکرداری کی وجہ سے ذمی ہونے کی شرائط سے تجاوز کیا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کا خون رائیگاں اور اس کا قتل واجب ہوگیا تھا۔ جب عدالت نے اس کے قتل کا فیصلہ کرنا چاہا تو اس نے کلمہ اسلام پڑھ لیا۔ (اسلام کی وجہ سے سابقہ گناہ مٹ جاتے ہیں) کے قانون سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ دربار میں موجود فقہاء میں اس کی وجہ سے اختلاف پیدا ہوگیا۔ فقہاء کے ایک گروہ کی یہ رائے تھی کہ اسلام قبول کرنے کی وجہ سے اس پر حد شرعی نافذ نہ ہوگی۔ ایک گروہ کا خیال تھا کہ اس پر حد شرعی نافذ کی جائے گی۔ ایک اور گروہ ان دونوں گروہوں کے علاوہ فتویٰ دیتا تھا۔ متوکل عباسی کو مجبور ہوکر امام علی نقیؑ کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ امام علی نقیؑ نے فرمایا کہ وہ سزائے موت کا حقدار ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے خوف اور مایوسی کے عالم میں اسلام قبول کیا اور اس طرح کے ایمان واسلام کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ جیسا کہ فرمان خداوندی ہے۔

ق۔۸۴ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْ سَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَ كَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ٥ ق۔۸۵ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْ سَنَا ط سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ٥ (سورۃ مومن آیت ۸۵۔۸۴) (وسائل الشیعہ جلد ۱۸ باب ۳۶ من ابواب حد الزنا ص ۴۰۸)

(جب انہوں نے ہمارے شدید عذاب کو دیکھا تو کہنے لگے کہ اب ہم خدائے واحد پر ایمان لاتے ہیں اور جن معبودوں کو ہم خدا کا شریک بناتے تھے ان کا انکار کرتے ہیں۔ لیکن ہمارے عذاب کو دیکھ لینے کے بعد ان کا ایمان لانا انہیں کوئی فائدہ نہ دے سکا۔ یہ خدا کی وہ روش ہے جسے اس نے اپنے بندوں میں جاری کیا ہے اس وقت کافر خسارے میں رہیں گے)۔

اس آیت مجیدہ میں خداوند عالم نے عذاب کے خوف سے حاصل ہونے والے ایمان کو بے فائدہ قرار دیا ہے۔ اور یہ فرمایا ہے کہ ایسے ایمان کو خدا قبول نہیں کرتا اور یہ خدا کی وہ سنت ہے جس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہے۔ دربار میں موجود تمام علماء و فقہاء اس آیت کو کئی بار پہلے بھی پڑھ چکے تھے لیکن ان کے ذہن میں اس سے استنباط کرنے کے خیال پیدا نہ ہوا۔ یقیناً اس طرح کی گہری سوچ آل محمدؐ پر خدا کی خصوصی عنایت ہے اور ان کے علوم کا ایک پہلو اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام محمد باقرؑ فرمایا کرتے تھے کہ امت اسلامی کو جس بھی چیز کی ضرورت ہو سکتی ہے اللہ نے اس چیز کو قرآن میں نازل کیا ہے اور اپنے رسولؐ کے لئے بیان کیا ہے۔

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔

ما من شيء الا وفيه كتاب وسنة (اصول کافی جلد اول ص ۵۹ باب الرد الی الکتاب والسنۃ)۔

(ایسی کوئی مسئلہ نہیں ہے جس کا قانون کتاب وسنت پیغمبر میں موجود نہ ہو)

امام موسیٰ کاظمؑ کے دورِ امامت میں "سماعہ" ایک مشہور فقیہ تھے۔ سماعہ نے امامؑ سے کہا کہ آپ حضرات جو کچھ بھی کہتے ہیں کیا سب کی سب کتاب اللہ اور سنت رسول کے تحت کہتے ہیں یا اپنی طرف سے بھی کچھ کہتے ہیں؟ امام موسیٰ کاظمؑ نے جواب دیا: **بل كل شيء في كتاب الله وسنة نبيه** (اصول کافی جلد اول ص ۵۹ باب الرد الی الکتاب والسنۃ)۔ امام محمد باقر علیہ السلام اپنی ہر بات کے لئے قرآن کریم سے ثبوت پیش کرتے تھے اور آپ اپنے ساتھیوں سے کہا کرتے تھے کہ میں تمہارے سامنے جو بات کہوں تم مجھ سے یہ پوچھ لو کہ یہ بات قرآن میں کہا ہے تا کہ میں تمہیں اس موضوع سے تعلق رکھنے والی آیت سے باخبر کرسکوں۔ آئمہ ہدیٰ معارف واحکام کے استنباط کے لئے نووارنہ تھے کہ ان کی گفتگو کی جڑیں قرآن وسنت میں نہ ہوتیں۔ وہ ہمیشہ قرآن وسنت سے استخراج کرتے تھے۔ جب کہ دوسروں کو یہ ملکہ حاصل نہیں تھا۔

د۔ خدائی الہامات

آئمہ اہل بیتؑ کے پاس علم ودانش کا ایک اور سرچشمہ بھی تھا اور اسکو "الہام" کا نام دیا جاسکتا ہے واضح رہے کہ "الہام" انبیاء سے مخصوص نہیں ہے۔ تاریخ میں ایسے عظیم افراد بھی گزرے ہیں۔ جو کہ نبی نہیں تھے مگر وہ نعمت الہام سے مالا مال تھے۔ قرآن مجید نے کچھ ایسے افراد کا تعارف کرایا ہے جو

نبی نہ تھے لیکن ان پر اسرارِ جہان کا الہام ہوتا تھا۔ قرآن مجید نے ایسے چند افراد کی نشاندہی کی ہے۔

ایسے ہی افراد میں معلم موسیٰؑ (حضرت خضرؑ) بھی شامل تھے۔ حضرت موسیٰؑ نے چند دنوں تک ان کی شاگردی اختیار کی تھی۔ قرآن کریم نے ان کے متعلق یہ کلمات ارشاد فرمائے۔

ق۔۲۵ **فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ہ(سورہ کھف/۶۵)**

(ہم نے اپنی طرف سے اسے رحمت عطا کی تھی اور ہم نے اپنے خزانہ علم سے علم عطا کیا تھا)

حضرت سلیمانؑ کے ایک مصاحب (آصف بن برخیا) کے متعلق قرآن کریم نے یہ بیان کیا۔

ق۔۴۰ **قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ (سورۂ نمل/۴۰)**

(اس نے کہا جس کے پاس کتاب کا کچھ علم تھا)

حضرت خضرؑ ہوں یا آصف بن برخیاؑ ہوں ان لوگوں نے عام افراد سے علم حاصل نہیں کیا تھا۔ وہ "علم لدنی" کے حامل تھے وہ **علمناہ من لدنا علما** کے مصداق تھے چنانچہ خدا کے خاص مقرب بندے نبی نہ ہونے کے باوجود الہام کے فیضان سے مالا مال ہوتے ہیں۔ فریقین کی بیان کردہ احادیث میں ایسے افراد کو "محدث" کہا گیا ہے۔ اور "محدث" اسے کہا جاتا ہے جو نبی نہ ہو لیکن فرشتے اس سے ہم کلام ہوتے ہوں۔ **صحیح بخاری میں آنحضرتؐ سے منقول ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ لقد کان فیمن کان قبلکم من بنی اسرائیل یکلمون من غیر ان یکونو انبیاء** (صحیح بخاری جلد۲ص۱۴۹)۔

﴿تم سے قبل بنی اسرائیل میں ایسے لوگ موجود تھے جو بنی نہ تھے لیکن فرشتے ان سے کلام کرتے تھے﴾

آئمہ اہل بیت معارف الٰہی اور احکام دینی کی وضاحت کے لئے مرجع امت تھے۔ ایسے سوالات جن کے جوابات احادیث نبوی یا کتاب علیؑ میں موجود نہ ہوتے تھے انہیں ان کی تعلیم الہام کے ذریعے سے دی جاتی تھی۔ (محدث اور اس کے حدود کے لئے ارشاد الساری شرح صحیح بخاری جلد ۹۹/۶ کی طرف رجوع فرمائیں)۔ اس وضاحت سے یہ بات بخوبی معلوم ہو جاتی ہے کہ جو لوگ الہام کو وحی تشریعی کے مساوی قرار دیتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ صاحب الہام نبی ہوتا ہے، ایسے لوگ شدید غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ محدث ایسے ہی افراد کو کہا جاتا ہے جن سے ملائکہ خطاب کرتے ہیں لیکن وہ نبی نہیں ہوتے جیسا کہ ہم نے پہلے ہی عرض کیا ہے کہ حضرت موسیٰ کے مصاحب کو خدا نے **علم لدنی** کا حامل قرار دیا ہے۔ (**وعلمناہ من لدنا علما**) لیکن وہ نبی نہیں تھے۔

آئمہ کے لئے بارہ کی تعداد پر ہی اصرار کیوں ہے، یہ تعداد کم و بیش کیوں نہیں ہو سکتی

جواب:۔ شیعہ عقیدہ کے مطابق مسئلہ امامت امت کے سپرد نہیں کیا گیا۔ مسئلہ امامت کا تعلق خدا اور پیغمبر اکرمؐ کے اعلان سے ہے۔ جہاں تک بارہ کے عدد کا تعلق ہے تو اس کا فلسفہ ہمارے سامنے واضح نہیں ہے۔ اس کی مثالیں آسمانی شرائع میں بہت زیادہ موجود ہیں۔ ذیل میں ہم اس کے چند نمو

نے پیش کرتے ہیں۔

ا۔اولی العزم رسولوں کی تعداد پانچ سے زیادہ نہ ہوئی۔اولی العزم ان رسولوں کو کہا جاتا ہے جو صاحبان شریعت ہوں اور دوسرے انبیاء ان کی شریعت کے مروج ہوں۔سورۃ کی تیرھویں آیت میں ان میں سے چار انبیاء کے نام لئے گئے ہیں۔اور اس کا پانچواں فرد وہ ہے جسے **اوحینا الیک** الفاظ سے مخاطب کیا گیا ہے۔یعنی اس مقدس سلسلہ کے پانچویں فرد جو حضرت حبیب خداؐ ہیں۔ارشاد خداوندی ہے۔

۱۳۔ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِیٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى (سورۃ الشوریٰ آیت ۱۳)

(خدا نے تمہارے لئے وہی آئین مقرر کیا ہے جس کی نوحؑ کو وصیت کی تھی اور جس کی وحی ہم نے آپ کو کی ہے اور جس کی وصیت ہم نے ابراہیمؑ، موسیٰؑ، اور عیسیٰؑ کو کی تھی)۔

(اب یہ سوال کرنا کہ اولی العزم رسولوں کی تعداد پانچ کیوں ہے اس سے کم یا زیادہ کیوں نہیں ہے؟ یقیناً اس طرح کا سوال غیر منطقی ہوگا۔اسی طرح سے حدیث ابوذرؓ میں انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار بیان کی گئی ہے۔اب اس تعداد پر اعتراض کرنا کہ یہ تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار کیوں ہے اس سے کم یا زیادہ کیوں نہیں ہے؟ یقیناً اس طرح کا سوال جہالت پر مبنی ہے اسی طرح سے یہ سوال کرنا کہ آئمہ کی تعداد بارہ کیوں ہے اس سے کم یا زیادہ کیوں نہیں ہے؟ یہ سوال بھی سابقہ دو سوالوں کی طرح سے غیر منطقی ہے۔

۲۔بنی اسرائیل کے بارہ نقیب تھے جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے۔

ۃ۱۲ـ وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ وَ بَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا (سورہ المائدہ/۱۲)

(اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ہم نے ان سے بارہ سرپرست مبعوث کیے)

کیا خدا سے یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ خدایا تو نے بارہ سردار ہی کیوں مقرر کیے اس سے کم یا زیادہ کیوں نہ مقرر کیے؟ یقیناً یہ سوال غلط ہے اسی طرح سے بارہ آئمہ کا سوال بھی غلط ہے۔

۳۔اہل سنت کی نظر میں خلفائے راشدین صرف چار ہیں۔ چار سے نہ کم ہیں نہ زیادہ ہیں کیا پانچ اولی العزم رسولوں اور بارہ نقبائے بنی اسرائیل اور چار خلفائے راشدین کے اعداد کا فلسفہ واضح ہے؟ آئمہ کی تعداد بارہ ہی کیوں ہے اس سے کم و بیش کیوں نہیں ہے۔ دراصل اس کی بنیاد حضرت رسول خداؐ کی ایک حدیث پر ہے۔صحیح مسلم میں جابر بن سمرہ سے منقول ہے کہ میں نے رسول خدا سے یہ کلمات سنے تھے۔

لا یزال الاسلام عزیزا الی اثنی عشر خلیفة

دوسری حدیث میں یہ الفاظ ہیں۔

لا زال هذا الدین عزیزا منیعا الی اثنی عشر خلیفة کلهم من قریش (صحیح مسلم جلد ۶ ص ۴،۳)۔

ان دونوں احادیث کا حصل یہ ہے کہ دین اسلام بارہ خلفاء کی رہبری کے زمانہ تک مضبوط و مستحکم رہے گا۔

اس مضمون کی روایات صحاح اور مسانید میں موجود ہیں۔ چنانچہ ابوداؤد (سنن ابی داؤد کتاب مہدی ص ۲۰۷ طبع مصر) ترمذی (سنن ترمذی جلد۲ ص ۴۵ طبع سال ۱۳۴۲) نے اپنی اپنی سنن میں اور احمد (مسند احمد جلد ۵ ص ۸۶۔۱۰۶) نے مسند میں اور حاکم (مستدرک حاکم، کتاب معرفۃ الصحابہ جلد۳ ص ۶۱۷ طبع ہندوستان) نے مستدرک میں ان احادیث کو نقل کیا ہے۔ لہٰذا اگر شیعہ امامت کو بارہ معصومین میں محصور سمجھتے ہیں تو ان کی ایک دلیل بارہ خلفاء کی یہی حدیث ہے۔ البتہ ان خلفاء کی دوسری خصوصیات کے لئے دوسرے دلائل موجود ہیں جو اپنے مقام پر بیان کیے گئے ہیں۔ ولایت فقہ کا مسئلہ غیبت امام سے مخصوص نہیں ہے۔ امام کی موجودگی میں بھی جامع الشرائط فقہاء منصب قضاوت پر فائز ہوتے ہیں اور لوگوں کے تنازعات نمٹا تے ہیں۔ دنیائے اسلام کی جغرافیائی توسیع کی وجہ سے شیعہ براہ راست امام سے رابطہ نہیں کر سکتے فطری طور پر پردہ کسی ایسے مستند مجتہد کی طرف رجوع کریں گے جو اسلام کو اچھی طرح سے جانتا ہو۔ اور ایسے علماء ہر دور میں آئمہ کے جانشین ہوتے ہیں خواہ وہ غیبت کا زمانہ ہو یا حضور وظہور کا زمانہ ہو۔

بارہ آئمہ کی امامت پر عقیدہ کا زمانہ کب سے؟

سوال:۔ کیا بارہ آئمہ کی امامت کا عقیدہ عہد رسالت میں موجود تھا یا امام حسن عسکریؑ کی وفات کے بعد پیدا ہوا؟

جواب:۔ قریش یا بنی ہاشم سے تعلق رکھنے والے بارہ افراد کی خلافت کا عقیدہ عہد رسالت

میں بالکل واضح تھا۔البتہ ان کے ناموں اور حسب نسب سے آشنائی تدریجی طور پر عمل میں لائی گئی کہ ہر امام نے اپنے وصی اور بعد میں آنے والے امام کا تعارف کرایا۔اور اس کی وضاحت کچھ یوں ہے۔

دلائل قطعیہ سے ثابت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مختلف مواقع پر بالعموم اور غدیر خم پر بالخصوص حضرت علیؑ کی امامت ورہبری کا اعلان کیا تھا اور یوں تشیع ایک اصل اعتقادی کے طور پر وجود میں آئی۔ اسی طرح سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں امام حسن مجتبیٰ اور امام حسینؑ کی امامت ورہبری کا بھی اعلان کردیا تھا۔اور فرمایا تھا۔

الحسن و لحسین اما ما ن قا ما ا وقعد ا۔

(حسنؑ و حسینؑ دونوں امت کے پیشوا ہیں چاہے وہ زمام امور ظاہری طور پر ہاتھوں میں لے لیں یا خانہ نشین ہو جائیں)۔

حضرت امام حسینؑ کی شہادت اور بنی امیہ کی رسوائی کے بعد امت کی نگائیں آپ کے فرزند امام سجادؑ پر پڑیں۔انکے بعد امام محمد باقرؑ سنت نبوی کے احیا گر اور محدثین وفقہاء کے رہبر پھر امام جعفر صادق علیہ السلام پھر ترتیب وار ہر دور کے امام پر پڑتی رہیں۔آئمہ ہدیٰ نے اعصاب شکن ماحول میں بھی حتی الامکان اپنے فرائض منصبی انجام دیئے۔شیعہ ان کی امامت کا پختہ عقیدہ رکھتے ہیں۔یہ تصور کرنا کہ بارہ آئمہ کا عقیدہ حسن عسکریؑ کے دور میں پیدا ہوا تھا، یہ تاریخ تشیع سے ناآگاہی کی علامت ہے۔ہم پہلی فصل میں اس پر تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں۔شائقین کتاب ہذا کی پہلی فصل کی طرف رجوع کریں۔

آئمہ شیعہ اور مسند خلافت

سوال:۔یہ سچ ہے کہ جابر بن سمرہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بارہ خلفاء کی حدیث روایت کی ہے۔

لیکن شیعوں کے بارہ امام اس کے مصداق نہیں ہیں کیونکہ وہ مسندِ خلافت پر کبھی فائز نہیں ہوئے تھے۔

جواب:۔ انبیاء کا وظیفہ صرف یہی ہے کہ وہ لوگوں کو ان کے فرائض سے آگاہ کر دیں خواہ لوگ قبول کریں یا نہ کریں۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنے بھائی ہارونؑ کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا اور فرمایا تھا۔

۱۴۲۔ق وَقَالَ مُوسٰی لِاَخِیْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ o (سورہ اعراف/۱۴۲)

(موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ تم میری قوم میں میرے جانشین بن جاؤ اور ان کی اصلاح کرو اور مفسدین کی پیروی نہ کرو)۔

حضرت موسیٰ نے تو حضرت ہارونؑ کو اپنا نائب مقرر کیا تھا لیکن بنی اسرائیل نے ان کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ اور قریب تھا کہ انہیں قتل کر دیتے چنانچہ ہارونؑ نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا۔

۱۵۰۔ق اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَکَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ (سورہ اعراف/۱۵۰)

(لوگوں نے مجھے کمزور بنا دیا تھا اور قریب تھا کہ قتل کر دیتے)

اگر خلافت کے جواز کی یہی شرط ہے کہ لوگ اسے قبول کریں تو پھر انبیاء مرسلین کی رسالت پر بھی سوالیہ نشان ڈالنے پڑیں گے۔ بہت سے انبیاء کے پیغام کو لوگوں نے تسلیم نہیں کیا تھا (اگر لوگوں کے تسلیم نہ کرنے کے باوجود انبیاء کی نبوت قائم رہ سکتی ہے تو اقتدار نہ ملنے کے باوجود آئمہ ہدیٰ کی امامت بھی قائم رہ سکتی ہے۔

بارہ آئمہ کی حدیث کی توثیق

سوال ۔کیا جابر بن سمرہ کی بیان کردہ بارہ آئمہ کی حدیث ازروئے سند ضعیف نہیں ہے؟

جواب :۔بارہ خلفاء کی حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہے۔ صحیحین کے علاوہ یہ حدیث سنن ابی داؤد اور سنن ترمذی، مسند احمد اور مستدرک حاکم (بارہ خلفاء کی حدیث کے منابع کو پانچویں سوال کے جواب میں نقل کی جا چکا ہے) میں بھی منقول ہے۔ اہل سنت کے ہاں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ہر روایت صحیح ہے اور ان کی نظر میں مذکورہ دو کتابوں کی سند اور مضمون پر اعتراض کرنا غلط ہے۔ سنی علماء کا یہ نعرہ ہے **کل ما فی البخاری صحیح** صحیح بخاری میں موجود ہر روایت صحیح ہے۔ لہٰذا جابر بن سمرہ کی روایت کو ضعیف سمجھنے کا کسی کے پاس کوئی جواز نہیں ہے۔ ابن حجر نے "فتح الباری" کے نام سے صحیح بخاری کی شرح لکھی ہے اور اس میں انہوں نے کہا ہے کہ صحیح بخاری کی تمام روایات معتبر ہیں۔ البتہ انہوں نے کچھ مناقشات لکھے ہیں اور پھر ان کا جواب بھی تحریر کیا ہے۔ (واضح رہے کہ اس نام کی کتاب کو فتح الباری شرح صحیح بخاری کے مقدمہ کے طور پر ابن حجر نے لکھا تھا)۔ ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ جابر بن سمرہ کی بیان کردہ روایت خبر واحد ہے اور عقائد کیلئے خبر واحد حجت نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض تب صحیح ہوتا جب بارہ خلفاء کے لئے صرف جابر بن سمرہ کی ہی روایت ہوتی اور اس کے علاوہ کوئی اور روایت موجود نہ ہوتی۔ جب کہ دلائل امامت اتنے زیادہ ہیں جن سے ہر انصاف پسند شخص کو یقین پیدا ہو سکتا ہے۔

بارہ افراد کی امامت اور عہد نامہ قدیم و عہد نامہ جدید

سوال: کیا بارہ آئمہ کی امامت کا عقیدہ عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید سے ماخوذ نہیں ہے؟

جواب: حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب بارہ خلفاء کی حدیث بیان کی تھی تو آپ

نے یہ کلمات ارشاد فرمائے تھے۔(اس امت کے زمام کار کو میرے بارہ جانشین سنبھالیں گے۔ان کی تعداد بنی اسرائیل کے نقباء کے برابر ہوگی) (منتخب کنز العمال، درحاشیہ مسند احمد جلد ۵ص ۳۱۲)۔ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ امت کے امور کی زمام کتنے لوگ ہاتھ میں لیں گے؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سوال کیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا۔**اثنا عشر کعدۃ نقباء بنی اسرائیل** (تاریخ الخلفاء سیوطی میں ۱۰)رسول اکرمؐ نے ہی اپنے خلفاء کی تعداد بارہ بیان کی تھی۔مقام افسوس ہے کہ کہ انسان اپنے عقیدہ کے دفاع کے لئے اپنی علمی میراث کو خطا وار ٹھہرائے اور یہ کہے کہ بارہ آئمہ کا عقیدہ یہود انصاری سے ماخوذ۔اگر یہی معیار صحیح ہے تو ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے۔کہ بخاری و مسلم نے بھی یہود نصاری سے احادیث حاصل کی تھیں۔

حضرت علیؑ کی وصایت

سوال: آپ حضرات حضرت علیؑ کو وصی رسول کیوں سمجھتے ہیں؟

جواب: حضرت علیؑ کی وصایت کے دو مراحل ہیں۔

۱۔ مرحلہ تجہیز

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مرض الموت کے آخری لمحات میں حضرت علیؑ کو وصیت کی تھی کہ تو مجھے غسل و کفن تمہیں دینا ہے اور میرے قرض کو بھی تمہیں ہی ادا کرنا ہے۔چنانچہ امیر المومنینؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت پر پورا عمل کیا تھا۔اور جب تک آپ ان مراحل سے فارغ نہ ہوئے اس وقت تک آپ نے کوئی دوسرا کام نہیں کیا۔

وصیت کے اس مفہوم کو بھی تسلیم کرتے ہیں اور کسی نے آج تک اس حقیقت سے انکار نہیں کیا (تاریخ ابن عساکر شافعی جلد۲ ص ۴۸۷ حدیث ۱۰۰۶ مستدرک حاکم جلد اول ص ۳۶۲۔ مسند احمد جلد اول ص ۲۶۰ طبع مصر)۔

۲۔ آنحضرتؐ کی جانشینی

آنحضرتؐ نے امت کی رہبری اور سرپرستی کے لئے حضرت علیؑ کو اپنا جانشین نامزد کیا تھا۔ اگر تعصب کی عینک اتار کر انصاف اور غیر جانبداری سے اس مسئلہ کا جائزہ لیں تو ہمیں یہ بات دکھائی دے گی رسول اکرمؐ کی زندگی ہی میں حضرت علیؑ کی خلافت اور جانشینی کا مسئلہ واضح ہو چکا تھا اور حد یہ ہے کہ آنحضرتؐ کی زندگی میں ہی آپ کو "وصی" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا اور یہ لقب اس وقت بھی نظم ونثر میں بہت زیادہ استعمال ہوتا تھا۔

۲۱۴۔ق وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ہ(سورۂ شعراء آیت ۲۱۴) (آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں) کی تفسیر میں محدثین ومفسرین نے لکھا کہ رسول اکرمؐ نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو جمع کیا اور انہیں دعوت اسلام دی۔ آپؐ نے فرمایا۔ اے فرزندانِ عبدالمطلب میں تمہارے لئے دنیا وآخرت کی بھلائی لے کر آیا ہوں۔ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اس کی دعوت دوں۔

فایکم یوازرنی علی امری هذا علی ان یکون اخي ووصی وخلیفی وفیکم۔

(تم میں سے کون ہے جو اس امر میں میری مدد کرے۔ وہ میرا وصی اور بھا

کی اور تمہارے درمیان میرا جانشین ہوتا)۔

کسی نے بھی آپ کی بات کا جواب نہ دیا۔ حضرت علیؑ سب سے کمسن تھے آپ نے آنحضرتؐ سے عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ کی مدد کروں گا۔ اس وقت رسول خدا نے فرمایا۔

ان هذا اخی و وصی و خلیفتی فیکم فاسمعو اله و اطیعوه

(یقیناً یہ میرا بھائی، میرا وصی اور تمہارے درمیان میرا جانشین ہے اس کا فرمان سنو اور اس کی اطاعت کرو) یہ حدیث "حدیث یوم الدار" کہلاتی ہے بہت سے محدثین اور سیرت نگاروں نے اسے نقل کیا ہے۔ (رتخ طبری جلد۲ ص ۳۱۹۔۳۲۱ طبع دارالعارف مصر۔ تاریخ کامل ابن اثیر جلد۲ ص ۶۲۔ ۶۳۔ منتخب کنزالعمال درحاشیہ مسند احمد)۔ وصایت امیرالمومنینؑ کے دلائل صرف اسی حدیث تک محدود نہیں ہیں بلکہ "حدیث ثقلین" اور حدیث سفینہ" اور حدیث غدیر" جیسی تمام احادیث آپ کی وصایت پر دلالت کرتی ہیں۔ اختصار کے مدنظر ہم انہیں نقل کرنے سے قاصر ہیں۔ امیرالمومنینؑ نے اہل بیت پیغمبر کے متعلق یہ جملے ارشاد فرمائے۔ **و فیهم الوصیة والورا ثة** (نہج البلاغہ خطبہ۲) یعنی پیغمبر اکرمؐ نے ان کے متعلق وصیت کی تھی اور وہ پیغمبر کے وارث ہیں) عہد رسالت کے شعراء اور وصایت علیؑ کا ذکر۔ حضرت علیؑ کی وصایت عہد رسالت میں بھی مشہور تھی اور آپ کی وفات کے بعد بھی آپ کی وصایت کا لوگوں میں اتنا چرچا تھا کہ عصر اول کے شعراء نے آپ کو وصی کے لقب سے یاد کیا تھا اس کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ عبداللہ بن ابی سفیان

وصی النبی المصطفی وابن عمه

فمن ذا يد نيه ومن يقا ربه ؟

(آپ نبی اکرمؐ کے وصی اور ان کے ابن عم ہیں، ایسا کون ہے جوان کا مقابلہ کر سکے)؟

۲۔عبدالرحمان جعیل

عليا وصی المصطفی و ابن عمه

و اول من صلی اخا الدين والتقی

(علیؑ حضرت مصطفیؐ کے وصی اور ان کے ابن عم ہیں۔وہ پہلے نماز گزار دیندار اور پرہیز گار ہیں)

۳۔ابن التیہان نے بدری صحابہ سے خطاب کر کے کہا۔

ان الوصی اما منا و ولينا

برح الخفاء و با حت الا سراز

(وصی ہی ہمارا امام اور ہمارا سرپرست ہے۔جو کچھ مخفی تھا وہ مکمل کر سامنے آ گیا اور راز طشت ازبام ہو گئے)۔ابن ابی الحدید نے اس سلسلے میں بہت سے اشعار نقل کئے ہیں جن میں سے کچھ اشعار عہد رسالت کے شاعروں کے ہیں اور کچھ اشعار تابعین کے ہیں۔تمام شعرا نے آپ کو "وصی" کے لقب سے یاد کیا ہے۔(شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد اول ص ۱۴۳۔۱۵۰ طبع مصر)۔وصایت علیؑ کی تردید میں زیادہ سے زیادہ صرف ایک روایت پیش کی جاسکتی ہے جو کچھ یوں ہے کہ بی بی عائشہ سے لوگوں نے وصایت امام کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ رسولؐ خدا نے میرے حجرے میں وفات پائی تھی انہوں نے کسی کے بارے میں وصیت نہیں کی تھی۔(صحیح بخاری جلد اول کتاب وصایا حدیث ۲۷۴۱)۔

سوال یہ ہے کہ لوگوں نے بی بی عائشہ سے آخر یہ بات کیوں پوچھی تھی؟

اس کا جواب بھی واضح ہے کہ صدر اسلام میں حضرت علیؑ کا وصی رسولؐ ہونا انتہائی مشہور تھا اسی

لئے تو لوگوں نے بی بی سے یہ بات کہی تھی۔ بی بی عائشہ کے جواب کو بنیاد بنا کر حضرت علیؑ کی وصایت کا انکار کرنا صحیح نہیں ہے اگر ہم یہ فرض بھی کر لیں کہ رسول خداؐ نے بی بی کے حجرے اور بی بی کے پہلو ہی میں وفات پائی تھی اور اس وقت آپ نے کسی کو وصیت نہیں کی تھی۔ تو کیا اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ آپ نے اپنی صحت و عافیت کے ایام میں یا بیماری کے ابتدائی دنوں میں جب دوسرے گھروں میں تھے حضرت علیؑ کے بارے میں وصیت نہیں کی تھی؟ رسول خدا وصیت جیسے ضروری کام سے انحراف نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ آپ نے ہی لوگوں سے فرمایا تھا۔

ماحق امری مسلم له شيء يوصي فيه يبيت ليلتين الا و وصيته مكتوبة عنده (صحیح بخاری، کتاب وصایا حدیث ۲۷۳۸)

(کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا کہ اس کے پاس وصیت کے قابل کوئی چیز موجود ہو اور وہ وصیت نہ کرے۔

ایسے مسلمان کو دو راتیں اس حالت میں نہیں بسر کرنی چاہئیں مگر یہ کہ اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی ہو۔

"اولی الامر" سے کون لوگ مراد ہیں؟

سوال ۵۹۔ یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ (سورہ النساء/۵۹) میں اولی الامر سے خاص افراد کیوں مراد لیے جاتے ہیں؟

جواب: "اولی الامر" سے کیا مراد ہے؟ اس کے متعلق دو اقوال پائے جاتے ہیں

ا۔ اس سے سپاہ کے سالار مراد ہیں

۲۔ اس سے علماء و دانشور مراد ہیں۔

وہ گروہ جو لفظ "الامر" سے "فرمان" مراد لیتے ہیں وہ پہلے معنی پر اصرار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے "فوجی سربراہ" مراد ہیں جب کہ یہ تفسیر دو وجوہات کی بنا پر نا قابل قبول ہے۔

ا۔ لفظ "الامر" کے متعلق یہ احتمال موجود ہے کہ اس سے "شان و منزلت" مراد ہو اور اس صورت میں آیت کا مفہوم دوسری تفسیر سے ساز گار ہو جاتا ہے۔

۲۔ مورد بحث آیت بعد کی آیت کے لئے بمنزلہ تمہید کے ہے جس کے مطالب اور ترجمہ کو ہم بعد میں ذکر کریں گے۔ اس کی شانِ نزول پہلی تفسیر سے مطابقت نہیں رکھتی اس کی بجائے قول دوم کی تائید کرتی ہے۔

مفسرین نے آیت مجیدہ کے شانِ نزول کے متعلق لکھا ہے کہ ایک شخص جو کہ ظاہری طور پر مسلمان کہلاتا تھا اور اندرونی طور پر منافق تھا، اس کا ایک یہودی سے کسی بات پر اختلاف ہوا۔ یہودی نے کہا کہ اس مقدمہ کا فیصلہ تمہارے نبی محمدؐ سے کراتے ہیں۔ یہودی نے یہ بات اس لئے کہی تھی کہ وہ جانتا تھا کہ محمد مصطفیؐ رشوت نہیں لیں گے۔ منافق نے کہا، نہیں اس کا فیصلہ کعب بن اشرف یہودی سے کراتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ منافق جانتا تھا کہ کعب بن اشرف رشوت لے کر اس کے حق میں فیصلہ دیدے گا۔

اس وقت آیت اولی الامر اور بعد کی آیت نازل ہوئی۔ ان دو آیات کا پورا متن حسب ذیل ہے۔

۵۹۔ق يَآ اَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَ اُولِى الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ‌ۚ فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِىۡ شَىۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ‌ ؕ ذٰ لِكَ خَيۡرٌ وَّاَحۡسَنُ تَاۡوِيۡلًا (النساء ۵۹)

[اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور اطاعت کرو رسول کی اور جو تم میں صاحبان امر ہوں۔ اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو یہ کام تمہارے لئے بہتر ہے اور اس کا انجام بہت ہی اچھا ہے۔

ا۔ لفظ "اولی الامر " کا عطف "الرسول" پر ہے "اور عامل نصب دونوں کا ایک فعل ہے اور وہ ہے۔ **اطیعو الرسول واولی الا مر منکم** "اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فیصلوں کے لئے "اولی الامر" کا مقام "رسولؐ" سے متصل ہے۔ یعنی جس طرح سے رسولؐ خدا فیصلہ میں غلطی نہیں کر سکتے اسی طرح ہے اولی الامر بھی وہ ہیں جن سے فیصلہ میں کسی غلطی کو کوئی امکان نہیں ہے اور اس طرح سے "اولی الامر" سے وہ علماء مراد لئے جا سکتے ہیں جو گناہ اور خطا سے معصوم ہوں۔

۲۔ اس آیت مجید میں "اولی الامر" کی غیر مشروط اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اور اس اطاعت کو کسی طرح بھی مقید اور محدود نہیں کیا گیا، مثلاً خدا نے یہ نہیں کہا کہ تم اس وقت تک اولی الامر کی اطاعت کرو جب تک وہ کسی مغالطہ اور اشتباہ میں نہ پڑیں۔ اللہ نے اولی الامر کی اطاعت کا مطلق طور پر حکم دیا ہے اور اس کے ساتھ کوئی شرط اور قید نہیں لگائی۔ غیر مشروط اطاعت کے حکم سے واضح ہوتا ہے کہ ان کا

فیصلہ کبھی شریعت کے تقاضوں کے خلاف نہیں ہوگا۔اور وہ کبھی کسی مغالطہ میں مبتلہ نہ ہوں گے،اس سے اولی الامر کی ہر طرح کے گناہ اور خطا سے عصمت لازم آتی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالٰی نے والدین کی اطاعت کو مشروط کیا ہے اور فرمایا ہے۔

۸۔ق وَ وَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ حُسْنًا ط وَاِنْ جَاهَدٰکَ لِتُشْرِکَ بِیْ مَا لَیْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا (سورۃ عنکبوت/۸)

(ہم نے انسان کو والدین سے نیکی کرنے کی سفارش کی ہے اور اگر وہ دونوں مشرک ہوں اور کوشش کریں کہ تم میرے ساتھ انہیں شریک بناؤ جس کا تمہیں علم نہیں ہے تو اس حالت میں ان کی اطاعت نہ کرنا)

والدین کی اطاعت مشروط اور مقید ہے کہ اولی الامر کی اطاعت کا غیر مشروط طور پر حکم دیا گیا ہے۔
ہم یہ جانتے ہیں کہ مخلوق جب خدا کی نافرمانی کا حکم دے تو ان کی اطاعت کرنا ناجائز ہوجاتا ہے۔جیسا کہ حضرت رسول خدا ﷺ کا فرمان ہے۔

لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق (وسائل الشیعہ جلد ۸ باب ۵۹ ابواب وجواب الحج حدیث ۷)

(خدا کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے)

اس حدیث پاک کا مفہوم قرآن کریم میں بھی موجود ہے جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے۔

۲۸۔ق قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ (سورۃ اعراف/۲۸)

(اللہ برائی کا حکم نہیں دیتا)

خلاصہ یہ ہے کہ

۱۔ "اولی الامر" کی غیر مشروط اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔

۲۔ جب کوئی شخص شریعت کے حکم کے خلاف حکم دے تو اس وقت اس کی اطاعت خود بخود حرام ہو جاتی ہے۔

مذکورہ بالا دو مطالب سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ قرآن نے "اولی الامر" کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور "اولی الامر" وہی جو معصوم ہیں جنہوں نے پوری زندگی شریعت کے خلاف عمل نہیں کیا اور پوری زندگی میں ان سے خطا صادر نہیں ہوئی۔ اور اتنی معصومانہ زندگی اگر کسی کی ہے تو وہ صرف بارہ امام ہیں۔ تمام مسلمان متفق ہیں کہ ان حضرات کے علاوہ اور کوئی معصوم نہیں ہے۔ مضمون آیت کے علاوہ تین سے زیادہ مستند و مرسل احادیث ایسی بھی موجود ہیں جن میں "اولی الامر" سے بارہ آئمہ معصومین کو مراد لیا گیا ہے۔ (تفسیر البرہان جلد اول ص ۳۸۱۔۳۸۶)

حدیث غدیر میں لفظ مولی کا معنی

سوال: حدیث غدیر میں "من کنت مولاہ فعلیٌ مولاہ" کے الفاظ وارد ہیں کیا لفظ "مولا" سے محبّ اور مددگار مراد نہیں ہے؟ شیعہ اسی حدیث سے رسول خداؐ کے بعد حضرت علیؑ کی امامت و خلافت پر استدلال کرتے ہیں اور ان کا استدلال تب صحیح ہو سکتا ہے جب "مولی" "اولی یا ولی" کے معانی میں ہو جب کہ اس لفظ کے لئے احتمال یہ ہے کہ یہ محبّ اور ناصر کے معنی میں استعمال ہوا ہو۔ گویا رسول خداؐ نے

لوگوں سے یہ سفارش کی تھی کہ میرے بعد علیؑ کی مدد کریں اور ان سے دوستی رکھیں۔ جواب حدیث میں موجود لفظ "مولی" کے مفہوم کی وضاحت کے لئے دو نکات پر بحث کرنا پڑے گی۔

الف: عربی زبان میں لفظ "مولی" بمعنی "اولی" استعمال ہوتا ہے؟

ب۔ اگر بالفرض استعمال ہوتا ہے تو اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ حدیث سے بھی یہ مطلب و معنی مراد ہے؟

الف:۔ لفظ "مولی" عربی زبان میں "اولی" کے معانی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور اس کے روشن ترین ثبوت کے لئے ہم چند آیات پیش کرتے ہیں۔

۱۵۔۵ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ط مَأْوٰكُمُ النَّارُ ط هِيَ مَوْلٰكُمْ ط وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ہ (سورۂ حدید /۱۵)

(آج نہ تم سے کوئی فدیہ لیا جائے گا اور نہ کفار سے، تم سب کا ٹھکانا جہنم ہے وہی تم سب کا صاحب اختیار ہے اور وہ بدترین ٹھکانہ ہے)۔

مفسرین بیان کرتے ہیں کہ اس آیت میں استعمال ہونے والا لفظ "مولیٰ" "اولی" کے معانی میں ہے کیونکہ ان لوگوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے دوزخ ہی ان کے زیادہ لائق ہے اور مناسب حال ہے۔

ایک اور آیت ملاحظہ فرمائیں۔

۱۳۔۵ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ط لَبِئْسَ

. اَلْمَوْلٰی وَلَبِئْسَ الْعَشِیْرُ ہ (سورۂ حج)

(یہ ان کو پکارتے ہیں جن کا نقصان ان کے فائدے سے قریب تر ہے وہ ان کے بدترین سرپرست اور بدترین ساتھی ہیں)

اس آیت مجیدہ اور اس کے ماقبل کو پڑھنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہاں لفظ "مولیٰ" "ولی" کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ کیونکہ بت پرست گروہ اپنے بتوں کو اپنا قرار دیتا تھا۔ اور انہیں اپنا سرپرست سمجھ کر ان سے خطاب کیا کرتا تھا۔ الغرض مذکورہ بالا دو آیات اور ان کے علاوہ کچھ اور آیاتِ میں لفظ "مولیٰ" "اولیٰ" کا ایک معنی "اولیٰ اور ولی" بھی ہوتا ہے۔ اب ہم یہ واضح کریں گے کہ حدیث غدیر میں لفظ "مولیٰ" سے کیا مفہوم مراد ہے؟ اور یہ واضح کریں گے کہ **من کنت مولاہ علی مولاہ** کی حدیث میں اس سے **اولی بہ نفس** یا **اولی بہ الاطاعت** یا ولی و سرپرست مراد ہے جو کسی شخص کی "ولایت مطلقہ" کو ثابت کرتا ہے یا پھر اُس سے محب و ناصر کا مفہوم مراد ہے۔ بہت سے قرائن یہ گواہی دیتے ہیں کہ "مولیٰ" سے اس کا پہلا معنی مراد ہے جسے مولا "ولایت مطلقہ" سے تعبیر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے حبیب کریم ﷺ کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

۶ۃ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ

(سورۂ الاحزاب/۶)

(نبی مومنین کی جان پر ان سے بھی زیادہ حق تصرف رکھتا ہے)۔

جو شخص انسان کی جان پر اس سے زیادہ تصرف کا حق رکھتا ہو وہ اس کے مال پر بھی اس سے زیادہ حق تصرف رکھتا ہے۔ اس طرح کی "اولویت" ہی ولایت مطلقہ ہے جس کے ضمن میں امر و نہی اطاعت بھی شامل ہے۔ خدا نے اپنے نبی کو یہ منصب عطا کیا ہے۔ آپ ذاتی طور پر اس مقام کے حامل

نہیں تھے خدا نے شرعی اور عقلی تقاضوں کے پیش نظر آپ کو اہل ایمان کے جان و مال پر مسلط کیا ہے اور آپ کو ہر طرح کے امر و نہی کے اختیارات عطا کیے اور آپ کے فرمان سے سرتابی کو حکم خداوندی سے سرتابی قرار دیا ہے۔ جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ حدیث غدیر میں لفظ "مولیٰ" "اولی" کے معانی میں ہے تو اس سے امیر المومنینؑ کو بھی وہی مقام حاصل ہو جائے گا جو نص قرآن کے تحت آنحضرت کو حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ پر نبوت کو تمام کیا ہے۔ لہٰذا حضرت علیؑ کو نبوت کے علاوہ باقی تمام اختیارات کا حامل ماننا پڑے گا۔ رسول خدا اپنے زمانہ میں امت کے رہبر پیشوا تھے اور اہل ایمان کے جان و مال میں تصرف کا حق رکھتے تھے۔ اس بلند تر مقام کو لفظ امامت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کبھی اسے "ولایت الہیہ" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (یعنی خدا کی طرف سے وسیع الاطراف ولایت) اب ہم وہ قرائن و شواہد پیش کرتے ہیں جن سے حدیث میں مولیٰ بمعنی اولیٰ ثابت ہوتا ہے یا تمام معاملات میں صاحبِ ولایت ہونے کا اثبات ہوتا ہے۔

ا۔ جب غدیر خم میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علیؑ کا بازو پکڑ کر **من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ** کا اعلان کر چکے تو دربارِ رسالت کے شاعر حسانؓ بن ثابت اٹھے اور آنحضرتؐ سے کچھ اشعار پڑھنے کی اجازت طلب کی۔ آنحضرتؐ نے اجازت دی تو حضرت حسانؓ نے رسول اکرمؐ کے خطبہ کے مفہوم کو شعر کے قالب میں ڈھالا اور انہوں نے **من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ** کی حدیث کا منظوم ترجمہ یوں کیا۔

فقال لہ قم یا علی فاننی

رضیتک من بعدی اماما وھادیا

(رسول خداؐ نے ان سے کہا کہ علی! اٹھو میں نے اپنے بعد تمہیں امام اور ہادی مقرر کیا ہے)

حضرت حسانؓ کا یہ شعر اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ انہوں نے لفظ "مولیٰ" سے امامت، پیشوائی اور امت کی رہبری و ہدایت ہی کو مراد لیا تھا (اگر بالفرض حضرت حسانؓ کو مفہوم سمجھنے میں مغالطہ ہوا تھا تو رسول خداؐ کا حق تھا کہ ان کی اصلاح کر دیتے اور فرماتے کہ میرے فرمان کا وہ مفہوم نہیں ہے جو تم نے بیان کیا ہے۔ حضرت حسانؓ کو نہ تو آنحضرتؐ نے ٹوکا تھا اور نہ ہی ہزاروں سامعین نے ٹوکا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جو مفہوم حسانؓ نے بیان کیا تھا وہی صحیح مفہوم تھا۔ حضرت حسانؓ کے علاوہ عرب دنیا کے چوٹی کے شعراء اور ادباء نے بھی لفظ موال سے امام وہادی کے معانی بیان کئے ہیں۔ اور ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو عربی زبان کے استاد شمار کئے جاتے تھے۔ ان سب نے اسی لفظ سے وہی معنی مراد لئے ہیں جو حسانؓ نے سمجھے تھے چنانچہ موضوع امامت اور پیشوائی امامؑ کے سوا کوئی اور چیز ان کی فکر تک نہیں پہنچی۔

۲۔ حضرت امیر المومنین نے معاویہ کو مخاطب کر کے کچھ اشعار ارشاد فرمائے تھے اور ان اشعار میں آپ نے واقعہ غدیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

واوجب لی ولا یته علیکم

رسول اللہ یوم غدیر خم (علامہ امینی نے گیارہ شیعہ شعراء اور چھبیس سنی شعراء کے اشعار نقل کیے ہیں اور اس شعر کو بھی انہوں نے بیان کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: الغدیر جلد دوم: ص ۲۵۔۳۰)

(رسول خداؐ نے غدیر خم کے دن تم لوگوں پر میری ولایت کو واجب قرار دیا تھا)۔

حضرت علیؑ سے بڑھ کر حدیث غدیر کے مفہوم کو اور کون سمجھ سکتا ہے۔ باب مدینۃ العلوم نے

اس حدیث کا یہی مفہوم بیان کیا کہ رسول خداؐ نے غدیر خم کے دن میری ولایت کو تم پر واجب کیا تھا۔ کیا یہ تفسیر وضاحت نہیں کرتی کہ اس لفظ سے سوائے زعامت اور معاشرہ کی رہبری کے واقعہ غدیر میں موجود تمام افراد کے اذہان میں اور کچھ مطلب نہیں آیا تھا؟

۳۔ الفاظ پیغمبر میں قرآئن:۔

رسول اکرمؐ کے خطبہ اور متن حدیث میں ایسے قرائن موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ لفظ "مولیٰ" اثبات امامت اور جان و مال پر اولویت کیلئے استعمال ہوا ہے۔ اس کا پہلا قرینہ تو یہ کہ آنحضرتؐ نے اپنی حدیث میں فرمایا۔ **الست اولی بکم من انفسکم** اس جملہ میں آنحضرتؐ نے "اولیٰ بہ نفس" کے الفاظ ارشاد فرمائے ہیں اور تمام حاضرین سے اپنے "اولیٰ" ہونے کا اقرار کرایا۔ جب تمام سامعین و حاضرین اقرار کر چکے کہ آپ ہمارے اولیٰ ہیں۔ اور آپ کو ہمارے جان و مال پر ہم سے بھی زیادہ حق تصرف حاصل ہے تو اس کے بعد آپ نے بلا فصل فرمایا۔ **من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ** آخران دو جملوں کو ملانے کا مقصد کیا ہے؟ اس کا اس کے سوا کوئی اور مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اولویت کا جو مقام و منصب مجھے حاصل ہے میرے بعد وہی مقام حضرت علیؑ کو حاصل ہے؟ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ میں جس پر بھی حق تصرف رکھتا ہوں میرے بعد علیؑ بھی اس پر حق تصرف رکھتا ہے۔ اگر پیغمبر اکرم کا مفہوم کچھ اور ہوتا تو **من کنت مولاہ** سے قبل لوگوں سے اپنی الویت کا اقرار نہ کراتے۔

اس مفہوم کا دوسرا قرینہ یہ ہے کہ رسول خداؐ نے آغاز گفتگو میں لوگوں سے تین اسلامی عقائد کا اقرار کرایا تھا اور فرمایا تھا

الستم تشھدون ان لا الہ الا اللہ و ان محمد اعبدہ

ورسوله وان الجنة حق والنار حق

(کیا تم توحید و رسالت کی گواہی نہیں دیتے اور جنت دوزخ کے حق ہونے کی گواہی نہیں دیتے)؟

اس اقرار کرانے کا آخر کیا مقصد تھا؟ کیا اس کا مقصد صرف یہی نہیں تھا کہ لوگوں کے اذہان کو قریب تر کیا جائے تا کہ وہ علیؑ کے مقام و منصب کے اقرار کیلئے آمادہ ہو جائیں اور انہیں یقین ہو جائے کہ جس طرح سے خدا کی توحید اور نبی اکرم کی نبوت اور جنت و نار کا عقیدہ اسلام کا حصہ ہے اسی طرح سے حضرت علیؑ کی ولایت بھی اسلام کا حصہ ہے؟ اور اگر اس کے برعکس "مولیٰ" کے لفظ سے دوست اور مددگار کا مفہوم مراد ہوتا تو آنحضرتؐ کو اقرار کرانے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ اور ایسا کرنے کی صورت میں کلام کا باہمی ارتباط منقطع ہو جاتا اور کلام بلاغت سے نیچے آجاتا۔ لہٰذا اس سے دوست اور مددگار کا معنی لینا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ:

۱۔ حضرت علیؑ مقامِ ولایت کے علاوہ بھی اعلیٰ درجہ کے مسلمان تھے اور آپ اس اعلان سے پہلے بھی اہل ایمان کے دوست اور مددگار تھے۔ لہٰذا اتنی سی بات کہنے کے لئے آنحضرتؐ کو اتنا بڑا اجتماع منعقد کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟

۲۔ دوستی اور مددگار کا مسئلہ اتنا اہم نہیں ہے کہ اسے دین کے تین اصولوں کے ساتھ شامل کیا جائے۔

۳۔ تیسرا قرینہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے خطاب کے آغاز میں اپنی رحلت کی خبر دی تھی اور آپ نے فرمایا۔

انـــی اوشک ان ادعـــی فـــاجیـــب (الغدیر جلد اول صفحات ۲۶،۲۷،۳۰،۳۲،۳۳،۳۴،۳۶،۴۷،۱۷۶ کی طرف رجوع فرمائیں) آنحضرت کا یہ جملہ پکار کر کہہ

رہا ہے کہ آپ دنیا سے رخصتِ سفر باندھنے والے ہیں اور آپ اپنی موت کی وجہ سے پیدا ہونے والے خلا کو پُر کرنے کے خواہش مند ہیں۔ آپؐ کی موت سے پیدا ہونے والا خلا ایک ایسے رہبر کا تعین ہی رحلت کے بعد نظام امور کو سنبھال سکتا ہے نہ کہ مودّت اور دوستی اور یا نصرت اور اس کی مدد۔

۴۔ جب رسولِ اکرمؐ نے "من کنت مولاہ" کے بعد فرمایا۔

اللہ اکبر علی اکمال الدین و اتمام النعمة ورضی الرب برسالتی والولایة لعلی من بعدی (علامہ امینی نے اس حدیث کے منابع کو الغدیر جلد اول کے صفحات ۴۳، ۱۹۵، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳ اور ۲۳۵ پر نقل کیا ہے)

(دین کی تکمیل، نعمت کے اتمام اور میری رسالت اور میرے بعد علیؑ کی ولایت پر راضی ہونے کی وجہ سے میں خدا کی بڑائی بیان کرتا ہوں)

فرض کریں کہ "**من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ**" کا مفہوم اگر یہی تھا کہ علی تمہارا دوست ہے تو یہ اتنی بڑی بات تو نہ تھی کہ اللہ خوش ہو کہ اپنے دین کو مکمل کر دیتا اور اپنی نعمت کی تکمیل کر دیتا؟

حضرت رسول خداؐ نے تو واضح کر دیا "**والولایة لعلی من بعدی**" کہ خدا میری رسالت اور میرے بعد علیؑ کی ولایت پر راضی ہوا ہے۔

۵۔ ولایت علیؑ کا اس سے بڑھ کر اور ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ جب رسول خداؐ خطبہ غدیر سے

فارغ ہوئے تو اس وقت حضرت ابوبکر، حضرت عمرؓ اور باقی صحابہ کرام نے حضرت علیؑ کو مبارک دی تھی اور مبارک بادی کا یہ سلسلہ غروب آفتاب تک جاری رہا تھا اور شیخین مبارک دینے میں سب سے پیش پیش تھے اور انہوں نے ان الفاظ سے حضرت علیؑ کو مبارک باد دی تھی۔

ھنیئا للک یابن ابی طالب اصبحت وامسیت مولای و مولی کل مؤمن و مؤمنة (شیخین کی تہنیت کے لئے الغدیر جلد اول کے صفحات ۲۷۰۔۲۸۳ کا مطالعہ فرمائیں) فرزند ابوطالب! تمھیں مبارک کہ تم میرے اور ہر مومن مرد عورت کے مولا بن گئے علیؑ کو اس روز ایسا کون سا مقام حاصل ہوا تھا کہ اس مبارک باد کے مستحق ٹھہرے؟ کیا مقام زعامت اور امت کی رہبری کے علاوہ جس کا رسمی اعلان اس سے پہلے نہیں ہوا تھا کوئی اور بات تہنیت کا سبب ہو سکتی ہے؟

۶۔ اگر آنحضرتؐ کو صرف یہی بتانا مقصود ہوتا کہ علیؑ تمہارا دوست اور مددگار ہے تو پھر سخت گرمی اور چلچلاتی دھوپ میں آنحضرتؐ ہزاروں افراد کے قافلہ کو گرم ریت اور جلتے ہوئے پتھروں پر بٹھا کر ایک بیابان میں خطاب نہ کرتے۔ کیونکہ اس اعلان سے پہلے اللہ کی طرف قرآن کریم میں یہ اعلان ہو چکا تھا۔

۱۰۔ق اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (سورۃ الحجرات/۱۰)

(تمام مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں)۔

کیا اس سے قبل قرآن مجید یہ واضح نہیں کر چکا تھا کہ اہل ایمان ایک دوسرے کے خیر خواہ اور دوست ہیں۔ حضرت علیؑ بھی اسی اہل ایمان معاشرے کے ایک فرد تھے۔ اس کے لئے رسول خدا کو اتنا اہتمام کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس قسم کی بچکانہ کم فہمیاں جن کی بنیاد یہ تھی کہ حدیث کا مقصد علیؑ

کی دوستی اور نفرت تھی اور مولیٰ، محبّ اور مددگار کے معنی میں ہے، حدیث کے مفہوم کو بگاڑنے کی کوشش تھی جو علیؑ سے خلاف شدید تعصب (اور بغض) کی بناء تھی۔ حالانکہ ذکر شدہ قرائن اور دیگر شواہد کی بناء پر جو رسول اللہ ﷺ کے خطبہ پر غور وفکر کرنے سے سامنے آتے ہیں مولیٰ کے معنی اس کے علاوہ کچھ اور نہیں کہ وہ ولی، اولیٰ اور انسانوں پر اولیٰ بالتصرف ہے۔

﴿چھ رکنی شوریٰ میں شمولیت﴾

سوال: حضرت علیؑ نے حضرت عمر کی مقرر کردہ چھ رکنی شوریٰ میں شرکت کی تھی۔ کیا آپ کی شرکت سے یہ بات واضح نہیں ہوجاتی کہ آپ امامت کے لئے شورائی نظام کو قبول کرتے تھے؟

جواب: اس سوال کے جواب سے پہلے ہم شوریٰ کا جائزہ لیتے ہیں۔ جب حضرت عمر زخمی ہوئے اور ان کے زندہ رہنے کی امیدیں منقطع ہوگئیں تو ہر طرف سے یہ مطالبہ ہونے لگا کہ آپ کسی کو اپنا جانشین مقرر کریں۔ بی بی عائشہ نے عبداللہ بن عمر کے ذریعے انہیں پیغام بھیجا کہ امت محمدؐ کو چرواہے کے بغیر چھوڑ کر نہ جائیں جتنا جلدی ممکن ہو کسی کو اپنا جانشین مقرر کریں۔ اگر آپ نے اپنا جانشین مقرر نہ کیا تو فتنہ فساد کا اندیشہ ہے۔ (الامامتہ والسیاسہ، ابن قتیبہ جلد اول ص ۳۲) خلیفہ نے حکم دیا کہ ان چھ افراد کو میرے پاس لایا جائے جن سے رسول خدا موت کے وقت راضی تھے۔ اس سے ان کی مراد حسبِ ذیل چھ افراد تھے۔

۱۔ حضرت علی	۲۔ حضرت عثمان	۳۔ طلحہ
۴۔ زبیر	۵۔ سعد بن ابی وقاص	۶ عبدالرحمٰن بن عوف

اس شوریٰ کے عناصر کی ترکیب ہی کچھ ایسی تھی کہ حضرت علیؑ خلیفہ نہیں بن سکتے تھے۔ کیونکہ ارکانِ شوریٰ میں زبیر کے علاوہ باقی افراد حضرت علیؑ کے مخالف تھے۔ جیسے ہی اس کمیٹی کا اجلاس شروع

ہوا تو طلحہ نے حضرت عثمان کی تائید کی۔ کیونکہ وہ بخوبی جانتا تھا کہ علی عثمان کی موجودگی میں اس کا انتخاب ناممکن ہے اسی لئے اس نے یہ مناسب سمجھا کہ وہ علیؑ کی مخالفت میں عثمان کی تائید کرے اور علی کے منتخب ہونے کے مواقع کو کم سے کم کر دے۔ طلحہ کو حضرت علیؑ سے اس لئے دشمنی تھی کہ اس کا تعلق بنی تیم سے تھا اور حضرت ابوبکر بھی اسی قبیلہ کے فرد تھے۔ حضرت ابوبکر کے حصول اقتدار کی وجہ سے بنی تیم اور بنا ہاشم کے تعلقات میں کھنچاؤ آ گیا تھا جو کہ مدتوں قائم رہا۔ زبیر حضرت علیؑ کی پھوپھی (صفیہ بنت عبدالمطلب) کا بیٹا تھا۔ اس نے آپ سے رشتہ داری کا لحاظ رکھا اور اس نے حضرت علیؑ کی تائید کی۔

سعد ابن ابی وقاص نے عبدالرحمٰن بن عوف کی تائید کی۔ اور اس حمایت کی وجہ یہ تھی کہ مذکورہ دونوں افراد کا تعلق "زہرہ" قبیلہ سے تھا۔ یوں تین افراد ایک دوسرے کے مدمقابل آ گئے اور ہر ایک امیدوار کو ایک ایک مؤید کی تائید حاصل تھی اور کامیابی اس امیدوار کو حاصل ہونی تھی جس کی تائید ان تینوں میں سے ایک کر دے۔ اس وقت عبدالرحمٰن نے حضرت علی اور حضرت عثمان کی طرف رخ کر کے کہا کہ تم میں سے ایک فرد دوسرے کو اپنا ووٹ دے کر خود خلافت سے علیحدہ ہو جائے۔ اس پر حضرت علیؑ اور حضرت عثمان دونوں خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا۔ اس وقت عبدالرحمٰن نے کہا کہ اگر یہ بات ہے تو میں اپنے آپ کو خلافت سے باہر نکالتا ہوں اور تم دو میں سے کسی ایک کا انتخاب کرتا ہوں۔ پھر اس نے حضرت علیؑ سے کہا کہ میں آپ کی اس شرط پر بیعت کرتا ہوں کہ آپ کتاب اللہ پر عمل کریں گے۔ سنت رسولؐ پر عمل کریں گے۔ اور سیرت شیخین پر عمل کریں گے۔ حضرت علیؑ نے پہلی دو شرائط کو قبول کیا یعنی کتاب و سنت کو قبول کیا اور سیرت شیخین کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں تیری بیعت اس شرط پر قبول کرتا ہوں کہ میں کتاب اللہ اور سنت رسول پر عمل کروں گا اور اپنے علم و اجتہاد پر عمل کروں گا۔

جب عبدالرحمٰن کو حضرت علیؑ نے یہ ٹکا سا جواب دیا تو اس نے یہی تینوں شرائط حضرت عثمان

کے سامنے پیش کیں۔ انہوں نے تینوں شرائط فوراً قبول کر لیں۔ اس وقت عبدالرحمٰن نے عثمان کے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور اسے امیر المومنین کہہ کر اس کی بیعت کی۔ پھر اس نے باہر آ کر لوگوں کو اپنے فیصلہ سے آگاہ کیا۔ حضرت علیؑ کے لئے شوریٰ کا یہ فیصلہ غیر متوقع نہیں تھا۔ آپ کے پہلے سے ہی اس کا علم تھا۔ حد یہ ہے کہ جب ابن عباس نے ارکان شوریٰ کے نام سنے تھے تو انہوں نے اسی وقت کہہ دیا تھا کہ اب تیسری بار بھی علیؑ کو خلافت سے محروم رکھا جائے گا۔

جب عبدِالرحمٰن نے عثمان کی بیعت کی تو حضرت علیؑ نے اس سے فرمایا

تو نے اسے اس لئے منتخب کیا ہے کہ تو چاہتا ہے کہ عثمان اپنی زندگی کے آخری ایام میں خلافت تیرے سپرد کر دے گا۔ جیسا کہ ابو بکر نے خلافت عمر کے سپرد کی تھی۔ جب کہ میں امید رکھتا ہوں کہ خدا تمہارے درمیان تفریق پیدا کر دے گا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ کا فرمان پورا ہوا، ابھی خلافت عثمان کو تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ ان دونوں کے تعلقات میں کشیدگی پیدا ہو گئی اور انہوں نے ایک دوسرے سے کلام کرنا چھوڑ دیا یہاں تک کہ عبدالرحمٰن کی وفات ہو گئی (یہ تمام مطالب ہم نے شرح ابن ابی الحدید (جلد اول ص ۱۸۸،۱۸۵) سے بطور خلاصہ نقل کیے ہیں)۔

اب ہم اصل سوال کا جواب دیتے ہیں

ا۔ اس سلسلہ کی پہلی گزارش تو یہ ہے کہ یہ بات واضح نہیں ہے کہ حضرت علیؑ شوریٰ کے اجلاس میں اپنی خوشی سے آئے گئے یا آپ کو مجبور ہو کر آنا پڑا تھا۔ کیونکہ خلیفہ دوم نے ارکان شوریٰ کو جو دھمکیاں دی تھیں وہ بھی تاریخ کا حصہ ہیں۔ مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت عمر نے ارکان شوریٰ کو اپنے پاس طلب کیا اور ان کے سامنے خلافت کا مسئلہ رکھا پھر انہوں نے محمد بن مسلمہ کی طرف

منہ کر کے کہا۔ "جب میرے جنازہ کو دفن کر لو تو پھر ان چھ افراد کو بلا لینا اور انہیں ایک کمرے میں بٹھا دینا تم پچاس مسلح افراد لے کر دروازے پر کھڑے ہونا اور اس وقت تک کھڑے رہنا جب تک وہ کسی ایک کو منتخب نہ کر لیں۔ اگر پانچ افراد کسی ایک پر متفق ہوں اور دو مخالفت کریں تو پھر ان دونوں کو قتل کر دینا اور اگر یہ چھ افراد تین تین کی شکل میں تقسیم ہو جائیں تو پھر خلیفہ وہ ہوگا جس کی تائید عبدالرحمٰن کرے گا۔

اختلاف کرنے والے تین ارکان کو کہنا کہ وہ عبدالرحمٰن کے پسندیدہ امیدوار کو تسلیم کر لیں اور اگر وہ تسلیم نہ کریں تو انہیں بے دریغ قتل کر دینا۔ اور اگر تین دنوں تک ارکان شوریٰ کسی نتیجہ پر نہ پہنچیں تو چھ کے چھ کو قتل کر دینا اور مسلمانوں کو نئے خلیفہ کے انتخاب کی آزادی دے دینا"۔ چنانچہ جب لوگ حضرت عمر کی تدفین سے فارغ ہوئے تو محمد بن مسلمہ نے پچاس مسلح افراد کو ساتھ لیا اور ارکانِ شوریٰ کو ایک کمرے میں بند کر دیا اور انہیں خلیفہ دوم کے فرمان سے آگاہ کیا۔ جب جبر و استبداد کی یہ کیفیت ہو تو یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ ان اعصاب شکن حالات میں حضرت علیؑ نے برضا و رغبت شرکت کی ہوگی۔

خطبہ شقشقیہ میں حضرت علیؑ نے شوریٰ کی ہیئت پر تنقید کی تھی۔ آپؑ نے فرمایا

حتی اذا مضی لسبیله جعلها فی جماعة زعم
انی احدهم فیا لله و للشوریٰ! متی اعترض
الریب فی مع الاول منهم حتی صرت اقرن الی
هذه النظائر، لکنی اسففت اذا اسفوا و طرت
اذ طاروا فصغی رجل منهم لضغنه ومال الاخر
لصهره مع هن وهن۔

[یہاں تک کہ دوسرا بھی اپنی راہ لگا اور وہ خلافت کو ایک جماعت میں محدود کر گیا اور مجھے بھی اس جماعت کا فرد خیال کیا۔ اے اللہ مجھے اس شوریٰ سے کیا لگاؤ؟ ان میں کے سب سے پہلے ہی کے مقابلہ ہی میں میرے استحقاق وفضیلت میں کیا شک تھا جواب ان لوگوں میں بھی شامل کر لیا گیا مگر میں نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ جب وہ زمین کے نزدیک ہو کر پرواز کرنے لگیں تو میں بھی ایسا ہی کرنے لگوں اور جب وہ اونچے ہو کر اڑنے لگیں تو میں بھی اسی طرح پرواز کروں (یعنی حتی الامکان کسی نہ کسی صورت نباہ کرتا رہوں) ان میں سے ایک شخص تو کینہ وعناد کی وجہ سے مجھ سے منحرف ہو گیا اور دوسرا دامادی اور بعض ناگفتہ بہ باتوں کی وجہ سے ادھر جھک گیا]۔

اسلامی مصلحتوں کی وجہ سے خلفا سے تعاون کی پالیسی

حضرت علیؑ باوجود اسکے کہ اپنے آپ کو شرعی اور قانونی خلیفہ سمجھتے تھے اور آپ یہ سمجھتے تھے کہ ان لوگوں نے میرے حق کو غصب کیا ہے اور اسے لوٹا ہے لیکن جب آپ نے دیکھا کہ خلفاء کی خلافت اچھی طرح سے مستحکم ہوگئی ہے تو آپ نے اسلام کے فائدے کے مدنظر ان سے تعاون کی پالیسی کو اپنایا۔ اسی لئے خلفاء اپنے اہم معاملات میں آپ سے مشورے کرتے تھے اور آپ انہیں مخلصانہ مشورے دیتے تھے۔ (نہج البلاغہ، خطبہ ۱۴۶) یہود ونصاریٰ کے علمی وفود مدینہ آتے تھے اور وہ اسلام کے پیغام کو سمجھنا چاہتے تھے۔ حضرت علیؑ ہی دنیائے اسلام کی وہ واحد شخصیت تھے جو ان کے مشکل سوالات کے جواب دینے کے قابل تھے۔ آنجناب

نے محسوس کیا کہ جزیرۃ العرب میں الحادو ارتداد کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں اگر آپ ان حالات میں تعاون کی پالیسی نہ اپناتے تو اس سے خلفاء کا کچھ بگڑتا یا نہ بگڑتا اسلام ختم ہو جاتا۔ چنانچہ امیرالمومنین نے اپنے ایک مکتوب میں اسی چیز کا اظہار کرتے ہوئے لکھا۔

حتی رابت راجعة الناس قدرجعت عن الاسلا م یدعون الی محق دین محمد فخشیت ان لم انصر الاسلا م و اهله ان اری فیه ثلما او هد ما تکون المصیبة به علی اعظم من فوت ولا یتکم التی انما هی متا ع ایا م قلائل یز ول منها ما کا ن کما یزول السراب او کما یتقشع السحا ب فنهضت فی تلک حداث حتی زاح الباطل وزهق۔ (نہج البلاغہ، مکتوب ۶۲)

"یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ مرتد ہونے والے اسلام سے مرتد ہو کر محمدؐ کے دین کو مٹا ڈالنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ اب میں ڈرا کہ اگر کوئی رخنہ یا خرابی دیکھتے ہوئے میں اسلام اور مسلمان کی مدد نہ کروں گا تو یہ میرے لئے اس سے بڑھ کر مصیبت ہوگی جتنی یہ مصیبت ہوگی کہ تمہاری یہ حکومت میرے ہاتھ سے چلی جائے جو کہ تھوڑے دنوں کا اثاثہ ہے۔ اس کی ہر چیز زائل ہو جائے گی اس طرح جیسے سراب بے حقیقت ثابت ہوتا ہے یا جس طرح بدلی چھٹ جاتی ہے۔ چنانچہ میں ان بدعتوں کے ہجوم میں اٹھ کھڑا ہوا۔ یہاں تک کہ باطل دب کر فنا ہو گیا۔ اور دین محفوظ ہو

کرتباہی سے بچ گیا"۔

چنانچہ چھ رکنی شوریٰ میں آپ کی شرکت شورائی نظام کو قبول کرنے کی بناء پر نہیں تھی، آپ کی شرکت ایک ابنیادی اصول کے تحت تھی اور وہ اصول یہ تھا کہ حق اس وقت اپنے محور سے نکل چکا ہے۔ لہٰذا کوشش کرنی چاہیئے کہ جہاں تک ممکن ہو اسلام اور اہل اسلام کے فوائد کی حفاظت کی جائے اور اختلاف کی خلیج کو سے کم کیا جائے تا کہ معاشرہ انارکی سے محفوظ رہے۔

نہج البلاغہ اور نصِ امامت

سوال: کیا نہج البلاغہ میں حضرت علیؑ اور ان کی اولاد کے لئے کوئی نص امامت موجود ہے؟

جواب: سب سے پہلے نہج البلاغہ کے اسلوب کو سمجھنا چاہیئے۔ سید رضی رحمتہ اللہ علیہ نے امیر المومنینؑ کے تمام خطبات جمع نہیں کیے تھے اور نہ ہی نہج البلاغہ امیر المومنین کے جملہ خطبات اور مکاتیب کی جامع ہے۔ سید رضی نے حضرت کے کلام سے ادبی شاہپاروں کو یکجا کر کے اس کا نام "نہج البلاغہ" رکھا تھا۔ لہٰذا اگر نہج البلاغہ میں حضرت علیؑ اور ان کی اولاد کے لئے نص قطعی دکھائی نہ دے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ رسول خدا نے آئمہ ہدیٰ کی امامت پر نص کی ہی نہیں تھی۔ ۲۔ نہج البلاغہ میں متعدد مقامات پر امیر المومنین اور آپؑ کے فرزند کی وصایت و امامت کا بارہا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ذیل میں ہم نہج البلاغہ سے چند اقتباسات نقل کرتے ہیں۔

﴿مقام اہل بیت﴾

امیر المومنین علیہ السلام نے نہج البلاغہ کے دوسرے خطبہ میں عظمت اہل بیت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

همه موضع سره ولجا امره وعيبة علمه وموئل حكمه وكهوف كتبه وجبال دينه بهم اقام انحناء ظهره واذهب ارتعاد فرائضه ـ لا يقاس بال محمد صلى الله عليه واله من هذه الامة احد ولا يستوى بهم من جرت نعمتهم عليه ابدا هم اساس الدين وعماد اليقين اليهم يفيء الغالى وبهم يلحق التالى ولهم خصائص حق الولاية وفيهم الوصية والوراثة الا ان اذرجع الحق الى اهله ونقل الى منتقله (نہج البلاغہ خطبہ ۲)

وہ سرِ خدا کے امین اور اس کے دین کی پناہ گاہ ہیں۔ علم الٰہی کے مخزن اور حکومتوں کے مرجع ہیں کتب آسمانی کی گھاٹیاں اور دین کے پہاڑ ہیں۔ انہی کے ذریعے اللہ نے اس کی پشت کا خم سیدھا کیا اور اسکے پہلوؤں سے ضعف کی کپکپی دور کی ۔۔۔۔ اس امت میں کسی کو آلِ محمدؐ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ جن لوگوں پر ان کے احسانات ہمیشہ جاری رہے ہوں وہ ان کے برابر نہیں ہو سکتے۔ وہ دین کی بنیاد اور یقین کے ستون ہیں۔ آگے بڑھ جانے والے کو ان کی طرف پلٹ کر آنا ہے اور پیچھے رہ جانے والے کو ان سے آکر ملنا ہے۔ حق ولایت کی خصوصیات انہی کے لئے ہیں اور انہی کے بارے میں پیغمبر کی وصیت اور انہی کے لئے نبی کی وراثت ہے۔ اب یہ وقت وہ ہے کہ حق اپنے اہل کی طرف پلٹ آیا اور اپنی صحیح جگہ پر منتقل ہو گیا۔

بھلا "فیهم الو صیة والو رثة " سے بڑھ کر واضح نص اور کیا ہو سکتی ہے؟

ایک اور خطبہ میں آپ نے ارشاد فرمایا۔

این الذین زعموا انهم الرسخون فی العلم دوننا کذبا و بغیا علینا ان رفعنا الله ووضعهم و اعطانا و حرمهم واد خلنا و اخرجهم بنا یستعطی الهدیٰ و یستجلی العمی ان الا ئمة من قریش غرسوا فی هذ البطن من هاشم لا تصلح علی سوا هم ولا تصلح الولا ة من غیر هم (نہج البلاغہ خطبہ ۱۴۲) کہاں ہیں وہ لوگ جو جھوٹ بولتے ہوئے اور ہم پر ستم روا رکھتے ہوئے یہ ادعا کرتے ہیں کہ وہ "راسخون فی العلم" ہیں نہ کہ ہم۔ چونکہ اللہ نے ہم کو بلند کیا ہے اور انہیں پست کیا ہے اور ہمیں۔ منصبِ امامت دیا ہے اور نہیں محروم رکھا ہے اور ہمیں (منزل علم میں) داخل کیا ہے اور انہیں نکال دیا ہے۔ ہم ہی سے ہدایت کی طلب اور گمراہی کی تاریکیوں کو چھانٹنے کی خواہش کی جاسکتی ہے۔ بلاشبہ امام قریش میں سے ہوں گے جو اسی قبیلہ کی ایک شاخ بنی ہاشم کی کشت زار سے ابھریں گے۔ نہ امامت کسی اور کو زیب دیتی ہے اور نہ ان کے علاوہ کوئی اس کا اہل ہوسکتا ہے۔ الغرض نہج البلاغہ میں آپ نے اپنے استحقاق خلافت کے متعلق مذکورہ اقتباسات سے کہیں زیادہ ارشاد فرمایا ہے اور اختصار کے پیش نظر ہم حضرت کے تمام ارشادات کو نقل کرنے سے قاصر ہیں۔ ہم اس بات کی یاد دہانی کرانا چاہتے ہیں کہ آپ نے اپنی خلافت ظاہری کے اوائل میں یہ کلمات ارشاد فرمائے تھے۔

فوالله ما زلت مد فوعاً عن حقی مستاثر اعلی منذ قبض الله نبیه ﷺ یو مه النا س هذا (نہج البلاغہ خطبہ ۶)

خدا کی قسم! جب سے اللہ نے اپنے رسول کو دنیا سے اٹھایا، برابر دوسروں کو

مجھ پر مقدم کیا گیا اور مجھے میرے حق سے محروم رکھا گیا۔

لفظ "کتاب" بروزن "فعال" بمعنی مکتوب ہوتا ہے اگر عصر رسالت میں قرآن کتابی شکل میں موجود نہ تھا تو اس پر "کتاب" اطلاق نہیں ہوتا۔ اگر اس وقت قرآن کریم صرف حفاظ کے سینوں یا تراشے ہوئے پتھروں یا جانوروں کی کولہے کی ہڈیوں پر ہی لکھا ہوا تھا تو اسے لفظ "کتاب" سے موسوم نہیں کیا جاسکتا تھا۔

۸۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کی مشہور حدیث ہے۔

لا صلاۃ الا بفاتحۃ الکتاب (سنن بیہقی: ج ۲ ص ۶۳، ۱۶۷۔ سنن داری: ج ۱ ص ۲۸۳، سنن ترمذی: ج ۱ ص ۱۵۴) اگر قرآن جمع نہ ہوا تھا تو سورہ الحمد کو کتاب اللہ کی افتتاحی سورت نہیں کہا جاسکتا تھا۔

۹۔ ہمیں یہاں عقل کے تقاضوں کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔ قرآن رسالتِ پیغبر کا جاودانی معجزہ ہے اور عقیدہ و شریعت کے استنباط کا منبع ہے۔ کیا رسول اکرمؐ جیسے فرزانہ کائنات سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ آپ نے خدا کی کتاب کو جمع نہ کر کے حوادث زمانہ کر دیا ہوگا تاکہ جو حشر ان کی سنت کا ہوا وہی حشر کتاب اللہ کا ہو؟

۱۰۔ رسولِ خدا نے قرآن کریم کے حفظ و تلاوت کا ثواب بیان کیا اور لوگوں کو ہر مرحلہ پر حفظ قرآن کی ترغیب دی تھی۔ آنحضرتؐ کی طرف سے حفظ و نشر قرآن کا حکم دینا اس بات کی علامت ہے کہ قرآن آپ کی حیات طیبہ میں جمع ہو گیا تھا آنحضرتؐ قرآن کے لئے اتنے حساس تھے کہ جب بھی باہر کا کوئی شخص مدینہ آ کر اسلام لاتا تو آپ اسے قاری قرآن کے پاس سمجھتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ جاؤ اور قرآن سیکھو (مسند احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۳۲۴)

ان شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر رسالت میں قرآن جمع ہو چکا تھا اور قرآن کے نسخے

مسلمانوں کی دسترس میں تھے۔

«گذشتہ باب میں ہم نے ۱۶ سوالات کے جوابات پیش کیے»

۱۔ اگر امامت اصول دین میں سے ہے تو قرآن میں اس کا بیان کیوں نہیں ہے؟

۲۔ قرآن میں آئمہ کے نام کیوں نہیں ہیں؟

۳۔ نبی اور امام اور نبوت و امامت میں کیا فرق ہے؟

۴۔ آئمہ شیعہ کے علوم کے منابع کیا تھے؟

۵۔ شیعوں کے نزدیک آئمہ کی تعداد بارہ ہی کیوں ہے؟

۶۔ کیا بارہ آئمہ کی امامت کا عقیدہ امام حسن عسکریؑ کے بعد پیدا ہوا تھا؟

۷۔ کیا "**الا ئمة الا ثنی عشر کلھم من قریش** کی حدیث کے مصداق شیعوں کے بارہ امام ہیں؟

۸۔ کیا "**الا ئمة الا ثنی عشر**" کی حدیث کی سند صحیح ہے؟

۹۔ کیا بارہ آئمہ کی امامت کا عقیدہ عہد نامہ قدیم اور عہد جدید سے ماخوذ نہیں ہے؟

۱۰۔ آپ حضرت علیؑ کو وصی رسول کیوں سمجھتے ہیں؟

۱۱۔ قرآن میں موجود لفظ "اولی الامر" کو مخصوص افراد میں منحصر کرنے کی کیا وجہ ہے؟

۱۲۔ کیا حدیث غدیر میں موجود لفظ "مولیٰ" محبّ اور ناصر کے معانی میں نہیں ہے؟

۱۳۔ حضرت علیؑ نے چھ رکنی شوریٰ کے انتخاب میں شوریٰ اختیار کی تھی۔ کیا آپ کی شمولیت سے یہ بات ثابت نہیں ہوجاتی کہ آپ امامت میں شورائیت کے قائل تھے؟

۱۴۔کیا نہج البلاغہ میں حضرت علیؑ یا ان کی اولاد کی امامت کی کوئی نص قطعی موجود ہے؟

۱۵۔آپ حضرات آئمہ کو صحابہ پر کیوں فوقیت دیتے ہیں؟

۱۶۔آپ حضرات اپنے آئمہ کو انبیائے سابقین سے افضل کیوں مانتے ہیں؟



آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اہلبیت کی اطاعت

۱۔ حدیث ثقلین،
پیروی اہلبیتؑ کی دلیل

لدھیانوی صاحب یہ ہی حدیث اہلبیتؑ کے سارے اقوال وافعال واحکام کی پیروی کو ثابت کرتی ہے، اور یہ بات واضح ہے کہ بعد پیغمبرؐ جملہ امور میں کسی کی پیروی اس کے صاحب زعامت کبریٰ اور امامت عظمٰی کی دلیل ہے، لہذا حضرت علیؑ جو اہلبیتؑ کے سید و سردار ہیں، امامت وخلافت ان ہی کا حق ہے۔ اگر چہ حدیث ثقلین کی دلالت اہلبیتؑ کی پیروی پر اظہر من الشمس ہے، مگر اتمام حجت اور اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لئے جید علمائے اہلسنت کی عبارتیں نقل کر رہا ہوں:

طبری اپنی کتاب "کاشف شرح مشکوۃ" میں حدیث ثقلین کی شرح میں لکھتے ہیں

"قرآن کے ساتھ تمسک کرنے کے یہ معنی ہیں کہ اس پر عمل کیا جائے اور وہ اس کے اوامر کی اطاعت و پیروی اور اس کے نہی سے اعراض کرنا، اور عترت کے ساتھ تمسک کے معنی یہ ہیں کہ ان سے محبت کی جائے، ان سے ہدایت حاصل کی جائے اور ان کی سیرت کی پیروی کی جائے"

سعد الدین تفتازانی "شرح مقاصد" میں حدیث ثقلین نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ حضرتؐ نے اہلبیت کو اس سلسلے میں قرین و صاحب قرار دیا کہ ان دونوں کے ساتھ تمسک و وابستگی گمراہی سے بچانے والی ہے، اور قرآن کے ساتھ تمسک کرنے کے معنی سوائے اس کے کچھ اور نہیں ہے کہ اس سے علوم و معارف اور ہدایت حاصل کی جائے، اور یہی معنی عترت کے ساتھ تمسک کرنے کے ہیں" (شرح المقاصد ج۲ ص۲۲۲)

ابن حجر مکی "صواعق محرقہ" میں حدیث ثقلین نقل کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں

"رسولؐ خدا نے قرآن اور عترت کو جو ان کے اہل، نسل اور قریب ترین رشتہ دار ہیں، "ثقلین" کہا ہے، کیونکہ ہر نفیس اور محفوظ رکھنے والی شئی کو "ثقل" کہتے ہیں ہر ایک علوم لدنی کا معدن اور اسرار و مخزن حکم علیا اور احکام علیا اور احکام شرعیہ کا منبع ہے، اسی وجہ سے حضرتؐ نے لوگوں کو ان کی پیروی، ان سے تمسک اور ان سے علم حاصل کرنے کی ترغیب و تشویق دی ہے......(الصواعق المحرقہ ص۹۰)

نور الدین سمہودی، طرق "حدیث ثقلین" کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں

"چونکہ قرآن اور عترت میں سے ہر ایک علوم لدنی کا معدن، اسرار و حکم شرعی کا منبع اور استخراج حقائق کا خزانہ ہے، اس لئے حضرتؐ نے ان دونوں کو "ثقلین" کہا، اور بعض روایتوں کے مطابق

لوگوں کو اپنے اہلبیت کی اقتداء ان کے ساتھ تمسک اور ان سے حصول علم کی ترغیب وتشویق دی ہے.......(جواہر العقدین ج۲ ص۹۳)

ملا علی قاری لکھتے ہیں

"قرآن کے ساتھ تمسک کرنے کے معنی اس کے جملہ اوامر پر عمل اور اس کے جملہ نواہی سے اعراض کرنا ہے اور پیغمبرؐ کی عترت کے ساتھ تمسک کا مطلب ان سے محبت اور ان کی سیرت کی پیروی کرنا ہے" (شرح الشفاج ۳ ص۴۱۰ مطبوع بر حاشیہ نسیم الریاض)

اس سے ملتی جلتی باتیں مناوی نے "فیض القدیر" ج۳ ص۱۴ پر، عزیزی نے "السراج المنیر" ج۲ ص۵۱ پر، شباب خفاجی نے "نسیم الریاض" ج۳ ص۴۱۰ پر، زرقانی نے "شرالمواب اللدینہ" ج۷ ص۷ پر، علی بن سلیمان شاذلی نے "نفع قوت المغتذی" ج۲ ص۲۲۰ پر، شہاب الدین دولت آبادی نے "ھدایۃ السعدا" میں، حسین بن علی کاشفی نے "تفسیر حسینی" میں، کمال الدین جہرمی نے "براھین القاطعہ ترجمہ صواعق محرقہ" میں، فضل بن، روزبہان خنجی شیرازی نے "شرح رسالہ اعتقادیہ" میں، مرزا محمد بن معتمد خان بدخشی نے "مفتاح النجا" میں، مولوی ولی اللہ لکھنوی نے "مراۃ المومنین" میں اور مولوی حسن الزمان نے "قول مستحسن" میں کہی ہیں:

﴿۲۔اہلبیت کی پیروی قرآن جیسی ہے﴾

رسول خدا نے اہلبیتؑ کی اقتداء اور پیروی کو قرآن کے اور امر ونواہی کی اطاعت کی طرح واجب قرار دیا ہے، اور حضرتؐ نے اس سلسلے میں واضح لفظوں میں اتمام حجت کیا ہے، پس جس کی

پیروی بعد پیغمبرؐ، قرآن کی پیروی جیسی واجب ہو وہ سوائے خلیفہ اور امام کے کچھ اور نہیں ہوگا، لہذا اس حدیث کی روشنی میں آپ کے اہلبیتؑ ہی آپ کے جانشین ہوں گے نہ کوئی اور، کیونکہ ان کے علاوہ کسی اور کے لئے نہیں کہا کہ ان کے احکام کی اطاعت قرآن کی طرح واجب ہے اور نہ ہی انھیں قرآن کا قرین و مصاحب قرار دیا ہے، لہذا جانشین پیغمبرؐ، آپ کے اہلبیتؑ ہوں گے اور ان کی اطاعت و پیروی لوگوں پر واجب ہوگی۔

مولوی محمد مبین "وسیلۃ النجاۃ" میں نقل حدیثِ ثقلین کے بعد اس کی شرح میں لکھتے ہیں

"حضرتؐ نے جو تین مرتبہ فرمایا: میں تمہیں اہلبیت کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں، اس سے آپ کی مراد یہ تھی کہ خدا سے خوف کھاؤ اور اہلبیت کے حقوق کی رعایت کرو اور ان کی اطاعت و محبت کا جامعہ تن کرو اور اعضاء و جوارح سے اہلبیت کے اوامر کی اطاعت و پیروی اور دل سے ان کی محبت اس طرح واجب ہے جس طرح کتاب خدا کے احکام کا واجب ہیں"۔

محمد معین سندھی "دراسات للبیب" میں "صحیح ترمذی" سے حدیث ثقلین نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں

"جب ہم نے حدیث ثقلین پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ اس میں اہلبیت کے ساتھ تمسک کرنے کی تصریح ہوئی ہے اور ان کی پیروی، قرآن کی پیروی جیسی ہے اور ان کے متعلق یہ حکم خدا کی جانب سے رسول خدا کے پاس حوض کوثر پر وارد ہونے تک ہے" (دراسات اللبیب ص ۲۳۲)

رشید الدین دہلوی "ایضاح لطافۃ المقال" میں تحریر کرتے ہیں:

"اہلسنت، ثقلین سے وابستہ ہیں، اور حدیث "**انی تارک فیکم الثقلین**" کے مطابق عترت طاہرہ کے ساتھ تمسک کرنے کو قرآن کے ساتھ تمسک کی طرح واجب قرار دیتے ہیں"..

﴿۴۔ امت پر اہلبیت کی پیروی واجب ہے﴾

حضرتؐ کے ارشاد سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ اہلبیتؑ کی اطاعت و پیروی واجب ہے، اس لئے کہ امت اسلامی کو گمراہی سے محفوظ رکھنے کے لئے ہی حضرتؐ نے اس پیروی کو واجب قرار دیا تھا، اور اہلبیتؑ کی پیروی کا واجب ہونا، ان کی امامت و خلافت پر محکم دلیل ہے، چنانچہ امت نے ان کے ہاتھ میں زمام خلافت نہ دے کر خود کو گمراہی میں ڈالا اور ارشاد پیغمبرؐ کی مخالفت کی ان سارے تعصّبات کے باوجود خود شاہ صاحب (مؤلف تحفہ) نے اعتراف کیا ہے کہ "حدیث ثقلین" اہلبیت کے ساتھ وابستہ رہنے پر دلالت کرتی ہے۔ اور یہ کہ اس حدیث میں تمسک کے معنی اتباع اور پیروی کے ہیں، تو اس کی مشہور علمائے اہلسنت نے خود تصریح کی ہے، ملاحظہ کیجئے:

ملا علی قاری "مرقاۃ شرح مشکوۃ" میں حدیث ثقلین کی شرح میں لکھتے ہیں

"ابن الملک کا کہنا ہے کہ کتاب خدا سے تمسک کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اس پر عمل کیا جائے یعنی اس کے اوامر کی اطاعت اور اس کے نواہی سے اجتناب کیا جائے اور عترت کے ساتھ تمسک کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ان کے ساتھ محبت اور ان کی سیرت کی تقلید و پیروی کی جائے، سید جمال الدین نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ جب ان کی سیرت وہدایت دین کے مخالف نہ ہو، لیکن میں کہتا ہوں کہ حضرتؐ کے ارشاد کے یہ معنی ہیں کہ آپ کی عترت کی سیرت وہدایت ہمیشہ شریعت و طریقت کے مطابق ہوا کرے گی، لہذا اس اضافی شرف کی ضرورت نہیں ہے" (المرقاۃ شرح المشکوۃ ج۵ ص۶۰۰)

مناوی "فیض القدیر" میں حدیث کے اس جملے "لن یفترقا حتی یردا علی الحوض" کی توضیح میں لکھتے ہیں: "اس میں اس بات کی طرف اشارہ بلکہ تصریح ہے کہ یہ دونوں کبھی جدا نہیں ہونے والے ہیں اور ان ہی کو حضرتؐ نے اپنا جانشین بنایا اور امت سے ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے، ان کے حقوق کو اپنے حقوق پر ترجیح دینے اور دینی امور میں ان کے دامن سے وابستہ رہنے کی سفارش کی ہے.......(فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ج ۲ ص ۱۷۴)

زرقانی اسی بات کو لکھنے کے بعد کہتے ہیں

"حضرت کی وصیت کو اس جملے سے تقویت ملتی ہے "دیکھو میرے مرنے کے بعد ان دونوں کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہوں" یعنی ان دونوں کی پیروی کر کے مجھے خوشنود کرو گے یا ان کی پیروی نہ کر کے مجھے ناراض کرو گے" (شرح المواھب اللدنیہ ج ۷ ص ۵) شریعت ابدی ہے، لہذا امت کے لئے ضروری ہے کہ وہ بعد پیغمبرؐ آپ کے نائب کی طرف رجوع کرے، اسی وجہ سے حضرتؐ نے امت کو اپنی آل کی محبت کا حکم دیا اور ان کے دامن سے وابستہ رہنے کے لئے کہا، کیونکہ وہی وارثان پیغمبرؐ اور آپ کے علوم کے دروازے ہیں، چنانچہ فرمایا: "ترکت فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی" یعنی میں نے تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑیں ایک کتاب خدا اور دوسرے میری عترت، نیز فرمایا: "انا مدینۃ العلم و علی بابھا، یعنی میں شہر علم ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے"

﴿۴۔ لفظ "ثقلین" پیروی اھلبیت کی دلیل﴾

آنحضرتؐ نے اس حدیث میں قرآن اور اہلبیتؑ کو "ثقلین" کہا ہے، کہ یہ لفظ خود ہی پیروی

اہلبیتؑ پر واضح دلیل ہے، اس لئے کہ بہت سے جید علماء اہلسنت نے "ثقلین" کی وجہ تسمیہ بیان کی ہے کہ "ان دونوں کا لینا اوران پر عمل کرنا اوران کی اطاعت کرنا ثقیل و دشوار ہے اور یہ بات واضح ہے کہ احکام قرآن کا حاصل کرنا اوران پر عمل کرنا بھی واجب ہوگا۔

ہم یہاں بعض ان علماء اہلسنت کے نام ھدیہ قارئین کر رہے ہیں جنھوں نے "ثقلین" کی مذکورہ وجہ تسمیہ بیان کی ہے

ازھری نے "تھذیب اللغۃ" میں، نووی نے "المنھاج" میں، ابن اثیر نے "جامع الاصول" اور "النھایۃ" میں دیلمی نے "فردوس الاخبار" میں، طیبی نے "الکاشف" میں، شریف جرجانی نے "حاشیہ بر مشکواۃ" میں، ابن خلیفہ نے "الاکمال" میں، سنوسی نے "مکمل الاکمال" میں، سیوطی نے "التیسیر" میں، دولت آبادی نے "ھدایۃ السعداء" میں محمد طاہر فتنی نے "مجمع الجار" میں، ابن حجر مکی نے "اللمعات" اور "اشعۃ اللمعات میں" زرقانی نے "شرح المواھب اللدنیہ" میں، زبیدی نے "تاج العرس" میں، ابن منظور نے "لسان العرب" میں تفتازانی نے "شرح المقاصد" میں، زرندی نے "نظم درر السمطین" میں، سخاوی نے "مجمع الجارمین" میں، ملاقاری نے "شرح شفا" میں، شہاب الدین خفاجی نے "نسیم الریاض" میں، علی عزیزی نے "سراج المنیر شرح جامع الصغیر" میں، احمد بن عبدالقادر عجیلی نے "ذخیرۃ المال" میں، ولی اللہ انصاری نے "مرأۃ المومنین" میں اور مولوی صدیق حسن خان نے "سراج وھاج" میں، ان سب نے "ثقلین" کی یہ وجہ تسمیہ بیان کی ہے کہ چونکہ قرآن وعترتؑ کا لینا اوران کے بتائے ہوئے احکام پر عمل کرنا ثقیل و دشوار ہے، لہٰذا پیغمبر اسلامؐ نے انھیں

"ثقلین" سے تعبیر کیا بحث سند میں ان سب کی عبارتیں نقل ہو چکی ہیں۔ اور چونکہ قرآن کے احکام کا حاصل کرنا اور ان پر عمل کرنا واجب ہے لہذا عترت و اہلبیت کی بھی معرفت حاصل کرنا اور ان کے بتائے ہوئے اوامر پر عمل کرنا واجب ہے۔

﴿۵۔ حکم اعتصام، پیروئی اہلبیت کی دلیل﴾

حدیث ثقلین ان الفاظ میں وارد ہوئی ہے **"انی ترکت فیکم مالن تضلوا بعدی ان اعتصمتم به کتاب الله وعترتی"** اور اس کو ابن شیبہ نے "المصنف" میں اور خطیب نے "المفترق والمتفق" میں نقل کیا ہے، چنانچہ میرزا محمد بدخشانی "مفتاح النجا" میں لکھتے ہیں: "اس حدیث (ثقلین) کو ابن ابی شیبہ اور خطیب نے "المفترق والمتفق" میں ان الفاظ میں نقل کیا ہے: میں نے تم میں ایسی چیزیں چھوڑیں کہ میرے بعد اگر ان کو پکڑے رہے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے ایک کتاب خدا اور دوسرے میری عترت و اہلبیت" پس یہ حدیث بھی اہلبیتؑ کی پیروی پر دلالت کرتی ہے، اس لئے کہ طبری، ثعلبی، واحدی، بغوی، رازی، بیضاوی، خازن، نیشاپوری اور سیوطی جیسے بزرگ مفسرین نے ۱۰۳ **وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا** (آل عمران/۱۰۳) میں "**واعتصموا**" کے معنی تمسک کے بتائے ہیں اور تمسک، اقتدار اور پیروی کو کہتے ہیں۔ لغویوں نے بھی "اعتصام" کے معنی "استمساک" (تمسک کرنا) بتایا ہے، ملاحظہ کیجیے راغب اصفہانی کی "مفردات" ابن اثیر کی "النہایۃ" ابن منظور کی "لسان العرب" سیوطی کی "النثیر" زبیدی کی "تاج العرس"

اور جس طرح اس حدیث سے اہلبیتؑ کے ساتھ تمسک کرنا ثابت ہے اسی طرح قرآن کی اس آیت ة-١٠٣ **وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوا** سے بھی اہلبیتؑ کے ساتھ تمسک کرنا ثابت ہے اس، لئے کہ مذکورہ آیت کی تفسیر میں رسول خداؐ اور اہلبیتؑ طاہرین سے منقول ہے کہ "**حبل الله**" سے مراد اہلبیتؑ ہیں۔ چنانچہ تفسیر میں لکھتے ہیں: "ہم کو عبداللہ بن محمد بن عبداللہ نے بتایا انہوں نے محمد بن عثمان سے انہوں نے محمد بن حسین بن صالح سے اور انہوں نے علی بن عباس مقانعی سے روایت کی ہے کہ جعفر بن محمد (امام جعفر صادقؑ) نے فرمایا: ہم ہی وہ حبل اللہ ہیں جن کے بارے میں خداوند عالم نے ارشاد فرمایا: ة-١٠٣

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوا۔

ابو نعیم اصفہانی "مانزل من القران فی علی" میں لکھتے ہیں

"ہم سے محمد بن عمر بن سالم نے بیان کیا انہوں نے احمد بن زیاد بن عجلان سے انہوں نے جعفر بن علی نجیح سے اور انہوں نے حسن بن حسین عرنی سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے جعفر بن محمد (امام جعفر صادقؑ) کو اس آیت ة-١٠٣ **وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوا** کے بارے میں فرماتے سنا کہ ہم ہیں حبل اللہ" مفسر و محدث عز الدین عبدالرزاق بن رزق اللہ حنبلی نے بھی آیت کی اسی طرح تفسیر کی ہے، چنانچہ علامہ اربلی "کشف الغمہ" میں تحریر کرتے ہیں:

"**واعتصوا بحبل الله جمعیا** کی تفسیری میں محدث کا کہنا ہے کہ حبل اللہ علی اور ان کی اہلبیتؑ ہیں"۔ (تفسیر ثعلبی۔ مخطوطہ) ثعلبی سے منقول اس روایت کو حسب ذیل علماء اہلسنت ذیل علماء اہلسنت نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے ابن حجر مکی نے "الصواعق المحرقہ" میں، سمہودی نے جواهر العقدین" میں، میرزا محمد بدخشانی نے "مفتاح النجاۃ" میں، صبان نے "اسعاف الراغبین"

میں اور محمد مبین لکھنوی نے "مراۃ المومنین" میں۔

شیخانی قادری "الصراط السوی" میں طرق حدیث ثقلین کوذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"جعفر بن محمد (امام جعفر صادقؑ) ۳۔۱۰۳ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں: ہم ہی جبل اللہ ہیں، لہذا خدا کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو اور اس سے جدا نہ ہوں"

شیخ سلیمان قندوزی لکھتے ہیں

"ثعلبی نے ۳۔۱۰۳ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا کی تفسیر میں اسناد سے ابان بن تغلب سے روایت کی ہے کہ (امام) جعفر صادقؑ نے فرمایا: ہم ہی وہ رسی ہیں جن کے بارے میں خدا نے فرمایا: ۳۔۱۰۳ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا اور صاحب "المناقب" سعید بن جبیر سے اور انہوں نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ ہم رسول خدا کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک بادیہ نشین آیا اور اس نے کہا یارسول اللہؐ میں نے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے "واعتصموا بحبل اللہ" پس وہ جبل اللہ کیا ہے جس کے پکڑنے کا حکم دیا گیا ہے؟ رسول خداؐ نے علی کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: یہ جبل اللہ ہے، اس کے دامن سے وابستہ رہو اور اس کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔ (ینابیع المودۃ ص ۱۱۹)

قابل ذکر بات یہ ہے کہ (امام) شافعی نے بھی "جبل اللہ" کی تفسیر "ولاء اہلبیتؑ" کی ہے، اور اس کا اظہار اپنے اشعار میں کیا ہے، چنانچہ احمد بن عبدالقادر عجیلی نے "ذخیرۃ المآل" میں فضیلت

اہلبیتؑ کے سلسلے میں ائمہ اربعہ کی شہادتوں کو نقل کیا ہے، (امام) شافعی کے طولانی قصیدے کے چند اشعار یہ ہیں، آخری شعر شاہد مثال ہے۔

ولما رئیت الناس قد زھبت بھم

مذا ھبھم فی ابحر الغی والجھل

جب میں نے دیکھا کہ لوگوں کے مذاہب نے انہیں گمراہی اور جہالت کے سمندر میں پہونچا دیا۔

رکبت علی اسم اللہ فی سفن النجا

وھم اھلبیت المصطفی خاتم الرسل

تو میں اللہ کا نام لے کر کشتی نجات پر کہ وہ خاتم المرسلین محمد مصطفی کے اہلبیتؑ ہیں، سوار ہوگیا۔

وامسکت حبل اللہ وھو ولائھم

کماقد امرنا پالتمسک بالحبل

اور میں نے اللہ کی رسی کو جو محبت اہلبیتؑ ہے پکڑ لیا، جیسا کہ حبل اللہ سے تمسک کا ہمیں حکم دیا گیا۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بعض علمائے اہلسنت نے "**واعتصموا بحبل اللہ جمعیاً**" میں "حبل" کہ تفسیر، عترت طاہرہ کی ہے اور اس تفسیر میں حدیث ثقلین سے استناد کیا ہے، اور انہوں نے اس طرح حدیث کو نقل کیا ہے جو بصراحت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہی حضرات وہ رسی (حبل) ہیں جن سے تمسک کا خدا نے حکم دیا ہے۔ "جامع السلاسل" میں سید علی ہمدانی کے شرح حال میں مجد الدین بدخشانی کے بقول سید محمد طالقانی، جانشین سید علی ہمدانی نے "قیافہ نامہ" میں مذکورہ آیت کے ذیل میں لکھا ہے: "بعض کا کہنا ہے کہ حبل اللہ، رسولؐ خدا کی عترت ہیں، جیسا کہ حضرتؐ نے فرمایا: **انی تارک فیکم الثقلین کلام اللہ**

وعترتی، الا فتمسکو ابھما، فانھما حبلان لا یقطعان الی یوم القیامة، یعنی میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں، ایک کتاب خدا اور دوسرے میری عترت، آگاہ ہو جاؤ اور ان کے دامن کو مضبوطی سے پکڑے رہو، کیونکہ یہ دونوں ایسی رسی ہیں جو قیامت تک ایک دوسرے سے منقطع نہیں ہوں گی"۔

بدرالدین محمد بن احمد رومی نے "تاج الدرة" میں قصیدہ بردہ کے اس شعر **دعا الی اللہ فالمسکون بہ مستمسکون بحبل غیر منفصم** کی شرح میں لکھا ہے:

حضرتؐ نے کتاب خدا اور اپنی عترت کو رضاء الٰہی تک پہونچانے کا ذریعہ قرار دیا ہے، اور پھر انھوں نے حدیث نقل کر کے حق کو منصہ شہود تک پہونچا دیا ہے۔ یہاں اس بات کا بھی ذکر کر دوں کہ بعض علمائے اہلسنت نے "**واعتصموا بحبل اللہ**" کے ذیل میں حدیث ثقلین نقل کر کے اہلبیتؑ کے ساتھ وابستہ رہنے کو ثابت کیا ہے، جیسے نور الدین سمہودی نے "جواہر العقدین" میں طرق حدیث ثقلین کو ذکر کرنے کے بعد اسی آیت کی تفسیر میں ثعلبی کی روایت نقل کی ہے۔

عبدالقادر عجیلی نے "ذخیرۃ المآل" **میں اس مصرعه "والزم بحبل اللہ ثم اعتصم"** کے ذیل میں لکھا ہے:

"خداوند عالم نے فرمایا: ۱۰۳:۳ **وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا**، اور رسول خداؐ نے فرمایا: **انی تارک فیکم الثقلین، ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی احدھما اعظم من الاخر، کتاب اللہ حبل ممدود من السماء الی الارض وعترتی اھلبیتی**............

نیز عجیلی نے "ذخیرۃ المال" ہی میں اس شعر کے ذیل میں لکھتے ہیں:

واعتصموا بحبل اللہ ولا تفوقوا یا ایھا الناس جمیعاً واتقوا

ارشاد الٰہی ہے ۃ ۱۰۳ **وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا**، اور پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا: **ما ان تمسکتم به لن تضلوا بعدی**، کہ اس سے ان اقوال وافعال وسیرت کی پیروی مراد ہے"

﴿٦۔ حدیث میں لفظ "اخذ" پیروی اھلبیت کی دلیل﴾

پیغمبر اسلامؐ سے مروی جن الفاظ میں حدیث ثقلین ہم تک پہونچی ہے، ان میں ایک یہ ہے: "**انی تارک فیکم ما ان اخذتم به لن تضلوا: کتاب اللہ و عترتی اھل بیتی** " کہ یہ خود اہلبیتؑ کی پیروی پر دلالت کرتی ہے۔ اس حدیث کو ترمذی نے اپنی " صحیح " میں، احمد نے اپنی " مسند " میں، ابن راہویہ نے اپنی "مسند " میں، ابن سعد نے "الطبقات " میں، نسائی نے اپنی " صحیح " میں، ابویعلی نے اپنی " مسند " میں، طبرانی نے " المعجم الکبیر " میں، بی ابی عاصم نے " کتاب السنۃ " میں، محمد جریر طبری نے " تھذیب لاثار " میں، محاملی نے اپنی " امالی " میں، ثعلبی نے اپنی تفسیر " الکشف والبیان " میں، ابن اثیر نے " جامع الاصول " میں، ولی الدین خلخالی نے " مفاتیح شرح مصابیح " میں، جمال الدین زرندی نے " نظم درر السمطین " میں، ابن کثیر نے اپنی " تفسیر " میں، سعد الدین تفتازانی نے " شرح مقاصد " میں سیوطی نے "**احیاء المیت بفضائل اھل البیت**" اور " اساس فی مناقب بنی العباس " اور

"تفسیر در منثور" اور "جمع الجوامع" میں، ان کے علاوہ اور بھی علماء محدثین اہلسنت نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے، کہ میں ان سب کو ان کی عبارتوں کے ساتھ بحث سند میں بیان کیا ہے۔ اور یہ بات واضح ہے کہ حدیث میں لفظ "اخذ" **تمسک واعتصام** کی طرح اقتدا اور پیروی پر دلالت کرتا ہے، بطور نمونہ چند علماء کے اقوال ملاحظہ کیجئے:

ملا علی قاری لکھتے ہیں

"اخذ سے مراد ان کے ساتھ تمسک کرنا، ان کا احترام کرنا، ان کی روایتوں پر عمل کرنا اور ان کی بات پر اعتماد کرنا ہے"۔ (المرقاۃ ج۵ ص۶۰۰)

شہاب خفاجی کہتے ہیں

"جس روایت کو ترمذی نے زید بن ارقم اور جابر سے نقل کیا ہے اور اس کو حسن کہا ہے، اس میں حضرتؐ نے فرمایا: "**انی تارک فیکم**" جو اشارہ ہے زمانہ قریب کی طرف، اس میں آپ نے امت کو وصیت کی ہے، اور "**ما اخذتم به**" کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ساتھ تمسک کرو، ان کی باتوں پر عمل کرو اور ان کی پیروی کرو"۔ (نسیم الریاض ج۳ ص۴۱۰)

اس معنی کو صدیق حسن خان نے "**السراج الوهاج فی شرح صحیح مسلم بن الحجاج**" میں زید بن ارقم کی حدیث کی شرح میں بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں: "اہلبیت پر زکوۃ کیوں حرام ہے، اس پر بحث کرنے کی یہاں جگہ نہیں ہے، دوسری جگہ اس پر بحث ہوگی، یہاں ہماری غرض ان کی فضیلت بیان کرنی ہے اور وہ تعظیم واکرام اور ثقل ہونے میں کتاب خدا کے شریک میں لہذا ان دونوں کا حاصل کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ رسول خداؐ کے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں"

محمد معین سندھی نے بھی حدیث زید بن ارقم کو مذہب اہلبیتؑ کے اختیار کرنے کی دلیل قرار دیا ہے، وہ "صحیح مسلم" میں موجود زید بن ارقم سے منقول حدیث ثقلین کے معانی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "حضرتؐ نے تین مرتبہ جو فرمایا: میں تمہیں اہلبیت کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں، یہ ان کے ساتھ تمسک کرنے کی ترغیب اور ان کے اقوال وافعال اور ان کے مذہب کو اختیار کرنے کی تشویق تھی"۔ (دراسات اللبیب ص ۲۳۲)

﴿۷۔ لفظ "اتباع" امامت اہلبیتؑ کی دلیل﴾

پیغمبر اسلامؐ کا فرمانا کہ "**لن تضلوا ان اتبعتموهما**" یہ خود اہلبیتؑ کی پیروی کو ثابت کرتا ہے اور اس بات کو واضح کرتا ہے کہ ان کی پیروی قیامت تک گمراہی سے بچانے کی ضامن ہے، کہ یہ خود اہلبیتؑ کی امامت وخلافت پر واضح دلیل ہے۔ اس جملے (**لن تضلوا ان اتبعتموهما**) کے ساتھ حسب ذیل محدثین اہلسنت نے حدیث ثقلین نقل کی ہے حاکم نے "المستدرک علی الصحیحین" ج ۳ ص ۱۰۹ پر، ابن حجر مکی نے "الصواعق المحرقہ" میں **آیۃ وقفوهم انهم مسئولون** کی تفسیر میں، مخاطب کے والد ماجد شاہ ولی اللہ دہلوی نے "ازالۃ الخفا" میں، اور شیخ سلیمان قندوزی نے "ینابیع المودۃ" ص ۳۲، ۳۷، ۲۹۶ پر نقل کیا ہے۔

﴿۸۔ حدیث میں تکرار، پیروئی اہلبیتؑ کی دلیل﴾

رسالتمآبؐ کا حدیث ثقلین میں اس جملے کی تکرار (میں تمہیں اہلبیتؑ کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں) کی تکرار کرنا، یہ خود امت کو اہلبیتؑ کی پیروی اور ان کے ساتھ تمسک کرنے کا ایک دستور

ہے، بحمد اللہ علمائے اہلسنت نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے، ملاحظہ کیجئے۔

شیخ حسین کاشفی کا بیان ہے

"اس جملے کی تکرار مبالغہ اور تاکید کس وجہ سے کی تھی، اہلبیت کے معنی واضح ہیں اور ان پر یہ سارے معانی درست ہیں، خاص طور سے آخری معنی یعنی ان سے محبت، ان کی تعظیم اور ان کے حقوق کی رعایت تو واضح ہے، اور یہ اشارہ ہے اخذ سنت کی طرف کیونکہ پہلے کتاب پر عمل کرنے کا حکم ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ سارے مومنین، اہلبیت نبی اور ان کی آل کے مطیع ہیں"۔ (اللمعۃ اللمعات فی شرح المشکوٰۃ ج ۴ ص ۶۷۷)

زرقانی اس جملے کی توضیح میں لکھتے ہیں

"حکیم" ترمذی کا کہنا ہے حضرتؐ نے ان کے ساتھ تمسک کرنے کی ترغیب وتشویق دی ہے، کیونکہ حکومت ان ہی کا حق ہے"۔ (شرح المواھب الدینیہ ج ۷ ص ۵)

﴿۹۔ قرآن اور عترتؑ کا جدا نہ ہونا پیروئی اہلبیتؑ کی دلیل﴾

رسالت مآب نے "**وانھما لن یفترقا حتی یرد اعلیی الحوض**" یعنی (یہ دونوں کبھی جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہونچیں) فرما کر گویا امت کو اہلبیتؑ کے ساتھ تمسک کرنے کا حکم دیا ہے، اس بات کی علمائے اہلسنت کی ایک جماعت نے بھی تصریح کی ہے، ملاحظہ کیجئے:

مناوی "فیض القدیر" میں مذکورہ عبادت کی شرح میں لکھتے ہیں

"حدیث کا پہلا جملہ "**انی تارک فیکم** کو دیکھتے ہوئے اس جملہ 〈**وانھما لن یفترقا** .....〉میں اس بات کی طرف اشارہ بلکہ تصریح ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونے والے ہیں، جنہیں حضرتؐ نے اپنا جانشین قرار دیا اور امت سے ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے، ان کے حقوق کو دوسروں پر ترجیح دینے اور دینی امور میں ان کے ساتھ تمسک کرنے کا حکم دیا ہے، کتاب خدا سے تمسک کرنے کا اس لئے حکم دیا کہ یہ علوم دینی اور احکام شرعی کا معدن اور حقائق و دقائق کا گنجینہ ہے، اور عترت کے ساتھ تمسک کرنے کا اس لئے حکم دیا کہ جب کسی کا ریشہ اور جڑ پاک ہو تو یہ پاکی دین فہمی میں کمک کرتی ہے، اس لئے کہ پاک طینت سے حسن اخلاق اور محاسن اخلاق سے صفاء قلب اور دل کی طہارت ہوتی ہے"۔(فیض القدیر ج ۲ ص ۱۷۴)

شہاب الدین دولت آبادی "ھدایۃ السعداء" میں لکھتے ہیں

"حضرتؐ نے یہ جملہ (**انھما لن یفترقا** ....) اس لئے ارشاد فرمایا تاکہ دیکھیں کہ ان کا دوست کون تھا اور میرے بعد کس نے ان کے ساتھ تمسک کیا اور کس نے چھوڑ دیا" یہی بات زرقانی نے "شرح مواہب اللدنیہ" میں اور مولوی محمد مبین لکھنوی نے "وسیلۃ النجاۃ" میں کہی ہے۔

﴿۱۰۔ حقوق اھلبیت کی رعایت، دستور پیغمبرؐ﴾

رسالت مابؐ نے حدیث میں اس جملہ "**فانظروا کیف تخلفونی فیھما**" (یعنی تم خود ہی سوچو کہ تمہیں ان دونوں کے ساتھ کیا رویہ رکھنا چاہیے) کو فرما کر اپنی امت کو اہلبیتؑ کے

ساتھ تمسک کرنے اوران کی پیروی پر مامور کیا ہے، اس بات کی بھی علماء اہلسنت کی ایک جماعت نے وضاحت کی ہے، ملاحظہ کیجئے۔

شہاب خفاجی اس جملہ کی توضیح میں لکھتے ہیں

یعنی میری وفات کے بعد دیکھو کہ تم کس طرح کتاب خدا پر عمل اور اہلبیت کی پیروی، ان کے حقوق کی رعایت اوران کے ساتھ نیکی کرتے ہو، اس لئے کہ جس نے انھیں شاد کیا اس نے مجھے شاد کیا اور جس نے انھیں آزردہ کیا اس نے مجھے آزردہ کیا"۔ **(فیض القدیر ج۲ص۱۷۴)**

زرقانی نے بھی "شرح المواھب اللدنیہ" میں یہی بات کہی ہے۔

شیخ عبدالحق دہلوی حضرتؐ کے اس جملے کی شرح میں لکھتے ہیں

"یعنی میرے بعد کس طرح تم ان کے اوامر پر اوران کے ساتھ عمل کرتے ہو"۔ **(الشعة اللمعات ج۴ص۶۸۱)**

حسام الدین سہارنپوری "، رافض " میں اس جملے کی تشریح میں لکھتے ہیں

"یعنی میرے بعد ان کے ساتھ کیسا رویہ رکھتے ہواوران کے ساتھ کس طرح تمسک کرتے ہو"

دولت آبادی نے "ھدایۃ السعداء" میں اور سندھی نے "وارسات اللبیب" میں یہی بات کہی ہے۔

«۱۱. قرآن اور اہلبیتؑ جدا نہ ہونے والے دو مصاحب»

بالفرض اگر رسالت مآبؐ اس حدیث میں سوائے اس جملے کے کہ "میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک کتاب خدا اور دوسرے میرے اہلبیتؑ " نہ کہتے تو یہی اہلبیتؑ کی امامت کے اثبات کے لئے کافی تھا، کیونکہ اس کلام سے یہی بات ذہن میں آتی ہے کہ حضرتؐ کا مقصود یہ تھا کہ ان

دونوں کو میرے بعد حاکم قرار دینا اور خود کو محکوم، نہ یہ کہ قرآن کو حاکم اور اہلبیت کو محکوم اس لئے کہ ایسی تشکیک وجدائی کسی کے بھی ذہن میں نہیں آسکتی۔

﴿۱۲۔ روایت ابوذر، امامت اہلبیت کی دلیل﴾

رسالت مآب کے عظیم المرتبت صحابی جناب ابوذر نے اس طرح حدیث ثقلین کی روایت کی ہے جو اہلبیتؑ کی امامت کی وضاحت کرتی ہے، ان کی روایت "ینابیع المودۃ" میں اس طرح نقل ہوئی ہے:

"سلیم بن قیس ہلالی کا کہنا ہے کہ میں اور جیش بن معتمر مکہ میں تھے، ابوذر کو دیکھا کہ وہ زنجیر درکعبہ کو پکڑے کہہ رہے ہیں اے لوگو! جو مجھے پہچانتا ہے وہ تو پہچانتا ہی ہے اور جو نہیں پہچانتا وہ پہچان لے کہ میں جندب بن جنادہ ابوذر ہوں، لوگوں! میں نے تمہارے نبی کو کہتے ہوئے سنا: تم میں میرے اہلبیت کی مثال ایسی ہی ہے جیسے نوح کا سفینہ کہ جو شخص اس پر سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جس نے گریز کیا وہ ہلاک ہوا، اور آپؐ ہی نے فرمایا: تمہارے درمیان میرے اہلبیت کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے بنی اسرائیل کے لئے باب حطہ، کہ جو اس میں داخل ہوا بخش دیا گیا، نیز فرمایا: میں تم میں ایسی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر تم ان کے ساتھ تمسک کیے رہو تو کبھی گمراہ نہ ہوگے ایک کتاب خدا دوسرے میری عترت، یہ دونوں کبھی جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پہونچیں"۔ (ینابیع المودہ ص ۲۸) ابوذر نے زنجیر درکعبہ کو پکڑے حدیث سفینہ اور حدیث باب حطہ کے بعد "حدیث ثقلین" کو نقل کیا جو اس کی اہمیت کو بیان کر رہی ہے۔ نیز یہ کہ "حدیث سفینہ" اور "حدیث باب حطہ" کی طرح، "حدیث ثقلین" بھی اہلبیتؑ کی اطاعت و پیروی کی طرف دعوت دے رہی ہے۔ یہ حدیث جب اہلبیتؑ کی پیروی کو ثابت کر رہی ہے تو اس سے حضرت علیؑ کی پیروی بدرجہ اولیٰ ثابت ہوتی ہے،

اس کا خود علماء اہلسنت نے بھی اعتراف کیا ہے۔

سمہودی "حدیث ثقلین" کو نقل کرنے کے بعد اپنی تنبیہات میں لکھتے ہیں

"ائمہ اہلبیت اور عترت طاہرہ کے ساتھ تمسک کرنے کی تشویق و ترغیب کا مقصد ان کی ہدایت پر عمل کرانا تھا، کہ ان میں سے سب سے زیادہ اہل و حقدار جن سے تمسک کا حکم دیا گیا ہے، ان کے امام و عالم علی بن ابی طالب کرم اللہ وجھہ ہیں، کیونکہ ان کا علم و دقائق مستنباط ان سب سے زیادہ ہے، اور دار قطنی کی روایت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے جس کو انہوں نے معقل بن یسار سے نقل کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ میں نے ابوبکر کو کہتے ہوئے سنا کہ علی بن ابی طالب عترت رسول ہیں، یعنی یہی وہ ہیں جن کے ساتھ تمسک کرنے کی پیغمبر نے ترغیب و تشویق کی ہے، پس ابوبکر کے عترت پیغمبر کہنے کی وجہ وہی ہے جس کی طرف میں نے اشارہ کیا، اسی وجہ سے رسالتمآب نے غدیر خم میں ان کے لئے فرمایا:

من کنت مولاہ فعلی ھولاہ، اللھم وال من والا ھوعادمن عاداہ (یعنی جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولاں ہے بارالہا اس کو دوست رکھ جو اس کو دوست رکھے اور دشمن، اس کو جو اس کو دشمن رکھے) اس حدیث کی صحت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے......"

ابن حجر مکی "صواعق محرقہ" میں "حدیث ثقلین" اور اس کے مؤیدات کو نقل کرنے کے بعد اپنی تنبیہ میں لکھتے ہیں

"ظاہر ہے کہ ان میں سے سب سے زیادہ اہل و حقدار جن سے تمسک کا حکم کیا گیا ہے ان کا امام و عالم علی بن ابی طالب کرم اللہ وجھہ ہیں، کیونکہ ان کا علم و دقائق مستنباط ان سب سے زیادہ ہے، اسی وجہ سے ابوبکر نے کہا تھا علی، عترت رسول ہیں یعنی ان لوگوں میں سے ہیں جن سے تمسک کا حکم دیا

گیا ہے ابوبکر نے علی کو اہلبیت وعترت میں سے مخصوص کردیا تھا۔

اسی طرح رسالتمآبؐ نے بھی غدیر خم میں علی کو ان سب میں سے مخصوص کیا تھا" اسی بات کو ابن کثیر نے "وسیلۃ المآل" میں اور عجیلی نے "الصوعق المحرقہ" کے حوالے سے "ذخیرۃ المآل" میں نقل کیا ہے۔ لہذا حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل پر بہترین اور صریح دلیل یہی "حدیث ثقلین" ہے، اس سلسلے میں مزید توضیح آئندہ بیان ہوگی، ام سلمٰی کی حدیث کی طرف رجوع کریں جس کو مشہور علماء نے نقل کیا ہے۔ آئندہ بیان ہوگا کہ شوریٰ میں خود حضرت علیؑ نے "حدیث ثقلین" سے احتجاج کیا ہے اور اگر یہ آپ کے مدعا پر دلیل نہ ہوتی تو یقیناً شوریٰ میں موجود افراد آپ کے احتجاج و استدلال کو رد کرتے حدیث ثقلین کی روشنی میں جو امتیازات حضرت علیؑ کو حاصل ہیں، وہ اہلسنت کے مستند وحفاظ کے نزدیک بھی ثابت ہیں، اسی وجہ سے "مسلم" نے "حدیث ثقلین" کو اپنی "صحیح" کے باب فضائل میں "حدیث خیبر" اور "حدیث تسمیہ بہ ابوتراب" کے درمیان نقل کیا ہے۔

اسی طرح نووی نے "تہذیب الاسماء واللغات" میں آپ کے شرح حال میں "حدیث شان نزول آیۃ مباہلہ" اور "حدیث من کنت مولہ فعلی مولاہ" کے درمیان "حدیث ثقلین" درج کیا ہے، نیز سعید الدین فرغانی نے "شرح التائیہ" میں "حدیث منزلت" اور "حدیث مدینۃ العلم" کی طرح "حدیث ثقلین" سے بھی حضرت علی کے وارث پیغمبرؐ ہونے کو ثابت کیا ہے، جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے۔ لہذا امامت حضرت علیؑ پر "حدیث ثقلین" کی دلالت سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ یہ ابوالائمہ حضرت علیؑ کی امامت کو واضح لفظوں میں بیان کررہی ہے۔

یہ حدیث مہدی آل محمدؐ کے وجود

اقدس پر بھی دلالت کرتی ہے

"حدیث ثقلین" جس طرح بارہ اماموں کی امامت اور بعد پیغمبرؐ حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل پر دلالت کرتی ہے، اسی طرح بارہویں امامؑ کی امامت اور آپ کے وجود پر بھی دلالت کرتی ہے، کیونکہ یہ حدیث، قیامت تک قرآن اور عترت کے جدانہ ہونے کی تصریح اور حوض کوثر تک ایک ساتھ رہنے کو بیان کررہی ہے، اور چونکہ قیامت تک قرآن مجید موجود ہے لہذا ضروری ہے کہ اس وقت تک اہلبیتؑ کی بھی کوئی ایسی فرد ہو جس سے تمسک کی جاسکے اور وہ زمانہ کا امام اور وقت کا حجت ہو محمد اللہ اس کا بھی اعتراف مشاہیر علماء اہلسنت نے کیا ہے، ملاحظہ فرمایئے۔

سہودی لکھتے ہیں

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اہلبیت طاہرہ میں سے وہ لوگ جو تمسک کے اہل ہیں ان کا وجود ہر ایک زمانہ میں تا قیام قیامت رہے گا اور اسی صورت میں ان کے ساتھ تمسک کرنے کا حکم صادق آئے گا جس طرح قرآن قیامت تک باقی رہے گا، لہذا یہ لوگ امان ہیں اہل زمین کے لئے کہ اگر یہ دنیا سے اٹھ جائیں تو ان کے ساتھ ہی اہل زمین بھی ختم ہو جائیں گے۔ (جواھر العقدین ج۲ص۹۴)

ابن حجر مکی "حدیث ثقلین" کو ذکر کرنے کے بعد تنبیہ میں لکھتے ہیں

"ان احادیث سے جن سے تمسک کا حکم دیا گیا ہے ثابت ہوتا ہے کہ ان میں سے ایسے لوگ جو تمسک کے اہل ہیں تا قیام قیامت باقی رہیں گے جس طرح کتاب خدا قیامت تک باقی رہے گی، اسی وجہ سے حدیث میں ہے کہ اہلبیت امان ہیں اہل زمین کے لئے، جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا، اور اسی پر گزشتہ روایت بھی دلالت کرتی ہے کہ ہر زمانے میں میری امت میں میرے اہلبیت کے عادل افراد

ہوں گے.........."۔(الصواعق المحرقہ ص۹۰) اس سے ملتی جلتی باتیں علامہ عجیلی نے "ذخیرۃ المآل" میں، دولت آبادی نے "ھدیۃ السعداء" میں اور حسن زمان نے "قول مستحسن" میں نعیم بن حماد کی "الفتن" طبرانی کی "الاوسط" ابونعیم کی "کتاب المھدی" اور خطیب کی "التلخیص" کے حوالے سے کہی ہیں۔لہذا "حدیث ثقلین" کی روشنی میں قیامت تک ہر زمانے میں اہلبیتؑ کی کسی نہ کسی فرد کا ہونا ضروری ہے، اور آئندہ بیان ہونے والا رسالتمآب کا خطبہ روایت امام حسنؑ اسی بات کو ثابت کرے گا۔

﴿۱۳۔حدیث ثقلین کی دلالت بعض آیات کی طرح﴾

آیۃ مودۃ (شوریٰ ۲۳) کی طرح "حدیث ثقلین" بھی وجوب محبت اہلبیتؑ پر دلالت کرتی ہے اور یہ آیۃ "**وقفوھم انھم مسئولون**" کے شواہد میں سے بھی ہے، یہ آیت اہلبیتؑ کی امامت وخلافت پر واضح دلیل ہے، لہذا "حدیث ثقلین" بھی اسی پر دلالت کرے گی۔ یہاں صرف چند علماء کے اقوال پر اکتفاء کر رہے ہیں جنہوں نے کہا ہے کہ "حدیث ثقلین" اہلبیتؑ کی محبت کے واجب ہونے کو ثابت کرتی ہے۔

سخاوی "حدیث ثقلین" کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں

"یہ حدیث اہلبیت کے عظیم افتخار کو بیان کر رہی ہے، اس لئے کہ حضرتؐ کا یہ فرمانا کہ "دیکھو ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتے ہو" "میں تم کو اپنے اہلبیت کے ساتھ اچھے سلوک کرنے کی وصیت کرتا ہوں" اور "میں تمہیں اپنے اہلبیت کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں" یہ اہلبیت کے ساتھ مودت، ان کے ساتھ اچھا سلوک، ان کی حرمت کی رعایت اور ان کے واجبی اور مستحق حقوق کی ادائیگی کی ترغیب ہے، کیونکہ روئے زمین پر حسب ونسب اور عزت وشرف کے لحاظ سے بہترین گھرانے کی فرد یہ ہیں"۔

(استجلاب ارتقاء الغرف۔ مخطوطہ)

جلال الدین سیوطی "آیۃ مودۃ" کی تفسیر میں لکھتے ہیں

"ترمذی نے روایت کی ہے اور اس کو حسن بتایا ہے اور انباری نے "المصاحف" میں زید بن ارقم سے روایت کی ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ اگر ان سے تم وابستہ رہے تو میرے بعد کبھی گمراہ نہیں ہو گے، ان میں سے ایک دوسرے سے بڑھ کر ہے، ایک کتاب خدا جو ایک مظبوط رسی ہے اور اس کا ایک سرا آسمان پر ہے اور ایک زمین پر اور دوسرے میری عترت جو میرے اہلبیت ہیں، یہ دونوں کبھی جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہونچیں، تم خود ہی سوچو کہ تمھیں ان دونوں کے ساتھ کیسا رویہ رکھنا چاہیئے"۔ (الدر المنثور ج ۷ ص ۶) عبدالوھاب بخاری نے بھی "تفسیر انوری" میں آیۃ مودۃ کی تفسیر میں ابوسعید خدری سے او اسی آیت کی تفسیر میں خطیب شربینی نے "السراج المنیر" میں زید بن ارقم سے "حدیث ثقلین" نقل کی ہے۔ (السراج المنیر ج ۵ ص ۵۳۸)

قاری، اس حدیث کی توضیح میں کہتے ہیں

"اس کے یہ معنی ہیں کہ اہلبیت کی مخالفت، ان کے اکرام و احترام اور ان سے مودت و محبت کے سلسلے میں حق اللہ کی یاد دہانی کراتا ہوں"۔ (المرقاۃ ج ۵ ص ۵۹۴)

ملا علی قاری، اس حدیث کی شرح میں طیبی سے نقل کرتے ہیں

"شاید اس وصیت اور عترت کو قرآن کا قرین و مصاحب قرار دینے کا راز ان کی محبت کو واجب

بتاناہواور یہ وجوب محبت، آیۃ مودۃ سے آشکار ہے"۔(المرقاۃ ج۵ ص۶۰۱)

بدخشانی کہتے ہیں

"اہلبیت کی محبت ہر مومن و مومنہ پر واجب اور ان سے بغض و کینہ حرام ہے، اس کی دلیل آیۃ مودۃ اور حدیث ثقلین ہے کہ جس حدیث کی زید بن ارقم نے روایت کی ہے ....."۔(نزل الابرار ص ۹و۶)۔

ایسی ہی باتیں قاری نے "شرح الشفا" ج۳ ص ۴۱۰ مطبوع بر حاشیہ نسیم الریاض میں، مناوی نے "فیض القدیر" ج۳ ص ۱۴ پر، شیخ عبدالحق دہلوی نے "اللمعات" ج۴ ص ۶۷۷ پر، زرقانی نے "شرح المواھب ج۷ ص ۷ پر حسام الدین سہارنپوری نے "مرافض" میں، شاہ ولی اللہ دہلوی نے "قرۃ العینین" میں، عجیلی نے "ذخیرۃ المآل" میں، مولوی محمد مبین لکھنوی نے "وسیلۃ النجاۃ" میں، فاضل رشید نے رسالہ "حق مبین" اور "احضاح" میں، شیخ حمزاوی نے "مشارق الانوار" میں اور شہاب الدین دولت آبادی نے "ھایۃ السعدا" میں کہی ہیں۔ دوسری آیت یعنی "**وقفوھم انھم مسئولون** "کے ذیل میں بہت علماء نے بہ عنوان شاہد "حدیث ثقلین" پیش کی ہے ان میں چند یہ ہیں۔

سہودی تنبیہ چہارمیں طرق "حدیث ثقلین" کونقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں

"زرندی نے حدیث "**من کنت مولاہ، فعلی مولا** " کے بعد کہا ہے کہ امام واحدی کا بیان ہے کہ جس ولایت کو رسول خدا نے ثابت کیا ہے اس کے بارے میں قیامت کے دن سوال ہوگا، اور آیت "**وقفوھم انھم مسئلون** " کے ذیل میں مروی ہے کہ علی اور اہلبیت کی والایت کے متعلق سوال کیا جائے گا، اس لئے کہ خدا نے اپنے نبی کو حکم دیا تھا کہ وہ امت سے کہہ دیں کہ اجر رسالت صرف قرابتداروں کی محبت ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں سے سوال ہوگا کہ جس طرح نبی نے اہلبیت کے ساتھ محبت کرنے کا حکم دیا تھا ویسی ان کے ساتھ محبت کی یا آپ کی وصیت پر کان نہیں دھرا، کہ اس صورت

میں ان سے پوچھا جائے گا اور پھر وہ اپنے کیفر کردار تک پہونچیں گے، میں کہتا ہوں کہ آیت کی ذیل میں جس روایت کی طرف اشارہ ہوا ہے اس کی دیلمی نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے "**وقفوا انھم مسئولون**" یعنی ان کو روکو تا کہ ولایت علی بن ابی طالب کے متعلق ان سے پوچھا جائے، اور اس کا شاہد "حدیث ثقلین" کا وہ جملہ ہے جو بعض طرق میں آباد ہے کہ خدا تم سے سوال کرے گا کہ تم نے قرآن اور میرے اہلبیت کے ساتھ کیا سلوک کیا"۔(جواھرلعقدین ج۲ص ۱۰۸)

نیز مراجعہ کیجئے سمہودی کی اس کتاب (جواھر العقدین) میں آیت مودۃ کے ذیل کی روایتیں

واحدی نے دیلمی سے بہ عنوان شاہد ابوسعید خدری کی جو روایت پیش کی ہے اس کو ابن حجر مکی "**الصواعق المحرقہ صفہ نمبر ۱۹۰ ۸۹**" پر، شخانی نے "**الصراط السوی**" اور "تحفۃ المحبین" میں اور مولوی ولی اللہ لکھنوی نے "مراۃ المومنین" میں نقل کیا ہے۔

مولوی محمد مبین "وسیلۃ النجاۃ" میں لکھتے ہیں

" آیۃ "**وقفوھم انھم مسئولون**" سے معلوم ہوتا ہے کہ بروز حشر سارے انسانوں سے سوال ہوگا کہ انہوں نے **امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ** خیر البشر کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اور ان کے حق دوستی کو کما حقہ ادا کیا یا نہیں؟ رسول خدا نے ان کے حق کی ادائیگی ان کے اوامر کی پیروی کے بارے میں جو دستور دیا تھا سمعاً و طاعتاً امتثال کیا یا نہیں؟ مسلم نے زید بن ارقم سے روایت کی ہے کہ پیغمبر اسلام مکہ اور مدینہ کے درمیان اس تالاب پر جو خم کہلاتا تھا خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے"۔

﴿۱۷۔ حدیث ثقلین، عصمت اہلبیت کی دلیل﴾

۱۔ رسالتمآب نے اس حدیث میں اہلبیتؑ کی اتباع و پیروی کا حکم دیا ہے اور یہ بات واضح ہے کہ حضرتؐ کی اتباع و پیروی کا حکم دیا ہے حضرتؐ کسی ایسے کی پیروی کا حکم نہیں دے سکتے جس سے خطا سرزد ہو اور وہ کتاب اور سنت کے خلاف عمل کرے کیونکہ یہ علاوہ اس کے کہ عقل و سنت کے خلاف ہے امت کے ساتھ لطف و شفقت اور رحمت اور رافت کے بھی منافی ہے اور جب ان کی عصمت ثابت ہے تو پھر ان کی خلافت میں بھی شک نہیں ہونا چاہیے۔

۲۔ اس حدیث میں رسالتمآبؐ نے اہلبیتؑ کے ساتھ تمسک کو قرآن کے ساتھ تمسک جیسا کہا ہے جو ان کی عصمت کو ثابت کرتا ہے اس لئے کہ جب قرآنی آیت "**وانه لکتاب عزیز لا یاتیه الباطل من بین ایدهم ولا من خلفه تنزیل من حکیم حمید**" کے مطابق ہر خطا سے منزہ ہے تو جو پیروی میں قرآن کا قرین و سہیم ہوگا وہ بھی خطاؤں سے دور اور معصوم ہوگا، کیونکہ کبھی بھی رسالتمآبؐ غیر معصوم کو قرآن کا سہیم قرار نہیں دے سکتے جیسا کہ ابن حجر مکی نے "منح مکیہ شرح قصیدہ همزیہ" میں کہا ہے، اور جب ان کی عصمت ثابت ہے تو پھر امامت بھی ثابت ہے۔

۳۔ رسالتمآبؐ نے تصریح کی ہے کہ عترت کے ساتھ تمسک امت کو گمراہی سے بچائے گی اور اس کی توضیح لفظ "لن" سے کی ہے "**لن تضلوا بعدی**" پس جس کے ساتھ تمسک کی وجہ سے امت گمراہی سے بچے، وہ بدرجہ اولی گمراہی سے محفوظ اور معصوم ہوگا۔

۴۔ رسالتمآبؐ نے اس حدیث میں اس بات کی صراحت کی ہے کہ "یہ دونوں کبھی جدا نہیں

ہونگے" اور عدم افتراق سے مراد یہ ہے کہ اہلبیتؑ کبھی بھی قرآن کی نہ تو مخالفت کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس کے خلاف حکم دے سکتے ہیں کیونکہ اگر یہ معاذ اللہ ایک جگہ بھی قرآن کے خلاف عمل کریں یا اس کے خلاف حکم دیں تو اس سے پیغمبرؐ کا کلام جھوٹا ثابت ہوگا "**نعوذ باللہ من ذالک**" اور عمل اور حکم دینے میں قرآن کی مخالفت نہ کرنا اور ان کے اقوال وافعال کا قرآن کے موافق اور کلام خدا کے مطابق ہونا ہی "عصمت" ہے، اور جب ان کی عصمت ثابت ہے تو ان کی خلافت کا ثبوت اظہر من الشمس ہے، کیونکہ معصوم ہوتے ہوئے غیر معصوم، خلافت کا اہل نہیں ہوسکتا۔

۵۔ بعض طریق سے منقول "حدیث ثقلین" میں رسالتمآبؐ نے تصریح کی ہے کہ "یہ علی قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علی کے ساتھ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہونچیں" یہ تخصیص، تعمیم کے بعد ہے جو عصمت حضرت علی علیہ السلام پر دلیل قاطع ہے اور جب ایسا ہے تو پھر کس طرح کوئی عقلمند حضرت علی علیہ السلام کی خلافت میں شک کرسکتا ہے۔

۶۔ بعض سند "حدیث ثقلین" میں ہے کہ رسالتمآبؐ نے حدیث کے آخر میں حضرت علی علیہ السلام کے لئے دعا کی "خداوند حق کو ادھر لے جا جہاں علی جائیں" ملاخطہ کیجئے "السیرۃ الحلبیۃ جلد ۳ صفحہ ۳۳۶" "مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۵۰۲" "روضتہ الاحباب" کہ یہ خود حضرت علی علیہ السلام کی عصمت وامامت کو ثابت کررہی ہے پس کس طرح مخاطب (مؤلف تحفہ) کی بات درست ہوسکتی ہے کہ یہ حدیث اہل حق (شیعوں) کے مدعا کو ثابت نہیں کررہی ہے؟

۷۔ بعض روایتوں کے مطابق رسالتمآبؐ نے "حدیث ثقلین" کے آخر میں فرمایا "ان دونوں کی نصرت کرنے والا میرا نصرت کرنے والا ہے، ان دونوں کو چھوڑنے والا مجھے چھوڑنے والا ہے ان

دونوں کا دوست میرا دوست ہے اور ان دونوں کا دشمن میرا دشمن ہے" ملاحظہ کیجئے "المناقب ص ۱۸" "نظم درالسمطین" "الصراط السوی" وغیرہ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اہلبیتؑ سچ بولنے والے اور حق قائم کرنے والے ہیں اس لئے کہ رسالتمابؐ نے کتاب اور عترت کے ناصر کو اپنا ناصر اور ان کے چھوڑنے والے کو اپنا چھوڑنے والا کہا ہے اور چونکہ سارے اسلامی فرقے آنحضرتؐ کی نصرت واجب اور ان کو ترک کرنا حرام کہتے ہیں لہذا اہلبیتؑ کی بھی نصرت واجب اور انہیں ترک کرنا حرام ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ ان سے خطا و لغزش نہیں ہو سکتی کیونکہ اگر ایسا ممکن ہوتا تو پھر ان کی نصرت حرام اور (معاذ اللہ) ان کو ترک کرنا واجب ہوتا جب کہ آنحضرتؐ نے کسی بھی صورت میں ایسی اجازت نہیں دی ہے۔

۸۔ بعض روایتوں میں ہے کہ رسالتمابؐ نے "حدیث ثقلین" کے آخر میں ارشاد فرمایا "یہ تمھیں ہدایت کے دروازے سے خارج نہیں کریں گے اور گمراہی کے دروازے میں داخل نہیں کریں گے" پس حضرت کا یہ ارشاد اہلبیتؑ کی عصمت پر ایک دلیل ہے اس روایت کو ابو نعیم اصفہانی نے "منقبۃ المطہرین" میں براء بن عازب سے نقل کیا ہے۔

۹۔ رسالتمابؐ نے بعض سیاق "حدیث ثقلین" میں اہلبیتؑ کی عصمت کو واضح لفظوں میں بیان کیا ہے چنانچہ عبداللہ محمد بن مسلم رازی "الاربعین فی فضائل امیر المومنین" میں لکھتے ہیں۔ "رسول خداؐ نے فرمایا: میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک کتاب خدا اور دوسرے میری عترت و اہلبیت اور یہی میرے بعد میرے جانشین ہیں ان میں ایک دوسرے سے بڑھ کر ہے اور یہ ایسا ذریعہ ہیں جو آسمان سے زمین تک متصل ہیں اگر تم ان دونوں سے وابستہ رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے یہ دونوں کبھی جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کے قیامت کے دن میرے پاس حوض کوثر پر پہونچیں، گفتار میں میرے اہلبیت سے آگے نہ بڑھ جانا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور نہ ہی پیچھے رہ جانا کہ اس صورت میں بھی ہلاک ہو جاؤ گے تم میں

ان کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے نوح کا سفینہ کے جو اس پر سوار ہوا اور اس نے نجات پائی اور جس نے گریز کیا وہ ہلاک ہوا اور تم مین ان کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے بنی اسرائیل کے لئے باب حطہ کہ جو شخص اس میں داخل ہوا وہ بخش دیا گیا۔

آگاہ ہو جاؤ: میرے اہلبیت میری امت کے لئے امان ہیں کہ اگر یہ دنیا اٹھ جائیں تو میری امت پر وہ عذاب نازل ہو جس کا وعدہ کیا گیا ہے آگاہ ہو جاؤ: اللہ نے انہیں ہر طرح کی گمراہی سے محفوظ اور ہر طرح کی برائیوں سے پاک رکھا ہے اور قیامت میں بھی یہی اہل ولایت اور راہ ہدایت کی طرف راہنمائی کرنے والے ہیں آگاہ ہو جاؤ: اللہ نے ان ہی کی اطاعت کو فرض اور جماعت پر واجب قرار دیا ہے پس جو ان سے وابستہ ہوا اس نے راہ ہدایت کی طرف حرکت کیا اور جو ان سے منحرف ہوا وہ ہلاک ہوا آگاہ ہو جاؤ: ہدایت کرنے والے عترت طاہرین، دین کی طرف دعوت دینے والے متقیوں کے امام، مسلمانوں کے رہبر، مومنین کے ذمے دار اور رب العالمین کی طرف سے ساری مخلوق کے امین ہیں ان ہی نے شک اور یقین میں جدائی کی اور حقیقت کو آشکار کیا"۔

حدیث ثقلین سے عصمت اہلبیت کو ثابت کرنے والے علمائے اہلسنت

فخر الدین رازی آیۃ ۵۹۔ق یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ (نساء/۵۹) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"خداوند عالم نے بطور قطع و جزم اولی الامر کی اطاعت کا اس آیت میں حکم دیا ہے اور جس کی اطاعت کا حکم خدا اس انداز سے دے وہ یقیناً خطاؤں سے محفوظ اور معصوم ہوگا کیونکہ اگر وہ معصوم نہ ہوگا

تو خطا کرے گا جس کا لازمہ یہ ہوگا کہ خدا نے اس کی خطا کی پیروی کا حکم دیا جو خود ایک خطا ہے اور چونکہ خطا خطا ہے لہذا اس پر عمل کرنے سے منع کیا گیا ہے اس صورت میں امر اور نھی ایک جگہ جمع ہوں گے جب کہ ان دونوں کا ایک جگہ جمع ہونا محال ہے، پس ثابت ہوا کہ جس کی خدا نے اولی الامر کی اطاعت کا قطعی طور پر حکم دیا ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ جس کی خدا قطعی طور پر پیروی کا حکم دے اس کے لئے ضروری ہے کہ خطاؤں سے محفوظ اور معصوم ہو لہذا اس آیت کے مطابق اولی الامر یقیناً معصوم ہے"۔ (تفسیر رازی ج۳ص ۳۵۷)

اور چونکہ قطعی طور پر رسول خداؐ نے اہلبیتؑ کی اطاعت کا حکم دیا ہے لہذا ان کی "عصمت" بھی ثابت ہے کیونکہ آیۃ ق۔۳ **وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى** ط ہ اور نہ وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں۔ ق۔۴ **اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى** ہ وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے۔ (نجم/۳) کی روس سے حکم پیغمبر عین حکم خدا ہے۔ ابن حجر مکی "**امنح المكية فی شرح القصيدة الهمزيه**" میں عصمت اہلبیتؑ کی طرف یوں اشارہ کرتے ہیں۔

"حدیث میں ہے "**انی تارک فیکم ما ان تمسکتم به لن تضلوا بعدی کتاب الله و عترتی**" لہذا اسی پر غور کرنا چاہیئے کہ عترت کو قرآن کا قرین و مصاحب قرار دیا ان دونوں کے ساتھ تمسک کو گمراہی سے محفوظ رہنے کا ذریعہ اور کمال تک پہونچنے کا سبب بتایا" اس بات کی طرف جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب "الاساس" کے خطبہ میں اشارہ کیا ہے وہ کہتے ہیں: "ساری تعریف اس ذات کے لئے ہے جس نے امت محمدیہ کو قرآن اور اپنے نبی کی عترت کے ساتھ تمسک کی صورت میں گمراہی سے بچنے کی بشارت دی اور آل نبی کو خاص فضائل و مناقب سے نوازا جنہیں احادیث صحیح بیان کرتی ہیں"

ابن حجر مکی "حدیث ثقلین" کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں

"اور منقول ہے کہ ان کو "ثقلین" اسی وجہ سے کہا کہ انکے حقوق کی رعایت امت پر واجب ہے اور جن لوگوں کی پیروی کی ترغیب دی گئی ہے وہ کتاب خدا اور سنت رسولؐ خدا سے آگاہ ہیں یہ یہ ایسے لوگ ہیں جو کتاب خدا سے کبھی جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر وارد ہوں اور اس کی تائید سابق روایت کرتی ہے جس میں حضرتؐ نے فرمایا کہ تم ان لوگوں کو سکھانا پڑھانا نہیں کہ یہ تم سے زیادہ جانتے ہیں کہ اس سے وہ دیگر تمام علماء امت سے امتیازی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ خدا نے ان سے ناپاکی کو دور اور ان کو ہر ایک رجس سے پاک رکھا ہے اور ان کو کرامات عظیمہ اور الطاف عالیہ سے مشرف فرمایا ہے بعض ایسی روایات کا ذکر پہلے کیا گیا"۔ (الصواعق المحرقہ ص ۹۰) یہی بات مولوی ولی اللہ دھلوی نے "مرآۃ المومنین" میں کہی ہے:

سندھی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں

"اس حدیث میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اہلبیت، قرآن کی طرح برحق ہیں اور کسی پر پوشیدہ نہیں ہے کہ وحی منزل کی طرح ہر طرح کی خطا و لغزش سے یہ محفوظ ہیں"۔ (دار اسات اللبیب ص ۲۴۳)

شہاب الدین دولت آبادی "ھدایۃ السعداء" میں لکھتے ہیں

"المصابیح اور مشکوۃ میں زید بن ارقم سے منقول ہے کہ رسول خدا نے فرمایا: **انی تارک فیکم ما ان تمسکتم بہ** یہ قرآن کے ساتھ اہلبیت کے ہونے کی دلیل ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ نزاع کے وقت تک ان کا ایمان زائل نہیں ہو سکتا"۔

﴿۱۵۔ حدیث ثقلین، اعلمیت اہلبیت کی دلیل﴾

اس حدیث میں رسالتمآبؐ نے قرآن اور اہلبیتؑ کو "ثقلین" سے تعبیر کیا ہے جو درج ذیل وجوہات کی بناء پر اہلبیتؑ کی اعلمیت کی دلیل ہے۔ ا۔ رسالت مہاب صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن اور اہلبیتؑ کو "ثقلین" سے یاد کیا ہے اور خود علماء اہلسنت نے اس تعبیر کو اہلبیتؑ کی اعلمیت کی علامت بتایا ہے۔

ابن حجر مکی "حدیث ثقلین" کو نقل کرنے کے بعد اس کی یوں وجہ تسمیہ بیان کرتے ہیں

"رسول خداؐ نے قرآن اور اہلبیت کو جو آپ کے قریب ترین رشتہ دار ہیں "ثقلین" سے یاد کیا ہے کیونکہ ہر نفیس اور محفوظ رکھنے والی شئی کو "ثقل" کہتے ہیں اور یہ دونوں میں سے ہر ایک علم لدنی کا معدن اور حکم علیہ اور احکام شرعیہ کا مخزن ہے اسی وجہ سے آنحضرتؐ نے ان کی پیروی کرنے، ان سے تمسک کرنے اور ان سے علم حاصل کرنے کی ترغیب دی اور فرمایا: شکر اس خدا کا جس نے ہم اہلبیت میں حکومت کو ودیعت فرمایا اور کہا گیا ہے کہ ان کو "ثقلین" اس وجہ سے فرمایا کہ ان کے حقوق کی رعایت امت پر واجب کر دی"۔ (الصواعق المحرقۃ ص ۹۰) اس عبارت سے واضح ہوا کہ چونکہ قرآن اور اہلبیتؑ میں سے ہر ایک علوم الدن کا معدن اور حکم شرعی کا مخزن ہے اس لئے ان پر "ثقلین" کا اطلاق ہوا اور جب قرآن کی طرح اہلبیتؑ علوم لدنی کا معدن ار حکم شرعی کا مخزن ہوئے تو یقیناً وہ اپنے ماسوا دوسروں سے اعلم ہوں گے۔ سمہو دی نے "جواھر العقدین" میں اسی سے ملتی جلتی عبارت میں "ثقلین" کی وجہ تسمیہ بیان کی ہے۔ زمخشری نے "الفائق" ج ا ص ۱۸۰ پر، قاری نے "المرقاۃ" ج ۵ ص ۵۹۳ پر، طیبی نے "الکاشف" میں، شیخ عبدالحق دہلوی نے "لمعاۃ شرح مشکوۃ" میں اور شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر خفاجی نے "نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض" میں ثقلین کی وجہ تسمیہ بیان کی ہے کہ "چونکہ دین و دنیا کی اصلاح ان دونوں کی وجہ ہے لہذا یہ ثقلین ہیں" کہ یہ وجہ تسمیہ بھی اہلبیتؑ کی اعلمیت کی دلیل ہے۔

۲۔ رسالتمآبؐ نے اپنے اہلبیتؑ کو قرآن کا قرین و مصاحب قرار دیا ہے اور یہی انکی اعلمیت کی دلیل ہے، اس لئے کہ قرآن علوم اور معارف الٰہی کا معدن و مخزن ہے لہٰذا امت پیغمبرؐ میں کوئی بھی قرآن کا مصاحب نہیں ہوسکتا مگر وہ اعلم الناس ہو، کیونکہ اعلم کے ہوتے ہوئے غیر اعلم کو قرآن کا قرین و مصاحب بنانا ظلم ہے کہ جس صفت سے نبیؐ کا منزہ ہونا واجب ہے۔

۳۔ رسالتمآبؐ نے اس حدیث میں امت کو اہلبیتؑ سے علم حاصل کرنے کا حکم دیا ہے اور آپ کا ایسا فرمانا اہلبیتؑ کی اعلمیت کا اعلان ہے، کیونکہ آپ کے اصحاب میں اگر کوئی ان سے زیادہ جاننے والا ہوتا تو پیغمبرؐ کو چاہئے تھا کہ اصحاب سے علم حاصل کرنے کو کہتے کیونکہ اعلم کے ہوتے ہوئے غیر اعلم کی طرف اخذ علم کے لئے لوگوں کی راہنمائی کرنا ظلم ہے اور ایسا کوئی بھی نہیں کرسکتا ہے چہ جائیکہ خیر الانام۔

جن علمائے اہلسنت نے اہلبیتؑ سے علم حاصل کرنے کی تصریح کی ہے ان میں چند یہ ہیں

تفتازانی نے "شرح المقاصد" میں، ابن حجر نے "الصواعق المحرقہ" سمہودی نے "وارسات اللبیب" میں اور ولی اللہ لکھنوی نے "مرآۃ المومنین" میں۔

۴۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ علوم پیغمبرؐ وراثت میں حضرت علی علیہ السلام تک منتقل ہوا تھا، اس بات کی سعید فرقانی نے (شرح قصیدۃ تائیہ فارضیہ) میں بھی تصریح کی ہے جو حضرت علی علیہ السلام کی اعلمیت کی دلیل ہے۔

۵۔ بعض روایتوں میں "حدیث ثقلین" کے یہ الفاظ ہیں "یہ دونوں کبھی جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہونچیں، اس کی ان دونوں کے لئے میں نے اپنے رب سے درخواست کی ہے، پس ان سے آگے نہ بڑھ جانا اور نہ ہلاک ہوجاؤ گے اور نہ ہی پیچھے رہ جانا اور نہ تب

بھی ہلاک ہو جاؤ گے اور انہیں کچھ سکھنا پڑھانا نہیں کیونکہ یہ تم سے زیادہ جاننے والے ہیں" عنقریب ان محدثین کے نام بیان کریں گے جنھوں نے مذکورہ عبارت کے ساتھ حدیث ثقلین کو نقل کیا ہے۔

قندوزی اس جملہ کے ساتھ حدیث ثقلین کو یوں نقل کرتے ہیں

"مناقب میں احمد بن سلام سے انہوں نے حزیفہ بن یمانی سے روایت کی ہے، حزیفہ کا کہنا ہے کہ ہم نے رسول اللہ کی اقتدار میں نماز ظہر پڑھی نماز کے بعد حضرتؐ نے ہم لوگوں کی طرف رخ کر کے فرمایا: اے میرے صحابیوں میں تمھیں تقوائے الٰہی اور اس کی اطاعت کی وصیت کرتا ہوں، میں عنقریب تم سے رخصت ہونے والا ہوں اور تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں کتاب خدا اور میری عترت واہلبیت اگر ان دونوں سے وابستہ رہے تو کبھی گمراہ نہیں ہوگے یہ دونوں سے وابستہ رہے تو کبھی گمراہ نہیں ہوگے یہ دونوں کبھی جدا نہ ہوں گے یہاں تک میرے پاس حوض کوثر پر پہونچیں گے ان سے تم پڑھنا انہیں پڑھانا نہیں کیونکہ یہ تم سے زیادہ جانتے ہیں"۔ (ینابیع المودۃ ص ۳۵) اس حدیث کو ان ہی الفاظ میں امام حسین علیہ السلام نے بھی نقل کیا ہے جس کو آئندہ بیان کریں گے۔

۶۔ رسالتمآب نے اہلبیتؑ کی اعلمیت کو ان الفاظ میں بھی بیان کیا ہے جس کو ابو نعیم اصفہانی نے "منقبۃ المطھرین" میں نقل کیا ہے: "میرے اہلبیت سے آگے نہ بڑھنا ورنہ تم بٹ جاؤ گے اور نہ پیچھے رہ جانا کہ اس صورت میں بھی گمراہ ہو جائے گے اور انہیں سکھانا پڑھانا نہیں کیونکہ وہ تم سے زیادہ جانتے ہیں اور یہ تمھیں نہ در ہدایت سے خارج کریں گے اور نہ ہی در ضلالت میں داخل کریں گے یہ بچپنے میں سب سے زیادہ جاننے والے اور بزرگی میں سب سے زیادہ بردبار ہیں"۔ اہلبیتؑ کی اعلمیت کی خود علماء اہلسنت نے تصریح کی ہے اور اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ قرآن کی طرح ان سے بھی تمسک کرنا اور ان سے حصول علم کرنا واجب ہے چنانچہ قاری بشرح "حدیث ثقلین" لکھتے ہیں: "میں کہتا

ہوں کہ یہ بات ظاہر ہے کہ اہلبیت تمام لوگوں سے زیادہ اپنے صاحب خانہ کے احوال سے باخبر ہوتے ہیں، لہذا یہاں اہلبیت سے مراد وہ افراد ہیں جو ان میں سب سے زیادہ آنحضرت کی سیرت سے واقف اور آپ کے طریقہ سے آگاہ اور آپ کے حکم و حکمت کے جاننے والے تھے اسی وجہ سے وہ کتاب خدا کے برابر قرار پائے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے "**ویعلمھم الکتاب والحکمۃ**"۔(المرقاۃ ج۵ص۶۰۰) یہی بات سمہودی نے "جواھر العقدین" میں، ابن حجر مکی نے "الصواعق المحرقۃ ص۹۰" پر مولوی ولی اللہ نے "مراۃ المومنین" میں اور عجیلی نے "ذخیرۃ المآل" میں کہی ہے۔

﴿۱۶۔ حدیث ثقلین، افضلیت اهلبیت کی دلیل﴾

حدیث ثقلین درج ذیل وجوہات کی بنا پر افضلیت اہلبیتؑ کو بیان کرتی ہے۔

۱۔رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں اپنے اہلبیت کو قرآن کا قرین و مصاحب قرار دیا ہے کہ یہی ان کی افضلیت کو بیان کررہی ہے، کیونکہ اگر کوئی اور قرآن کا قرین اور مصاحب ہونے کی صلاحیت رکھتا ہوتا تو حضرت جو "**اعدل خلق اللہ**" تھے تم اس کو مصاحب قرار دیتے چنانچہ تفتازانی "المقاصد" لکھتے ہیں: "عترت طاھرہ کو اس لئے فضلیت دی کہ وہ پرچم ہدایت اور پیروان رسالت ہیں۔ اس بات کی طرف حضرتؐ نے یہ کہہ کر اشارہ فرمایا کہ گمراہی سے بچنے کے لئے قرآن کے ساتھ ساتھ ان کے بھی دامن سے وابستہ ہونا ضروری ہے"

شہاب الدین دولت آبادی "ہدایۃ السعداء" میں اس بات کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں "حضرت نے "کتاب اللہ و عترتی" میں عترت کو کتاب اللہ پر عطف کیا ہے اور شیخ

امام عبدالقاہر جرجانی کے بقول دو چیزوں کو ایک حکم میں جمع کرنے کا نام عطف ہے اور یہ عموماً "واو" کے ذریعہ ہوتا ہے جو مطلق جمع پر دلالت کرتا ہے یعنی معطوف اور معطوف علیہ کو ایک ہی حکم میں جمع کرتا ہے خواہ وہ حکم اثبات میں ہو یا نفی میں بلکہ اور معطوف علیہ کو ایک ہی حکم میں جمع کرتا ہے خواہ وہ حکم اثبات میں ہو یا نفی میں، بلکہ سارے اہل لغت اور امامان فتویٰ کا یہی نظریہ ہے "

۲۔ رسالتمآبؐ نے قرآن اور عترتؑ کو " ثقلین " سے تعبیر کیا یہ تعبیر ہی ان کی عظمت و بزرگی اور مقام علو کو بیان کرتی ہے۔ "ہر نفیس اور محفوظ رکھنے والی چیز کو ثقل کہتے ہیں حضرتؐ نے ان دونوں (قرآن اور اہلبیت) کی قدر و منزلت بیان کرنے کے لئے انہیں " ثقلین " کہا ہے "۔ ازہری نے "تہذیب اللغۃ " میں، ثعلبی نے "الکشف البیان " میں، بغوی "معالم التنزیل " ج ۷ ص ۶ پر، ابن اثیر نے " جامع الاصول " میں، نووی نے "المنھاج " ج ۹ ص ۳۶۶ پر، ابن منظور نے "لسان العرب " میں، خازن نے اپنی تفسیر ج ۷ ص ۶ پر، ابوحیان نے "البحر المحیط " ج ۸ ص ۱۹۴ پر، فیروزی آبادی نے "لقاموس " میں، سیوطی نے "التیسیر " میں، ابن خلف نے "اکمال الاکمال " میں، سنوسی نے " مکمل الاکمال " میں، "قسطلانی " نے "المواہب اللدنیہ " میں، زرقانی نے "شرح المواھب " ض ۷ ص ۶ پر، ابن حجر مکی نے "الصواعق المحرقہ " ص ۹۰ پر، سبط ابن جوزی نے "تذکرۃ الخواص " ص ۳۲۳ پر، گنجی نے " کفایۃ الطالب " ص ۷۷ پر ان کے علاوہ اوروں نے بھی ثقلین کی یہی وجہ تسمیہ بیان کی ہے۔

۳۔ رسالتمآبؐ نے جس طرح قرآن کے ساتھ تمسک کا حکم دیا ہے اسی طرح اہلبیتؑ کے ساتھ بھی وابستہ رہنے کو کہا ہے اور دونوں کے ساتھ تمسک کرنے کو ایک ردیف میں بیان کیا ہے۔ اگر کوئی اہلبیتؑ سے افضل ہوتا تو یقیناً حضرتؐ قرآن کے ساتھ اس سے وابستہ رہنے کو کہتے تاکہ افضل کے

ہوتے ہوئے ترجیح مفضول نہ ہونے پائے۔

۵۔ رسالتمآبؐ نے اس حدیث میں قرآن اور اہلبیتؑ کے بارے میں فرمایا: "لن یفترقا حتی یردا علی الحوض" یعنی یہ دونوں کبھی جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہونچیں، اس جملہ کے بارے میں اعاظم علمائے اہلسنت نے تصریح کی ہے کہ قرآن اور اہلبیتؑ فضل وشرف کے لحاظ سے جدا نہیں ہوں گے، ملاحظہ کیجئے دولت آبادی کی "ھدایۃ السعداء"

۶۔ مذکورہ بالا فضائل کے علاوہ اس حدیث میں اور بھی دلائل وشواہد موجود ہیں جو بتاتے ہیں کہ رسالت مآب ﷺ کی تعظیم وتوقیر کا حکم دیا ہے چنانچہ کاشفی اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں: حضرتؐ نے فرمایا: اور دوسرے میرے اہلبیت ہیں، میں تمہیں اہلبیت کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں اور اس جملہ کی تین بار تکرار اہلبیت کی تعظیم، ان سے محبت اور ان کی متابعت کی واضح دلیل ہے۔ (الرسالۃ العلیہ ص ۴۰)

سمہودی "حدیث ثقلین" کو نقل کرنے کے بعد اپنی پانچویں تنبیہ میں لکھتے ہیں

"مذکورہ حدیثیں اہلبیت کے ساتھ تمسک کرنے اور ان کے احترام کرنے کی ترغیب دلا رہی ہیں اس وجہ سے اکثر روایتوں کے مطابق غدیر خم میں، صحیح ترمذی میں موجود جناب جابر کی روایت کے مطابق عرفہ کے دن، عبد الرحمٰن بن عوف کی روایت کے مطابق طائف میں اور ام سلمیٰ کی روایت کی رو سے مرض موت میں جب آپ کا حجرہ اصحاب سے بھرا ہوا تھا، اس حدیث کو حضرتؐ نے ارشاد فرمایا: بلکہ ابن عمر کی سابقہ روایت کے مطابق آنحضرتؐ کا آخری کلام بہ حسب اختلاف الفاظ درروایت یہ تھا، میرے بعد میرے اہلبیت کے ساتھ حسن سلوک کرنا، دیکھو میرے بعد ان کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہو، میں تم لوگوں سے سوال کروں گا کہ کتاب خدا اور میرے اہلبیت کے ساتھ کیسا سلوک کیا، ان دونوں کی نصرت کرنے والا میری نصرت کرنے والا اور ان دونوں کو پیٹھ دکھانے والا مجھے پیٹھ دکھانے والا ہے۔

تم کو اپنی عترت کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی وصیت کرتا ہوں اور تمہیں اہلبیت کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں اور عبداللہ بن زید نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا: جو ان (اہلبیت) کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرے گا اس کی عمر کوتاہ ہوگی اور قیامت کے دن وہ میرے پاس روسیاہ آئے گا، اور دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا: قیامت کے دن میں تم سے ان (اہلبیتؑ) کی طرف سے مخاصمہ کروں گا، اور جس سے میں مخاصمہ کروں گا اس پر نفرین کروں گا اور جس پر میں نفرین کروں گا وہ داخل جہنم ہوگا، کیا اس سے بھی بڑھ کر ترغیب وتشویق ہو سکتی ہے؟ خدا اپنے نبی کو اپنی امت اور اہلبیت پیغمبر کی طرف سے ایسی بہترین جزا عنایت کرے کہ ویسی کسی نبی اور رسول کو نہ دی ہو"۔ (جواہر العقدین ج۲ص۱۱۶)

فضل ابن روزبہان "شرح رسالہ اعتقادیہ" میں لکھتے ہیں

"(**متن رسالئه اعتقادیه**) اس بات کا اعتقاد رکھنا چاہیے کہ آل پیغمبرؐ واجب التعظیم اور لازم الاقتداء ہیں، (شرح روزبہان) میں کہتا ہوں کہ حدیث صحیحہ کی روشنی میں ایسا اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ انہی احادیث میں حجۃ الوداع میں حضرتؐ کا وہ خطبہ ہے جس میں آپ نے فرمایا: **یا ایها الناس! انی تارک فیکم الثقلین کتاب الله و عترتی تمسکتم بهما لن تضلوا بعد**...... اور دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا **اذکر کم الله فی اهلبیتی** اور اس جملہ کی تین بار تکرار فرمائی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلبیت کی تعظیم ومحبت واجب اور ان کے حقوق کی رعایت لازم ہے"۔ اسی سے ملتی جلتی باتیں قاری نے "المرقاۃ" ج۵ص۵۹۴ پر، مناوی نے "فیض القدیر" ج۲ص۱۴۷ پر، خفاجی نے "نسیم الریاض" ج۳ص۴۱۰ پر، عزیزی نے "السراج المنیر" ج۱ص۳۰۲ پر، عبدالحق دہلوی نے "اشعة اللمعات فی شرح المشکوٰۃ" ج۴ص۶۷۷

پر، زرقانی نے "شرح المواھب اللدنیہ" ج ۷ ص ۵ پر، صدیق حسن نے "السراج الوھاج فی شرح مسلم بن حجاج" میں، ان کے علاوہ دیگر مشاہیر نے اپنی کتابوں میں تحریر کی ہیں۔

۷۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسالتمآب نے قرآن اور عترت کو ایک دوسرے کا قرین و مصاحب قرار دیا ہے، اور امت کو ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور ان کے حقوق کو خود امت کے حقوق پر ترجیح دینے کی وصیت کی ہے، کہ یہ بات اہلبیتؑ کی خلافت مطلقہ، امامت کبریٰ اور عصمت کاملہ کی علامت اور بدیہی طور پر ان کی افضلیت قطعیہ کی نشانی ہے، اور اہلبیتؑ کے بارے میں حضرتؐ کی وصیت کا لب ولہجہ ویسا ہی ہے جیسے دلسوز اور شفیق باپ کا بیٹے کے سلسلے میں ہوتا ہے، ملاحظہ کیجئے علمائے اہلسنت کے اعترافات۔

حسن بن محمد عبداللہ طیبی "الکاشف شرح المشکوٰۃ" میں زید بن ارقم سے مروی "حدیث ثقلین" کی تشریح میں لکھتے ہیں

"**انی تارک فیکم** ..... "اشارہ ہے اس کی طرف کہ دونوں کی طرف کہ یہ دونوں رسولؐ خدا کی ایسی امانتیں ہیں جو ایک دوسرے کے قرین و مصاحب ہیں، حضرتؐ نے ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی ویسی ہی وصیت کی ہے جس طرح پدر مہربان اپنی اولاد کے بارے میں وصیت کرتا ہے، فصل اول میں بیان شدہ حدیث" میں تمہیں اہلبیت کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں" اس بات کی تائید کرتی ہے، جیسے ایک شفیق بات اپنی اولاد کے بارے میں کہتا ہے "تمہیں اپنی اولاد کے بارے میں خدا کو واسطہ بناتا ہوں" یہی بات مناوی نے "فیض القدیر" ج ۳ ص ۱۵ پر، قاری نے "المرقاۃ شرح المشکوٰۃ" ج ۵ ص ۶۰۰ اور زرقانی نے "شرح المواھب

اللدنیہ" میں کہی ہے۔

۸۔اس حدیث میں رسالتمابؐ نے اہلبیتؑ کو اپنا جانشین بتایا ہے، جو ان کی امامت و خلافت اور افضلیت پر واضح دلیل ہے، اس بات کی تصریح خود علمائے اہلسنت نے کی ہے، ملاحظہ کیجئے: نظام نیشاپوری اپنی تفسیر میں آیۃ "**وکیف تکفرون وانتم تتلیٰ علیکم آیات اللہ وفیکم رسول اللہ**" کے ذیل میں لکھتے ہیں: "آیت میں "**کیف تکفرون**" استفہام ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ کس طرح تم نے کفر اختیار کرلیا جب کہ ہر اہم موقع پر رسولؐ خدا کی زبانی آیات الٰہی کی تلاوہ ہوتی ہے اور تمہارے پاس ایسا رسولؐ ہے جو ہر طرح کے شک وشبہ کو بیان کر کے اس کا جواب دیتا ہے اور اس شبہ کو دور کرتا ہے...... میں کہتا ہوں کہ کتاب خدا تو قیامت تک باقی ہے، لیکن نبی جو ظاہری طور پر ہمارے درمیان تو نہیں ہے، لیکن اس کا نور مومنین کے درمیان باقی ہے، گویا کو نبی، مومنین کے درمیان، اس کے علاوہ خود آپ کی عترت جو آپ کی وارث اور آپ کے قائم مقام ہے اسی لئے حضرت نے فرمایا: انی تارک فیکم الثقلین.......۔(غرائب القرآن ج۱ص ۳۴۷) ابن حجر مکی "الصواعق المحرقہ" میں اور سمہودی نے "جواہر العقدین" میں اسی سے ملتی جلتی باتیں کہی ہیں۔

عجیلی "ذخیرۃ المآل" میں لکھتے ہیں

"جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ رسولؐ خدا آیات الٰہی سے (کہ جن میں قرآن بھی ہے) افضل ہیں، تو پھر اس فضیلت میں آپ کی آل جنہیں اللہ نے منتخب کیا اور انہیں ولایت وارثت ومقام ابراہیمی عنایت کیا، بھی داخل ہیں، کیونکہ بہت سے امور ہیں جن میں یہ حضرت کے شریک ہیں، اسی بات کی طرف خود آنحضرتؐ نے بھی اسی طرح اشارہ کیا ہے کہ "پروردگارا یہ (اہلبیتؑ) مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں" نیز فرمایا "کوئی بندہ، مومن ہو ہی نہیں سکتا مگر یہ کہ مجھ سے محبت کرے، اور کوئی مجھ سے محبت کر ہی نہیں سکتا مگر یہ کہ

میرے نزدیکی رشتہ داروں سے محبت کرے" نیز فرمایا: **انی تارک فیکم** ان سب کے علاوہ واقعہ مباہلہ، اہلبیت کا حضرتؐ کے ساتھ چادر میں آنا اور پھر حضرتؐ کا اپنے لئے اور اہلبیتؑ کے لئے صلوٰۃ ورحمت و برکت ومغفرت کی خدا سے دعا مانگنا یہ سب ان کی عزت وتعظیم اور شان وشوکت کی حکایت کرتی ہیں، کیونکہ حضرتؐ نے انہیں بالکل اپنا جیسا کہا ہے، اور حضرت کی اس حدیث "**فاطمة بضعة معنی**" کے بارے میں بیہقی کا بیان ہے کہ یہ حدیث اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ جس نے فاطمہ کو برا کہا وہ کافر ہوا، اور جس نے فاطمہ پر صلوٰۃ بھیجی گویا ان کے والد بزرگوار پر صلوٰۃ بھیجی، اس سے استنباط ہوتا ہے کہ ان کی اولادیں بھی ان ہی جیسی ہیں، کیونکہ وہ سب فاطمہ ہی کا ٹکڑا ہیں۔

نیز حضرتؐ نے فرمایا: علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں، علی مجھ سے ایسے ہی ہے جیسے میں اپنے پروردگار سے ہوں، جس نے علی کو غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا، جس نے علی کو چھوڑا اس نے مجھے چھوڑا، علی مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں وہ میری طینت سے خلق ہوا اور میں طینت ابراہیم سے خلق ہوا لیکن میں ابراہیم سے افضل ہوں، حسن مجھ سے ہے اور حسین علی سے، اس کے علاوہ اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں جو رسالتماب سے اہلبیت کے ملحق ہونے کی نشاندہی اور ان کے ہم نفس رسول ہونے کو بتاتی ہیں، اور عقل کہتی ہے کہ شاخ کو جڑ سے جدا کرنا شی، کو اصل سے جدا کرنا ہے جو ناممکن بلکہ محال ہے، اور یہ اتصال والحاق مخصوص ہے حضرت کی عترت سے کیونکہ حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ہر نسب وسبب منقطع ہو جائے گا، جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا"

۹۔ اس حدیث سے اہلبیتؑ کی افضلیت اس طرح آشکار ہے کہ بعض علمائے اہلسنت نے دوسری حدیثوں کی شرح میں اس کی مدد لی ہے، چنانچہ قاضی ابوالمحاسن حنفی اپنی کتاب "**المعتصر من المختصر**" میں حدیث "فی الستۃ الملعونین" کی شرح میں لکھتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چھ طرح کے لوگوں پر میں بھی لعنت بھیجتا ہوں، قرآن کی آیتوں میں اضافہ کرنے والا، قدر خدا کی

تکذیب کرنے والا، جس کو خدا نے عزت دی ہے طاقت کے زور پر اس کو ذلیل کرنے والا اور جس کو اس نے ذلیل کیا ہے اس کو عزت دینے والا، میری سنت کو ترک کرنے والا، حرام خدا کو حلال کرنے والا اور جس چیز کو خدا نے میری عترت کے لئے حرام قرار دیا اس کو حلال کرنے والا....... عترت سے مراد آپ کے اہلبیت ہیں جو دین اور ہدایت میں آپ سے وابستہ ہیں، اور مروی ہے کہ حضرتؐ نے مکہ اور مدینہ کے درمیان اس تالاب پر جو خم کہلاتا تھا خطبہ دیا اور حمد وثنائے الٰہی کے بعد ارشاد فرمایا: اے لوگو! میں اپنے پروردگار کے پیامبر (ملک الموت) کا منتظر ہوں کہ وہ آئے اور اسکی آواز پر لبیک کہوں، میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔

ایک کتاب خدا جس میں نور ہدایت ہے لہذا خدا کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو اور اس سے وابستہ رہو، پھر فرمایا: دوسرے میرے اہلبیت، میں تمھیں اہلبیت کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں، پس جس نے حضرتؐ کی عترت کو اس مقام سے نیچے اتارا جس کو خدا نے زبان پیغمبر سے بیان کیا، اس نے انہیں ان افرد کی صف میں کھڑا کر دیا جو حضرتؐ کی عترت واہلبیت میں نہیں ہیں اور ایسا شخص ملعون ہے "صاحب "معتصر" کے اس جملہ" **والمستحیل من عترتی ماحرم اللہ عزو جل** " کی تشریح سے درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں، ۱۔عترت کے معنی رسالتمآبؐ کے اہلبیت بتائے جو آنحضرتؐ کے دین پر تھے اور آنحضرتؐ کی سیرت سے وابستہ تھے ۲۔اپنی بات کی تائید حدیث ثقلین سے کی ۳۔اہلبیت کو ان کے مرتبے سے گھٹانے والا ملعون ہے، کہ یہ دوسروں پر اہلبیت کی افضلیت کی دلیل ہے۔

۱۰۔عبداللہ ابن عباس جنہیں حضرات اہلسنت جلیل القدر صحابی، مفسر کامل قرآن کہتے ہیں ان کی نظر میں "حدیث ثقلین افضلیت علیؑ پر دلالت کرتی ہے، اس لئے کہ جب ان سے حضرت علیؑ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے اس فضیلت کو دوسرے فضائل پر مقدم رکھا، چنانچہ خوارزمی اپنی سند

سے مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ: "ابن عباس سے کسی نے پوچھا آپ علی بن ابی طالب کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا خدا کی قسم تم نے " ثقلین" میں سے ایک " ثقل" کے بارے میں سوال کیا ہے، یہ وہی ہیں جنہوں نے اقرار شہادت میں دوسروں پر سبقت کیا، دو قبلوں کی طرف نماز پڑھی، دو مرتبہ بیعت کی، دو تلواریں انہیں عطا ہوئیں، سبطین حسن و حسین کے باپ ہیں، ان کے لئے دو مرتبہ سورج پلٹا، امت میں ان کی مثال ذوالقرنین جیسی ہے...... اور وہ میرے اور تمہارے مولا علی بن ابی طالب ہیں (مناقب خوارزمی ص ۲۳۶) اسی روایت کو شیخ سلیمان حنفی قندوزی نے "ینابیع المودۃ" باب ۷۴ ص ۱۳۹ پر نقل کیا ہے، پس یہ حدیث افضلیت حضرت علیؑ کو ثابت کر رہی اور افضلیت موجب امامت و خلافت ہے، پس کس طرح محدث (دہلوی) نے کہدیا کہ یہ حدیث شیعوں کے مدعی کو ثابت نہیں کرتی۔

﴿۱۷﴾ حدیث ثقلین اور حدیث ولایت کا بیان ایک ساتھ

رسالتمآبؐ سے مروی بہت سی روایتوں میں ہے کہ حضرتؐ نے غدیر کے دن حدیث "**من کنت مولاہ فعلی مولا**" کے بعد یا اس سے پہلے "حدیث ثقلین" بیان فرمائی تھی، اور "عبقات الانوار" حدیث غدیر میں ثابت کیا ہے کہ حدیث غدیر حضرت علیؑ کی امامت و خلافت پر واضح دلیل ہے، پس کس طرح مخاطب کی بات تسلیم کی جا سکتی ہے کہ "حدیث ثقلین" کا اصل مدعا سے کوئی ربط نہیں ہے؟ میں اپنی بات کی تائید میں چند روایتیں ہدیۂ قارئین کر رہا ہوں۔ ملا متقی ھندی نے "کنز العمال" میں اس حدیث کی ایک جماعت سے روایت کی ہے کہ: "حضرت علی سے مروی ہے کہ رسولؐ خدا "خم" میں ایک درخت کے پاس قیام پذیر ہوئے پھر علی کا ہاتھ پکڑے ہوئے خیمہ سے باہر تشریف لائے اور فرمایا: اے لوگو! کیا گواہی نہیں دیتے کہ خدا اور اس کا رسول تم پر خود تم سے زیادہ حق تصرف رکھتے ہیں اور خدا اور اس کا رسول تمہارے مولا ہیں؟ سب نے ہم آواز ہو کر کہا بے شک ایسا ہی

ہے، فرمایا: جس کا خدا اور اس کا رسول مولا ہیں اس کا یہ (علی) بھی مولا ہے، میں تم میں ایسی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر تم ان سے وابستہ رہے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے، ایک کتاب خدا جس کا ایک سرا خدا کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا سرا تمہارے ہاتھوں میں ہے اور دوسرے میرے اہلبیت اس حدیث کو ابن جریر، ابن ابی عاصم اور محاملی نے اپنی "صحیح" میں نقل کیا ہے، اور اس کو صحیح کہا ہے"۔

ملا متقی ھندی نے "کنز العمال" ج ا ص ۱۶۸ پر اس حدیث کی دوسرے الفاظ میں حکیم طبرانی کے حوالے سے ابوالطفیلی سے اور انہوں نے حذیفہ بن اسید سے روایت کی ہے یہی حدیث "تاریخ ابن کثیر" ج ۵ ص ۲۰۹ پر موجود ہے، نیز سخاوی نے "استجلاف ارتقا الغرف" میں، سمہودی نے "جواہر العقدین" میں، محدث شیرازی نے "الاربعین" میں، باکثیر نے "وسیلۃ المآل" میں، قادری نے "الصراط السوی" میں اور قندوزی نے "ینابیع" ص ۷ پر نقل کیا ہے۔ ابن حجر مکی نے "صواعق المحرقہ" ص ۲۵ پر طبرانی سے اس حدیث کو نقل کرنے کے اس کے صحیح ہونے کی تائید کی ہے، اسی طرح سہارنپوری نے "المرافض" میں، بدخشانی "مفتاح النجا" میں اور طبرانی نے صحت سند کی تائید کرتے ہوئے اپنی "المعجم الکبیر" میں ذکر ہے، اور طبرانی حکیم نے بدخشانی نے نزل الابرار میں نقل کیا ہے اور ان دونوں سے محمد صدر عالم نے اپنی کتاب میں روایت کی ہے اور اس کی سند کو "صحیح" بتایا ہے، یہ حدیث "ذخیرۃ المآل" اور مراۃ المومنین" میں بھی موجود ہے۔

حسن زمان نے "القول المستحسن" میں طبرانی اور حکیم کی روایت نقل کرنے کے بعد کہا ہے

"اس حدیث میں "حدیث موالاۃ" کے بعد "ثقلین" کی پیروی کی ترغیب و تشویق ہوئی ہے، نیز ابن راہویہ، ابن جریر، ابن ابی عاصم، محاملی اور طحاوی نے بہ اسناد صحیح اس کی روایت کی ہے"۔

سہودی نے ایک ہی جیسی دو حدیثیں عامر بن لیلی بن ضمرہ اور حذیفہ بن اسید سے نقل کی ہیں، وہ لکھتے ہیں

"عامر بن لیلی اور حذیفہ بن اسید کہتے ہیں کہ جب رسولؐ خدا حجۃ الوداع سے واپس ہوئے (پھر کوئی حج نہیں کیا) اور جحفہ پہونچے تو اپنے ہمراہیوں کو درختوں کے نیچے خیمے لگانے سے منع کیا، جب سب درختوں کو چھوڑ کر خیمے لگا چکے تو درختوں کے نیچے کی زمین کو خش وخاشاک سے صاف کرنے کے لئے کچھ لوگ بھیجے اور انہوں نے لوگوں کے سروں کے اوپر سے شاخوں کو چھانٹا، پھر نماز کی منادی کی گئی، آپ نے ظہر کے وقت ان درختوں کے نیچے نماز پڑھی، پھر لوگوں کی طرف رخ کر کے خطبہ دیا، "یہ روز غدیر خم" تھا، "خم" جہاں اب مشہور مسجد ہے، جحفہ کے نزدیک ہے، آپ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا: بہ تحقیق مجھے خداوند لطیف وخبیر نے خبر دی ہے کہ ہر ایک نبی کی عمر اس کے پہلے نبی کی عمر سے نصف ہوتی ہے، عنقریب ہی مجھے پیغام اجل ملنے والا ہے اور میں اس پر لبیک کہوں گا، مجھ سے سوال کیا جائے گا اور تم سے بھی کہ کیا میں نے پیغام رسالت پہونچا دیا، تم کیا جواب دو گے، انہوں نے جواب دیا ہم کہیں گے کہ آپ نے پیغام پہنچادیا، کوشش بلیغ کی اور ہمیں نصیحت کی خدا آپ کو جزاء خیر دے، پھر حضرتؐ نے فرمایا: کیا تم گواہی دیتے ہو کے خدا ایک ہے، محمدؐ اس کا بندہ اور رسول ہے، جنت و جہنم اور نشر بعد الموت حق ہیں، سب نے ہم آواز ہو کر کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ یہ سب حق ہیں، آپ نے فرمایا: خداوند گواہ رہنا، پھر فرمایا: لوگو! خوب اچھی طرح سنو، خدا میرا مولا ہے اور میں تمہارے مولا اور تم پر خود تم سے زیادہ حق تصرف رکھتا ہوں۔

دیکھوں جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ (علیؑ) مولا ہے، پھر حضرتؐ نے علی کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا یہاں تک سبھی نے اچھی طرح دیکھ لیا اور پھر فرمایا: خدایا دوست رکھ اس کو جو اس (علیؑ) رکھے اور دشمن رکھ اس کو جو

اس (علیؑ) کو دشمن رکھے، پھر فرمایا: لوگو! اس حوض کی چوڑائی بصرہ سے صنعاء تک کی ہے، اس کے ارد گرد ستاروں کے مانند چاندی کے کاسے ہیں، جب تم میرے پاس حوض کوثر پر پہونچو گے تو میں تم سے "ثقلین" کے بارے میں سوال کروں گا، پس دیکھو ان دونوں کے ساتھ تم کیسا سلوک کرتے ہو اصحاب نے دریافت کیا یارسول اللہ وہ دو ثقل (ثقلین) کون ہیں؟ جواب دیا: ثقل اکبر کتاب خدا ہے جس کا ایک سرا خدا کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا تم لوگوں کے ہاتھوں میں، پس اس کو مضبوطی سے پکڑو تا کہ گمراہ نہ ہوا اور اس میں تبدیلی نہ کرنا، آگاہ ہو جاؤ! اور دوسرے میری عترت واہلبیت ہیں، اس لئے کہ خداوند لطیف وخبیر نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ دونوں کبھی جدا نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہونچیں اس حدیث کو ابن عقیدہ نے "الموالاۃ" میں عبداللہ بن سنان کے طریق سے ابو الطفیل سے نقل کیا ہے، اور ابن عقدہ کے طریقے سے ابن موسیٰ مدینی نے "الصحابہ" میں اس کو بیان کیا ہے اور اس کو غریب بتایا ہے اور ابو الفتوح عجلی نے اپنی کتاب "الموجز فی فضائل الخلفاء" میں نقل کیا"۔ (جواہر العقدین ج ۲ ص ۸۴۔۸۳)

یہ حدیث "اسد الغابہ" ج ۳ ص ۹۲ پر، استجلاب ارتقاء الغرف میں اور "وسیلۃ النجاۃ" میں بھی موجود ہے۔ سخاوی نے "استجلاب ارتقاء الغرف" میں "حدیث ثقلین" کے بارے میں صحابہ نے حضرت علیؑ کے استشہاد کو نقل کیا ہے، جس میں حضرت علیؑ کے استشہاد پر سترہ صحابیوں نے گواہی دی تھی کہ حضرت نے "حدیث غدیر" بھی ارشاد فرمائی تھی اور "حدیث ثقلین" بھی، جس کو حضرت علیؑ نے سن کر فرمایا تھا "تم نے صحیح کہا ہے میں بھی اس کی شہادت دیتا ہوں" ان کی عبارت بحث سند میں بیان ہو چکی ہے، اور اسی روایت کو ابن اثیر نے "اسد الغابہ" ج ۵ ص ۲۷۶ پر، ابن حجر عسقلانی نے "الاصابہ" ج ۴ ص ۱۵۹ پر، سمہودی نے "جواہر العقدین" میں، سخاوی نے "استجلاب ارتقاء الغرف" میں ام سلمٰی سے، ابن کثیر نے "وسیلۃ المآل" میں، شیخ قندوزی نے "ینابیع المودۃ" ص ۴۰ پر، قندوزی ہی نے جابر بن عبداللہ انصاری سے "ینابیع المودۃ" ص ۴۱ پر نقل کیا ہے۔

حاکم نے اپنی اسناد سے ابوطفیل کے توسط سے زید بن ارقم سے روایت کی ہے کہ

" مکہ اور مدینہ کے درمیان بڑے درختوں کے پاس پیغمبرؐ اسلام ٹھہرے، لوگوں نے درختوں کے نیچے کی جگہ صاف کی، تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد حضرتؐ نے نماز پڑھی، پھر خطبہ ارشاد فرمایا اور حمد و ثنائے الٰہی اور وعظ و نصیحت کے بعد ارشاد فرمایا: اے لوگو! میں تم میں ایسی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر ان کی پیروی کی تو کبھی گمراہ نہیں ہوگے، کتاب خدا اور میری عترت و اہلبیت، اس کے بعد آپ نے تین مرتبہ فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ میں مومنین کے نفوس پر خود ان سے زیادہ حق تصرف رکھتا ہوں؟ سب نے ہم آواز ہو کر کہا بیشک ایسا ہی ہے، تب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے۔(المستدرک علی الصحیحین ج۳ ص۱۱۰)

اس حدیث کو اسی سیاق میں طبرانی اور حاکم سے بہت علمائے اہلسنت نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے، جن میں چند یہ ہیں: ابنہ مغازلی کی "المناقب" ص۱۸_۱۶، "تاریخ یعقوبی" ج۲ص۱۰۲، "سیرۂ حلبیہ" ج۲ص۳۳۶، ابن صباغ کی "الفصول المہمہ" ص۲۳، شیخ عبدالحق دہلوی کی "مدارج النبوۃ" ج۲ص۵۲۰، جمال الدین محدث کی "روضۃ الاحباب" عبدالرحمٰن کی "مراۃ الاسرار" حسام الدین سہارنپوری کی "مرافض" واضح رہے کہ "حدیث ثقلین" کا تناسب "حدیث غدیر" کے ساتھ اتنا روشن ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی علمائے اہلسنت نے ان دونوں حدیثوں سے حضرت علیؑ کی پیروی پر احتجاج و استدلال کیا ہے۔

ابن حجر مکی "حدیث ثقلین" کو نقل

کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"چند احادیث میں اہلبیت کے ساتھ تمسک کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان سے ثابت ہوتا ہے کہ ان میں سے ایسے لوگوں جو تمسک کے اہل ہیں قیامت تک باقی رہیں، جس طرح کہ کتاب خدا قیامت تک باقی رہے گی، اسی لئے حدیث میں ہے کہ اہلبیت امان ہیں اہل زمین کے لئے اور اس پر یہ حدیث شاھد ہے کہ ہر زمانہ میں میری امت میں میرے اہلبیت کے عادل افراد ہوں گے اور ظاہر ہے کہ ان میں سب سے زیادہ تمسک کے حقدار ان کے امام و عالم علی بن ابی طالب کرم اللہ وجھہ ہیں، کیونکہ ان کا علم و دقائق مستنباط ان سب سے زیادہ ہے، چنانچہ ابوبکر کہتے تھے علی عترت رسول ہیں، یعنی جن لوگوں سے تمسک کا حکم دیا گیا ہے، ان میں علی کو ابوبکر نے عترت و اہلبیت سے مخصوص کیا ہے، اسی طرح آنحضرتؐ نے غدیر خم میں ان سب میں علی کو مخصوص کیا تھا"۔ (الصواعق المحرقہ ص ۹۰)

احمد بن فضل بن محمد مکی "وسیلۃ المآل" میں معقل بن یسار سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوبکر کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ علی، عترت رسول ہیں، یعنی ان لوگوں میں سے ہیں جن کے ساتھ تمسک اور جن کی اطاعت کی رسولؐ خدا نے امت کو ہدایت کی ہے، اور امت سے ان کے لئے اقرار کرلیا ہے، کیونکہ وہ لوگ (عترت رسول) ہدایت کے ستارے ہیں، جس نے ان کی پیروی کی ہدایت پائی، ابوبکر نے علی کو اس سے اس لئے مخصوص کیا کہ وہ اس سلسلے میں امام اور شہر علم و عرفان کے دروازہ ہیں، وہ اماموں کے امام اور امت کے عالم ہیں، اس امر کے لئے رسولؐ خدا نے علی کو روز غدیر مخصوص کیا جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا، حقیقت یہ ہے کہ "حدیث غدیر" بالکل صحیح ہے، اس کی صحت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے، اس حدیث کو صحابہ کی کثیر تعداد نے نقل کیا ہے، اور اس کو حجۃ الوداع کی وجہ سے شہرت ہوگئی ہے "سمھودی نے "جواہر العقدین" میں، عجیلی نے "ذخیرۃ المآل" میں اس شعر:

وانی الغفار لمن تاب .... قد اھتدی ابی ولا الحسن کی شرح

میں "حدیث ثقلین" کے متعلق "صواعق محرقہ" سے ابن حجر مکی کی عبارت نقل کی ہے۔

﴿۸۱۔ حدیث ثقلین، حدیث ولایت اور حدیث منزلت کا بیان ایک ساتھ﴾

بعض اکابر علمائے اہلسنت نے اعتراف کیا ہے کہ رسالتمآب نے غدیر کے دن "حدیث ثقلین" کے ساتھ حدیث "**من کنت مولاہ فعلی مولاہ**" اور "**انت منی بمنزلة ھارون من موسی**" ارشاد فرمائی تھی، چنانچہ ابن حجر مکی "الفتاویٰ الفقھیہ الکبریٰ" میں تحریر کرتے ہیں: "آنحضرت مکہ سے مدینہ کی طرف پلٹ رہے تھے کہ غدیر خم کے نزدیک "رابغ" پہونچے، حضرتؐ نے سب کو جمع ہونے کا حکم دیا اور پھر خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں قرآن اور اہلبیت کے ساتھ تمسک کرنے کی وصیت کی، اور (حضرت) علی کے بارے میں فرمایا "**من کنت مولاہ فعلی مولا**" (یعنی جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے) اور علی سے مخاطب ہو کر فرمایا "**انت منی بمنزلة ھارون من موسی الا انه لا نبی بعدی**" "یعنی تمہاری مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے ہے سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا"۔ (الفتاوی الفقھیہ الکبری ج ۲ ص ۱۲۲) چونکہ مذکورہ "حدیث ولایت" اور "حدیث منزلت" حضرت علیؑ کی امامت اور خلافت بلافصل پر دلالت کرتی ہیں، لہذا "حدیث ثقلین" بھی حضرت علیؑ کی امامت وخلافت پر دلالت کرے گی، کیونکہ سیاق کلام ایک ہے اور متکلمین ومحدثین ومفسرین سیاق کلام سے ایک ہی نتیجہ اخذ کرتے ہیں، سمہودی نے "جواہر العقدین" میں "آیۃ مودۃ" کے سلسلے میں اور ثعلبی نے آیۃ "**ولقد آتیناک سبعاً من المثانی والقرآن العظیم**" کی تفسیر میں تناسب اور سیاق کلام ہی سے استدلال کیا ہے۔

بعض تو تناسب اور سیاق کلام سے استدلال کرنے میں اس حد تک بڑھ گئے ہیں کہ انہوں نے صرف سیاق کلام کی وجہ سے تفسیر ہی بدل دی! مثلاً نظام نیشاپوری اپنی تفسیر میں آیۃ "**انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوۃ و یوتون الزکوۃ وھم راکعون**" کو بھی سیاق کلام کی وجہ سے ابوبکر سے متعلق کر دی ہے، جب کہ باتفاق مفسران شیعہ وسنی اس کے مصداق حضرت علیؑ ہیں، نیشاپوری اس آیت ذیل میں لکھتے ہیں: "چونکہ قبل والی آیت (**یا ایھا الذین آمنوا من یرتد منکم** ....) ابوبکر کے بارے میں ہے کیونکہ انہی نے مرتدوں سے جنگ کی تھی، لہذا مناسب تو یہ ہے کہ یہ آیت (**انما ولیکم اللہ**) بھی انہی کی شان میں ہے۔ (تفسیر نیشاپوری ج۲ ص۲۸) نیشاپوری کی تاسی میں مخاطب کے والد شاہ ولی اللہ دہلوی نے بھی "ازالۃ الخفا" میں اسی مناسبت اور سیاق کلام سے استدلال کرتے ہوئے حضرت علیؑ سے متعلق آیتوں کو دوسروں پر حمل کر دیا ہے۔

﴿۱۹۔ حدیث میں لفظ "خلافت" امامت اھلبیتؑ کی دلیل﴾

بعض روایتوں میں آنحضرتؐ نے قرآن اور اہلبیتؑ کو "**خلیفتین**" (دو خلیفے) سے تعبیر کیا ہے جو امامت حضرت علیؑ کے متعلق سارے شبہات کو زائل کر دیتا ہے، امام احمد بن حنبل اپنی "مسند" میں لکھتے ہیں: "اسود بن عامر نے شریک سے انہوں نے رکین سے انہوں نے قاسم بن حسان سے اور انہوں نے زید بن ثابت سے نقل کیا ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا: **انی تارک فیکم خلیفتین کتاب اللہ حبل معدود بین السماء والارض و عترتی اھلبیتی، انھما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض** (مسند احمد حنبل ج۵ ص۱۸۱) (یعنی میں تم میں اپنے دو جانشین چھوڑے جاتا ہوں ایک کتاب خدا جو ایک دراز رسی ہے آسمان سے لے کر زمین تک اور دوسرے میرے عترت و اہلبیت،

یہ دونوں کبھی جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہونچیں)

اسی لفظ "خلیفتین" کے ساتھ زید بن ثابت سے مروی حدیث ثقلین کو محدثین کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے، جن میں چند یہ ہیں: حموئی نے "فرائد السمطین" میں، سخاوی نے "استجلاب ارتقاء الغرف" میں احمد بن حنبل سے، سیوطی نے "احیاالمیت" ص ۳۰ پر احمد اور برانی سے اور "البدور السافرہ" میں ابن ابی عاصم سے اور "الدر المنثور" ج ۲ ص ۶۰ پر **واعتصموا بحبل اللہ** کی تفسیر میں احمد سے اور "الجامع الصغیر" (باشرح مناوی) ج ۳ ص ۱۴ پر احمد اور طبرانی سے، سمہودی "جواہر العقدین" میں احمد اور عبد بن حمید سے، قاری نے "شرح مشکوۃ" ج ۵ ص ۶۰۱ پر احمد اور طبرانی سے، شیخانی نے "الصراط السوی" میں احمد سے، عزیزی نے "السراج المنیر فی شرح الجامع الصغیر" میں ابن ابی عاصم، ابوبکر شیبہ اور طبرانی سے نقل کیا۔ ثعلبی کی تفسیر "الکشف والبیان عن تفسیر القرآن" میں بھی آیۃ **واعتصموا بحبل اللہ** کے ذیل میں یہ روایت لفظ "خلیفتین" کے ساتھ موجود ہے۔

ھیثمی لکھتے ہیں

"رسول خدا نے فرمایا: میں نے تم میں اپنے دو جانشین چھوڑے ایک کتاب خدا اور دوسرے میرے اہلبیت، یہ دونوں کبھی جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہونچیں، طبرانی نے اس روایت کو "المعجم الکبیر" میں نقل کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں"۔ (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۶۳) عبدالوھاب بن محمد بن رفیع الدین بخاری اپنی تفسیر "انوری" میں آیت مودۃ کے ذیل میں فضائل اہلبیت میں لکھتے ہیں: "ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ رسول خدا نے خطبہ دیا اور اس میں ارشاد فرمایا **ایہا الناس انی ترکت فیکم الثقلین خلیفتین ان اخذتم بہما لن تضلوا بعدی احدھا اکبر من الآخر کتاب اللہ حبل ممدود من السماء الی الارض وعترتی وھم اھل بیتی لن یفترقا حتی یردا علی الحوض**

اور ده **الثعلبی وزکرالامام احمد بن حنبل فی مسنده** ،(اے لوگو میں نے تم میں اپنے دو جانشین دو گرانقدر چیزیں چھوڑیں کہ اگر تم انہیں مضبوطی سے پکڑے رہے تو میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہوگے ان میں ایک دوسرے سے بڑھ کر ہے ایک کتاب خدا جو آسمان سے زمین تک ایک دراز رسی ہے، اور دوسری میری عترت جو میرے اہلبیت ہیں یہ دونوں کبھی جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہونچے اس کی ثعلبی نے اور امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں روایت کی ہے) زرقانی نے شرح المواھب اللدنیہ ج ۷ ص ۷ پر ابو سعید سے اور ملا متقی ھندی نے کنز العمال ج ۱ ص ۱۶۶ پر طبرانی کے توسط سے زید بن ارقم سے اس کی روایت کی ہے۔

مناوی لکھتے ہیں کہ رسولؐ خدا نے فرمایا

"میں تم میں اپنے جانشین چھوڑے جاتا ہوں ایک کتاب خدا جو ایک دراز رسی ہے آسمان سے لے کر زمین تک اور دوسرے میری عترت واہلبیت (**عترتی اھلبیتی**) اجمال کے بعد تفصیل ہے کہ وہ اہل کساء ہیں جن سے اللہ نے ہر رجس کو دور رکھا ہے اور اس طرح پاک رکھا جو حق تھا پاک رکھنے کا"۔ (فیض القدیر ج ۳ ص ۱۴) رضی ابن محمد حسینی "**تنضید العقود السنیه بتمهید الدولة الحسینیه**" میں احمد آفندی معروف بہ منجمی کے شرح حال میں لکھتے ہیں: "پیغمبرؐ اسلام کی حدیث "**انی تارک فیکم خلیفتین** " پر تعلیقہ دیکھا جس کو میرے والد دام ظلہ نے احمد رحمہ اللہ کے ہاتھوں لکھے ہوئے سے نقل کیا تھا اور میں اپنے والد کی تحریر سے نقل کر رہا ہوں کیونکہ اس حدیث میں ایسے اسرار ورموز ہیں جن پر ہر صاحب خرد کو غور کرنا چاہیے ۱۔ حدیث جملہ اسمیہ سے شروع ہو رہی ہے ۲۔ دونوں خلیفوں سے وابستگی ضروری ہے کسی ایک کی وابستگی کافی نہیں ہے ۳۔

"خلافت الکتاب" کا مطلب یہ ہے کہ وہ احکام شرعی، اعتقادی اور ساری ضروریات دینی کو

بیان کرے گی اور " خلافت العترۃ " کے متعلق چند احتمالات ہیں (الف) قرآن مجید میں جو احکام الٰہی بیان نہیں ہوئے ہیں انہیں یہ بتائیں گے اور قرآن کے مشکل الفاظ و معانی کی توضیح دیں گے (ب) امت میں احکام کو یہ جاری کریں گے (ج) اخلاق محمدیہ اور صفات احمدیہ کو عملی طور پر یہ پیش کریں گے صرف نقل وقول پر اکتفا نہیں کریں گے (د) اسرار نبوت اور رموز شریعت کو بیان کریں گے (ز) خالص محبت جو ہر مومن پر واجب ہے۔ اس لئے کہ صحیح ایمان اس وقت ہوگا جب انسان ان چیزوں کی تصدیق کرے جو نبیؐ کے ہمراہ آئی ہیں اور حدیث کی رو سے دین اس وقت کامل ہوگا جب حضرتؐ سے خالص محبت کی جائے۔ پس اس خلیفہ سے محبت گویا خود حضرتؐ سے محبت کرنا ہے۴۔ قرآن کو حبل (رسی) سے تشبیہ دی گئی ہے جو آسمان سے زمین تک دراز ہے۵۔ عترت کی اہلبیت سے تائید کی ہے۶۔

قرآن وعترات دونوں کے ساتھ تمسک گمراہی سے بچائے گی اس کا مطلب یہ ہے کہ نجات کے لئے صرف ایک کافی نہیں ہے ورنہ آپ فرماتے "بایھما" یا "اواحدھما" (یعنی ان دونوں میں سے کوئی ایک)۷۔ ان دونوں کے ساتھ رہنے کی آخری منزل حوض کوثر جیسی اہم جگہ بتائی ۸۔ بعض روایتوں کے آخر میں "فاعرفوا" کے ذریعہ تنبیہ کی ۹۔ عترت کے معنی اگر حقیقی لیں جیسا کہ "اھلبیتی" کے ساتھ تاکید اس معنی کو بتاتی ہے تو پھر حدیث، خلافت اہلبیت کے لئے نص قرار پائے گی جو کہ نظریہ اہلسنت کے خلاف ہے، لیکن اگر مجازی معنی مراد لیں تو اس صورت میں تاکید لغو ہوگی، کیونکہ اکثر تاکید معنی حقیقی لئے لائی جاتی ہے تاکہ اس مجازی معنی ذہن میں نہ آنے پائے اور یہ بات واضح ہے کہ حضرت کا کلام، لغو نہیں ہوتا تھا، (لہذا یہاں عترت کے حقیقی معنی ہیں)۱۰۔ اس حدیث کا مفہوم بہت بڑے خطرے کی اس طرح نشاندہی کرتا ہے کہ "اگر میرے ان دونوں خلیفوں سے وابستہ نہ رہے یا ایک سے وابستہ رہے اور دوسرے کے دامن کو چھوڑ دیا تو گمراہ ہو گئے اور پھر نجات نہیں پا سکتے" اگرچہ اس میں خلیفہ ثانی (عترت) مشخص نہیں ہے ورنہ اختلاف ہی نہیں

ہوتا کہ آیا عترت سے مراد معنی حقیقی ہے کہ (اہلبیت سے) تاکید اس کی مستقاضی ہے یا معنی مجاز کہ اہلسنت قائل ہیں۔ واللہ اعلم"

﴿۲۰۔ اهلبیت پر سبقت گمراهی هے﴾

حدیث ثقلین میں رسالتمابؐ نے یہ جملہ بھی ارشاد فرمایا ہے: **"فلا تسبقوا اهل بیتی فتهلکوا"** یعنی میرے اہلبیتؑ سے آگے نہ بڑھ جانا ورنہ ہلاک ہو جاو گے حضرتؐ نے اس جملہ میں واضح لفظوں میں بتا دیا کہ اہلبیتؑ ہی کی خلافت برحق ہے۔ لہذا جنہوں نے خلافت کے سلسلے میں ان پر کہ جن کے سید و سردار حضرت علیؑ ہیں، سبقت کی راہ ہلاکت اختیار کی ہے۔ مذکورہ جملہ **"فلاتسبقوا اهل بیتی فتهلکوا"** کے ساتھ حدیث ثقلین کو جنہوں نے نقل کیا ہے ان میں چند یہ ہیں: ابو نعیم اصفہانی نے "منقبۃ المطہرین" میں، ابو حیان نے اپنی تفسیر "البحر المحیط" میں، جلال الدین سیوطی نے "الاتافہ" اور "الدر المنثور" ج ۲ ص ۶۰ پر، ابن حجر نے "الصواعق المحرقہ" ص ۱۳۶ پر، سمہودی نے "جواهر العقدین" میں سخاوی نے "استجلاب ارتقاء الغرف" میں اور ملا متقی ھندی نے "کنزالعمال" ج ۱ ص ۱۶۶ پر نقل کیا۔

﴿تنبیه﴾

آئندہ ہم بیان کریں گے کہ خود اکابر علمائے اہلسنت نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ یہ حدیث، خلاف اور دینی امور میں دوسروں پر اہلبیتؑ کے مقدم ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ فخر الدین رازی نے "نھایۃ العقول" میں امام کے شرائط میں سے ایک شرف "قرشی" ہونا بتایا ہے، اور اس شرط پر انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے **"قدموا قریشا ولا**

تقدمها "یعنی امامت کے لئے قرشی کو مقدم کرو خود ان پر مقدم نہ کرو۔

امام رازی لکھتے ہیں

"امام کے لئے نویں شرط ہے کہ وہ "قرشی" ہو، اس صفت کو میرے علاوہ ابو علی اور ابو ہاشم نے بھی شرف قرار دیا ہے۔ ہماری دلیل اجماع اور سنت ہے۔ (ذکر اجماع کے بعد کہتے ہیں) سنت جس کی ابوبکر اور بہت سے اکابر صحابہ نے روایت کی ہے یہ ہے کہ آنحضرت نے فرمایا: **الائمة من قریش** (یعنی امام قریش سے ہوں گے) اور "الائمہ" میں الف ولام استغراق کا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ سارے ائمہ، قریش سے ہوں گے۔

یہ عبارت امر ہو یا خبر دونوں صورتوں میں بتاتی ہے کہ غیر قریشی امام نہیں ہوسکتا۔ امام اعظم کو چھوڑ کر ہم نے کسی کے سلسلے میں حدیث پر عمل نہیں کیا۔ نیز حضرتؐ نے فرمایا: قریش ہی ولی ہوں گے جب تک وہ خدا کی اطاعت کریں اور اس کے اوامر کو انجام دیں، یہ بھی حضرت کا ارشاد ہے: قریش کو مقدم رکھنا اور ان سے آگے نہ بڑھ جانا" جب مذکورہ حدیث امام کے قرشی ہونے پر دلالت کر رہی ہے تو پھر جو حدیث صحیح اہلبیت سے آگے بڑھ جانے سے منع کر رہی ہے وہ بطریق اولیٰ (بلکہ بہ ہزار اولیت اہلبیتؑ سے امام کے ہونے پر دلالت کرے گی۔

﴿۲۱۔ نتیجہ حدیث ثقلین﴾

۱۔ ابو نصر عتبی اپنی کتاب "تاریخ یمینی" میں رسالتمآبؐ کے بارے میں لکھتے ہیں

"اللہ نے آپ کی روح قبض کی اور آپ کی زحمتوں کو سراہا، اور آپ نے اپنی امت میں دو گرانقدر چیزیں یعنی کتاب خدا اور اپنی عترت چھوڑیں، ان دونوں کو قدموں کو لغزش سے بچانے، عقلوں کو گمراہی سے

محفوظ رکھنے، دلوں کو بیماری سے اور شک وشبہ کو دور کرنے کے لئے اپنا جانشین بنایا" پس جس نے ان دونوں کے ساتھ تمسک کیا اس نے راستہ طے کیا اور لولغزشوں سے محفوظ رہا اور جنہوں نے ان سے روگردانی کی بہت برا سودا کیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو گمراہی کو ہدایت سے خریدتے ہیں کہ جس میں کوئی فائدہ نہیں ہے"۔

شاہ صاحب (مولف تحفہ) خود ہی بتائیں وہ کن میں ہیں؟

۲۔ شمس الدین خلخالی "مفاتیح فی شرح المصابیح" میں حدیث ثقلین کی شرح میں لکھتے ہیں "شرح السنتہ میں ہے کہ قرآن اور اہلبیت کو اس لئے "ثقلین" کہا گیا کہ ان دونوں سے وابستہ رہنما اور ان کے فرامین پر عمل کرنا ثقیل ہے۔ اسی طرح حضرتؐ نے اپنے اہلبیت کے بارے میں فرمایا کہ جب وہ میرے بعد میرے جانشین ہوں گے تو ان کے شایان شان ان کا احترام کرنا اور ان کے بتائے ہوئے احکام کی اطاعت کرنا بھی ثقیل ہے" جب حضرتؐ کی نظر میں اہلبیتؑ کی خلافت اتنی اہم ہے کہ انہیں "ثقلین" سے تعبیر کریں اور امت کو اپنے بعد ان کے خلیفہ ہونے کی خبر دیں، تو کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ "حدیث ثقلین" کا اصل مدعیٰ یعنی حضرت علیؑ اور اہلبیتؑ کی خلافت سے کوئی ربط نہیں ہے؟!

۳۔ شہاب الدین دولت آبادی "ھدایۃ السعداء" میں لکھتے ہیں

"رسالتمابؐ جب حجتہ الوادع سے پلٹے اور اس جگہ پہونچے جس کو "خم" کہتے ہیں تو پالان شتر کا ممبر بنوایا اور اس پر تشریف فرما ہوئے، اصحاب نے دریافت کیا: یارسول اللہ! آپ کا قائم مقام کون ہے ہمیں بتایئے؟ فرمایا: قرآن اور میرے بعد میرے اہلبیت۔ اگر ان دونوں کے دامن کو مضبوطی سے پکڑے رہے تو میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہوگے، یہ حدیث تا قیام قیامت اہلبیت کی کسی فرد کے ہونے کی نشاندہی کرتی ہے۔ یہی حق کی طرف راہنمائی کرنے والے اور گمراہی سے بچانے والے ہیں" دولت آبادی کی عبارت واضح لفظوں میں بتاتی ہے کہ اصحاب آنحضرتؐ سے آپ کے خلیفہ کے

متعلق دریافت کیا تھا اور حضرتؐ نے اپنا جانشین قرآن اور اہلبیتؑ کو بتایا تھا، پھر کس طرح کوئی عقلمند کہہ سکتا ہے کہ "حدیث ثقلین" خلاف اہلبیتؑ پر جن کے سید و سردار حضرت علیؑ ہیں، دلالت نہیں کرتی؟

۴۔ شہاب الدین دولت آبادی "ھدایۃ السعداء" میں تحریر فرماتے ہیں

"حضرتؐ نے حدیث سابق (حدیث ثقلین) میں ارشاد فرمایا: **لن یفترقا حتی یردا علی الحوض** یعنی قرآن اور میری اولاد حوض کوثر پر ایک ساتھ آئیں گے تاکہ دیکھیں کون ان کا دوست تھا اور کون دشمن، کس نے میرے بعد میرے حکم تمسک پر عمل کیا اور کس نے چھوڑ دیا، میں حوض کوثر پر کھڑا ہوں گا اور جو قرآن اور میری اولاد سے محبت نہیں کرتے ہوں گے اور انہوں نے ان سے وابستہ نہ رہ کر میرے حکم کی خلاف ورزی کی ہوگی، غضبناک ہو کر فرشتے انہیں حوض کوثر سے اس طرح بھگائیں گے جیسے پاگل اونٹ اور گھوڑے کو بھگایا جاتا ہے، میں فرشتوں سے کہوں گا انہیں میرے پاس لاؤ یہ میرے امتی ہیں، اس وقت آواز آئے گی: اے محمدؐ! تمہیں نہیں معلوم کہ انہوں نے قرآن کہ انہوں نے قرآن اور تمہاری اولاد کے بارے میں تمہارے حکم کی خلاف ورزی کی اور ان سے محبت و دوستی کرنے کے بجائے ان سے بغض و دشمنی کی، میں کہوں گا پھر فرشتوں انہیں مجھ سے دور کرو! کیونکہ جس کی پیروی کا حکم دیا گیا ہو وہ خود ان کی پیروی نہیں کر سکتا اور جس کی امامت کی طرف دعوت دی گئی ہو وہ ماموم نہیں بن سکتا، اور جو نبی کی مخالفت کرے وہ زندیق و شیطان ہے اور جو قرآن اور فرزندان پیغمبر کے دامن سے وابستہ نہ ہو وہ گرچہ علم اولین و آخرین کا مالک ہو، مثل کتاب کے ہے، اور اگر (ان دونوں کی مخالفت کے بعد) زہد کرے تو راہب ہے اور قیامت کے دن اوندھے منھ جہنم میں ڈال دیا جائے گا"

مذکورہ عبارت اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ دولت آبادی کی نظر میں "حدیث ثقلین" امامت اہلبیتؑ کے بارے میں ہے، اسی وجہ سے انہوں نے کہا کہ چونکہ رسالتمابؐ نے امت کو اہلبیتؑ

کی پیروی کا حکم دیا لہذا یہ امت کی پیروی نہیں کر سکتے، اور چونکہ امت کو ان کی امامت کی طرف دعوت دی لہذا حضرات کو ماموم نہیں بن سکتے، ان باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے کوئی عقلمند کہہ سکتا ہے کہ "حدیث ثقلین" کا شیعوں کے اصل مدعیٰ یعنی امامت اہلبیتؑ سے کوئی ربط نہیں ہے؟ قابل ذکر بات یہ ہے کہ دولت آبادی نے اپنی عبارت میں "حدیث حوض" کو داخل کیا ہے اور دامن اہلبیتؑ کے چھوڑنے والوں کو ملائیکہ کے اس قول کا مصداق بنایا ہے کہ اے محمدؐ! آپ کو نہیں معلوم کہ انہوں (تارکین دامن اہلبیتؑ) نے آپ کے بعد کیا کیا ہے۔

۵۔ شمس الدین سخاوی "استجلاب ارتقاء الغرف" میں "حدیث ثقلین" نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں

"اہلبیت کے افتخار کے لئے یہی حدیث کافی ہے اس لئے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: "دیکھو ان کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہو" اور "تم کو اپنی عترت کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں" اور "تم کو اپنے اہلبیت کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں" کیونکہ روایتوں میں مختلف الفاظ میں اہلبیت کے ساتھ مودت و محبت، ان کے ساتھ نیکی کرنے، ان کا ادب و احترام کرنے اور ان کے واجبی اور مستحق حقوق کی ادائیگی کی حضرتؐ نے ترغیب و تشویق کی ہے، اس لئے کہ روئے زمین پر اشرف ترین گھرانے کی یہ فرد ہیں، جب یہ رسول خداؐ کی واضح اور روشن سنت کی پیروی کریں جیسے اسلام میں عباس، ان کے بیٹے، علی کرم اللہ وجھہ، آپ کے اہلبیت رضی اللہ عنھم تھے، نیز حدیثیں ولایت ذمہ داری کے لئے دوسروں پر اہلبیت کے مقدم ہونے کو بتاتی ہیں جیسا کہ پہلے بیان کیا ہے کہ حضرت نے فرمایا: ان دونوں (قرآن اور اہلبیتؑ) سے آگے نہ بڑھو بیان کیا ہے کہ حضرت نے فرمایا: "ان دونوں" (قرآن اور اہلبیتؑ) سے آگے نہ بڑھ جانا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے نہ ہی پیچھے رہ جانا ورنہ تب بھی ہلاک ہو جاؤ گے،

اورانہیں کچھ سکھانا پڑھانا نہیں کیونکہ یہ تم سے زیادہ جانتے ہیں" یہ سب اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں جس کے بارے میں احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ خلافت قریش کے لئے ہے اور ان چیزوں میں ان کی اطاعت واجب ہے جن کی پیروی کرنے سے معصیت نہ ہو۔

سخاوی نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ "حدیث ثقلین" جہاں اہلبیتؑ سے مودت و محبت اور ان کے حقوق کی رعایت کی تشویش کرتی ہے وہیں ذمہداری اہلبیت کے مقدم ہونے کی وضاحت بھی کرتی ہے۔ پس کس طرح شاہ صاحب (مولف تحفہ) نے کہدیا کہ یہ حدیث خلافت کے متعلق نہیں ہے؟ لیکن سخاوی کی یہ بات کہ حدیث "ان سے آگے نہ بڑھ جانا ورنہ ہلاک ہوجائے گے" کا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ "خلاف قریش میں محصور ہے" صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ ہر عقلمند جس میں تھوڑا سا بھی انصاف ہوگا وہ اسی نتیجے پر پہونچے گا کہ حضرتؐ نے اس حدیث میں اپنے اہلبیتؑ کا ذکر کیا ہے نہ کہ قریش کا، اور کسی نے بھی نہیں کہا کہ حضرتؐ کی اہلبیت سے مراد سارے قریش ہیں۔ لہذا حدیث امامت و خلافت کو اہلبیت میں محصور کررہی ہے اور بتارہی ہے کہ یہ حدیث "**الائمة من قریش**" اگر صحیح ہے تو اس سے مراد ائمہ اہلبیت علیھم السلام ہیں جو سادات قریش ہیں۔

۶۔ ابن حجر "الصواعق المحرقہ" میں سخاوی کی بات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں

"آنحضرتؐ کا یہ فرمانا کہ "ان سے آگے نہ بڑھ جانا ورنہ ہلاک ہوجاؤ گے" اس بات کی دلیل ہے کہ جو شخص بلند مرتبے پر فائز اور دینی امور کو بخوبی احسن انجام دیتا ہو وہ دوسروں پر مقدم ہے۔ اور قریش کے متعلق گزشتہ حدیث اسی بات کی تصریح کرتی ہے، اور جب یہ سارے قریش کے لئے ثابت ہے تو اہلبیت پیغمبر جو فضیلتوں کے محور اور مفاخر قریش ہیں اور ان ہی کی وجہ سے قریش کو دوسروں پر امتیاز حاصل ہے، وہ بدرجہ اولٰی اس منصب (خلافت) کے لئے سزاوار ہیں"۔ (الصواعق المحرقہ ص ۱۳۶)

ابن حجر کی عبارت سے معلوم ہوا کہ اہلبیتؑ میں سے جو بھی بلند مرتبے پر فائز اور دینی امور کو بخوبی احسن انجام دے وہ دوسروں پر مقدم ہے، اور یہ بات واضح ہے کہ امامت و خلافت بلند مراتب اور دینی وظائف میں سے ہیں لہذا حضرت علیؑ اور دیگر افراد اہلبیت اس منصب کے لئے بقول پیغمبرؐ دوسروں پر مقدم ہوں گے۔ پس شاہ صاحب (مولف تحفہ) پر تعجب ہوتا ہے کہ کس طرح انہوں نے کہدیا کہ حدیث ثقلین امامت حضرت علیؑ پر دلالت نہیں کرتی ہے، اور ابن حجر نے قریش کے متعلق سخاوی کی بات کہی ہے جس کا جواب اس سے پہلے دے چکے ہیں۔ البتہ ابن حجر نے سارے قریش پر اہلبیت کی افضلیت کا اعتراف کیا ہے جو ان کی امامت و خلافت کے ثبوت کے لئے کافی ہے۔

۷۔ شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی مصری حنفی "نسیم الریاض شرح شفاء قاضی عیاض" میں حدیث ثقلین کی شرح میں لکھتے ہیں

"اس حدیث کو "مسلم" نے فضائل اہلبیت میں ذکر کیا ہے جس کو رسول خداؐ نے حجۃ الوداع سے واپسی کے وقت اپنے خطبے میں یوں ارشاد فرمایا تھا "اے لوگو! میں ایک بشر ہی تو ہوں، عنقریب میرے پروردگار کی طرف سے پیغامبر آنے والا ہے اور میں اس کی آواز پر لبیک کہوں گا، میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں، کتاب خدا جس میں ہدایت و نور ہے، لہذا اس سے وابستہ رہو اور میرے اہلبیت" اس میں مصنف (مسلم) نے آنحضرتؐ کے اہلبیت کو بیان کیا ہے اور یہ وہی افراد ہیں جن لوگوں نے حضرتؐ کے ارشاد کے بعد سمجھا تھا۔ کیونکہ وحی کے ذریعے آنحضرتؐ کو معلوم ہوگیا تھا کہ آپ کے بعد خلافت کے سلسلے میں کیسے کھیلا جائے گا، اسی وجہ سے حضرت نے کھل کر ان کے نام بتائے اور ان کے حقوق کی رعایت کرنے کی ترغیب و تشویق فرمائی۔ کیونکہ اس منصب کا یہی تقاضا

تھا" علامہ خفاجی کی اس توضیح کے بعد کیا کوئی شخص شاہ صاحب کی پیروی کرتے ہوئے کہہ سکتا ہے کہ حدیث ثقلین کا امامت وخلافت سے کوئی ربط نہیں ہے؟

۸۔ احمد بن عبدالقادر عجیلی شافعی "ذخیرۃ المآل" میں حدیث ثقلین نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں

"اس حدیث کا نتیجہ وہی ہے جو حدیث سفینہ کا ہے یعنی آنضرتؐ نے اہلبیت کی عزت و احترام کرنے، ان کے دامن سے وابستہ رہنے، دل سے ان سے محبت کرنے، ان میں جاننے والے افراد کی راہنمائی وہدایت حاصل کرنے اوران کے اخلاق حمیدہ کو اپنانے کی تشویش فرمائی، اسی حدیث سے قیامت تک قرآن وسنت ع عترت کے ہونے کا پتہ ملتا ہے، اور جن کے لئے تشویش ہوئی ہے یہ وہی افراد ہیں جو قرآن سنت کے جاننے والے ہیں کیونکہ یہی حضرات حوض کوثر تک قرآن سے جدا نہیں ہوں گے۔ اس بات کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے "اپنی جہالت کو ان سے کسب علم کے ذریعے دور کرنا، خود انہیں سکھانا پڑھانا نہیں کیونکہ یہ تم سے زیادہ جانتے ہیں" انہیں ان خصوصیات کی وجہ سے فوقیت حاصل ہے، اس لئے کہ خدا نے انہیں ہر طرح کے رجس سے دور رکھا ہے اور اس طرح پاک رکھا ہے جو پاک رکھنے کا حق ہے اور انہیں روشن کرامات اور بہت سے امتیازات سے نوازا ہے۔ البتہ (ائمہ معصومینؑ کے سوا) ان میں کے ناواقف افراد دوسروں کی طرح کسب علم کریں، ان کو دوسروں کے مقابلے یہ سارے امتیازات خلافت ظاہری اور وارثت مقام ابراہیم محمدی کی وجہ سے خاص تھیں، ورنہ خلافت باطنی تو ان ہی کا حق تھا، اور ہر زمانے میں قطب الاولیاء، ان ہی میں کا ہوگا، ان کی خلافت سے میری مراد ظلم وجور کی حکومت نہیں ہے بلکہ ان کا ایسی حکومت سے کوئی ربط نہیں ہے، بلکہ میری مراد وہ خلافت ہے جس کو خدا نے قرآن وسنت کی حفاظت کی خاطر ان کے لئے انتخاب کیا ہے اور ان سے حوض کوثر تک وہ جدا نہیں ہوں گے"۔

عجیلی کے بقول حدیث ثقلین کی روشنی میں اہلبیتؑ کو خلافت ظاہری کے لئے سب پر فوقیت حاصل ہے اور خلافت باطنی ان ہی سے مختص ہے۔ اب بھی کیا کسی کو شاہ صاحب کی اس بات کے لغو ہونے میں شک وشبہ ہوسکتا ہے کہ حدیث ثقلین کا خلافت سے کوئی ربط نہیں ہے؟ اور عجیلی نے جو اہلبیت کے (معاذ اللہ) جاہل افراد کے بارے میں کہا ہے کہ یہ ان کا تجاہل ہے، کیونکہ جن کے بارے میں حدیث ثقلین اور حدیث سفینہ جیسی حدیثین ہوں وہ جاہل ہو ہی نہیں سکتے، عجب نہیں کہ انہوں نے اپنے بزرگوں کی تاسی میں ایسی بات کہہ دی ہو کیونکہ وہ اہلبیت کے دائرے کو وسیع مانتے ہیں،

۹۔ عجیلی "ذخیرۃ المآل" ہی میں لکھتے ہیں

"**تعلموا امنهم وقدموهم، تجاوزوا عنهم و عظموهم**" جہاں تک ان سے کسب علم کی بات ہے تو اس سلسلے میں روایت صحیحہ میں ہے کہ یہ (اہلبیتؑ) حکمت کے خزانے ہیں، اور بہ سند صحیح حدیث ثقلین میں ہے کہ: ان سے آگے نہ بڑھ جانا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور نہ ہی ان کو سکھانے پڑھانے کی کوشش کرنا کیونکہ یہ تم سے زیادہ علم رکھنے والے ہیں اور ان کو اس لئے مقدم رکھنا کہ وہ اس کے لئے زیادہ سزاوار ہیں مثلاً امامت کبریٰ کے لئے، کسی جگہ آنے جانے کے لئے، چلنے پھرنے اور بولنے چالنے جیسے موارد کے لئے، اور ابن سعد نے علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: مجھ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے جو جنت میں داخل ہوں گے وہ میں، تم اور حسن وحسین ہیں۔ میں نے کہا یا رسول اللہ اور میرے محبّ؟ فرمایا وہ تمہارے پیچھے آئیں گے، تو جب اس دنیا میں ایسا ہے تو پھر اس دنیا میں درجہ اولی وہ مقدم ہوں گے، اس سلسلے میں بہت کچھ کہا گیا ہے جن کی تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔ اور جب ہم کو حضرتؐ نے ان کو مقدم رکھنے کا حکم دیا ہے تو ان کو ان کے بلند مرتبے سے گرا دینا شرع اور دیانتداری کے خلاف ہے۔ کیونکہ ان ہی بلند مرتبے میں اہلبیت کا قرآن کے قرین ومصاحب ہونا، ابتدائے زندگی سے آخر عمر تک بدعتوں اور گناہوں سے پاک وپاکیزہ رہنا،

ان کے دامن سے وابستہ رہنا اور اس بات کا اعتقاد رکھنا ہے کہ وہ کشتی آنجاب ہیں۔

لہذا جو شخص اس کے برخلاف کہے گویا جس کو خدا اور رسولؐ نے مقدم کیا ہے اس کو اس نے موخر کیا ہے، اور آنحضرتؐ نے فرمایا: امام اس لئے امام ہوتا ہے کہ اس کی اقتدار کی جائے، ماموم امام کا تابع ہوتا ہے اور اس پر امام کی پیروی واجب اور اس پر تقدم حرام ہے، لہذا جو امام کو پیچھے کر دے اس کی نماز باطل ہے، اور جو مقدم رہنے کی اہلیت رکھتا ہوا اس کو پیچھے کر دیا حقائق کو چھپانا ہے۔ لہذا اے صاحبان بصیرت عبرت حاصل کرو"۔ ان باتوں کو دیکھنے کے بعد کیسے کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ حدیث ثقلین شیعوں کے دعوے کو ثابت نہیں کر رہی ہے، بلکہ اگر غور کیا جئے تو حدیث ثقلین سے متعلق ان عین کا ہر قول امامت حضرت علیؑ کو ثابت کرتا ہے۔

﴿۲۲﴾ خود الفاظ حدیث خلافت اہلبیت کی دلیل ہیں﴾

حضرتؐ نے بعض مواقع پر ایسے الفاظ میں حدیث ثقلین ارشاد فرمائی تھی جو واضح طور پر خلافت اہلبیتؑ کو بیان کرتی ہے، قندوزی "ینابیع المودۃ" میں لکھتے ہیں

"مناقب میں عبداللہ بن حسن مجتبیٰ بن علی مرتضیٰ علیہ السلام نے اپنے والد حسن مجتبیٰ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: میرے جد نے ایک دن خطبہ دیا اور خدا کی حمد وثنائے الٰہی کے بعد ارشاد فرمایا: اے لوگو! عنقریب مجھے پیغام اجل ملنے والا ہے اور میں اس پر لبیک کہوں گا۔ میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک کتاب خدا اور دوسرے میری عترت واہلبیت، اگر ان دونوں سے وابستہ رہے تو ہرگز گمراہ نہیں ہونگے، یہ دونوں کبھی جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر

میرے پاس پہونچیں پس ان سے کسب علم کرنا اور ان کو سکھانا پڑھانا نہیں کیونکہ یہ تم سے زیادہ جانتے ہیں ان کے وجود سے کبھی بھی زمین خالی نہیں رہ سکتی، کہ اگر وہ ان سے خالی ہو جائے تو اسی دن وہ اپنے ساکنین کے ساتھ دھس جائے گی پھر فرمایا: خدایا تو زمین کو اپنی مخلوق کی حجت سے خالی نہ رکھنا تا کہ تیری حجت باطل اور جن اولیا کی تو نے ہدایت کی ہے وہ گمراہ نہ ہونے پائیں، وہ تعداد میں بہت کم ہیں مگر اللہ کی نظر میں بڑے قدر والے ہیں میں نے خدا کی بارگاہ میں دعا کی تھی کہ علم و حکمت کو میرے صلب میں اور میری اولاد کے صلب میں میری اولاد میں اور میری اولاد کی اولاد میں قیامت تک قرار دے، پس اس نے میری یہ دعا قبال فرمائی" حضرتؑ نے اس حدیث میں ایسے نکات ارشاد فرمائے ہیں کہ ان میں کا ہر ایک خلافت اہلبیتؑ پر بین دلیل ہے۔ ملاحظہ کیجئے

ا۔ حضرتؑ نے امت کو ان سے کسب علم کا حکم دیا ہے جو ان کی اعلمیت کی دلیل ہے، کیونکہ ان کے علاوہ کوئی اور اعلم ہوتا تو حضرتؑ اسی سے کسب علم کا حکم دیتے، اور اعلمیت دلیل امامت ہے۔

۲۔ حضرتؑ نے امت کو ان کو تعلیم دینے سے منع کیا ہے جو اہلبیتؑ کی اعلمیت اور دوسروں کی نفی اعلمیت کی دلیل ہے، بلکہ یہ جملہ اہلبیتؑ کی عصمت مطلقہ کو ثابت کرتا ہے، کیونکہ ان کے علاوہ کوئی اور اعلم ہوتا یا معاذ اللہ ان سے خطا و نسیان ممکن ہوتا تو ان کی تعلیم و تنبیہ دوسروں پر واجب ہوتی (جب کہ حضرتؑ انہیں سکھانے پڑھانے سے منع کر رہے ہیں، اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ عصمت اور اعلمیت مستلزم امامت اور اس کے اٹوٹ حصے ہیں)

۳۔ حدیث میں اس بات کی تصریح ہوئی ہے کہ اہلبیتؑ، پیغمبرؐ کی امت میں اعلم ہیں، لہذا ان کی اعلمیت میں شک کرنا حضرت کی نبوت میں شک کرنا ہے، بلکہ قرآن کی اس آیت "وما ینطق

عن الهوى ان هو الا وحي يوحى" کی رو سے وحی الٰہی پر شک کرنے کے مترادف ہے۔

۴۔ حضرتؑ نے اس حدیث میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ زمین ان کے وجود سے خالی نہیں رہ سکتی اور جس دن ان کا وجود زمین پر نہ رہے اس دن اپنے ساکنین کے ساتھ دھنس جائے گی، جو ان کے آنحضرت کے قائم مقام ہونے کی دلیل ہے، اس لئے کہ جس طرح حضرتؐ کا وجود زمین اور اہل زمین کے لئے باعث امن تھا، اسی طرح ان کا بھی وجود زمین اور اہل زمین کے لئے باعث امن اور یہ جملہ تمام جہتوں سے اہلبیتؑ کی خلافت کو ثابت کرتا ہے۔ ۱۔ رسالتمابؐ کے قائم مقام ہونے کی وجہ سے ۲۔ سارے ساکنین زمین سے افضل ہونے کی وجہ سے۔

۵۔ حضرتؐ نے فرمایا: بار الہا! ان کے وجود سے زمین کو خالی نہ رکھ جن کو اپنی مخلوق نے حجت قرار دیا ہے تاکہ تیری حجت باطل اور جن کی تو نے ہدایت کی ہے وہ گمراہ نہ ہونے پائیں، اس سے تین باتیں سامنے آئی ہیں ۱۔ اہلبیتؑ منجانب خدا مخلوق پر حجت ہیں ۲۔ یہ حجت کا سبب اور ان کے عدم بطلان کی علت ہیں ۳۔ یہی اولیاء خدا کے راہ ہدایت پر رہنے کا سبب ہیں کہ اگر یہ نہیں ہوتے تو اولیاء خدا ہدایت پانے کے بعد گمراہ ہو گئے ہوتے اور ایسا بلند مرتبہ ہے جس کے درک کرنے سے عقلیں قاصر ہیں۔

۶۔ حضرتؐ نے اپنے اہلبیتؑ کے بارے میں ارشاد فرمایا: "یہ تعداد کے لحاظ سے تو بہت کم ہیں مگر خدا کی نظر میں ان کی بہت قدر و منزلت ہے" کہ ان کی افضلیت کی واضح دلیل ہے (اور افضلیت امامت کا لازمہ ہے)

۷۔ حضرتؐ کی یہ دعا کہ خدایا قیامت تک میری نسل میں علم و حکمت کو قرار دے اور خدا کا اس دعا کو قبول کرنا ان کی اعلمیت اور قیامت تک ان کے ہونے کی دلیل ہے۔

﴿۲۳۔ حدیث ثقلین سے حضرت علیؑ کا احتجاج﴾

۱۔ حضرت علیؑ نے شوریٰ کے دن اپنی حقانیت کے ثبوت میں حدیث ثقلین سے احتجاج واستدلال کیا تھا، چنانچہ ابن مغازلی اپنی کتاب "المناقب" میں لکھتے ہیں

"ہم کو ابو طاہر محمد بن علی بن محمد بیع بغدادی نے بتایا انہوں نے ابوالعباس احمد بن محمد بن سعید معروف بہ حافظ ابن عقدہ سے انہوں نے جعفر بن محمد بن محمد سعید احمسی سے انہوں نے نصر بن مزاحم سے انہوں نے حکم بن مسکن سے انہوں نے جارود بن طارق سے انہوں نے عامر بن واثلہ سے اور الوساس اور ابو حمزہ نے ابواسحاق سے اور انہوں نے عمر بن واثلہ سے روایت کی ہے، عامر کہتے ہیں کہ میں شوریٰ کے دن علی کے ہمراہ اس گھر کے دروازے پر تھا اور میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا کہ آج میں تمہارے سامنے ایسا احتجاج واستدلال کروں گا جس کو نہ تمہارا اعربی رد کرسکتا ہے نہ ہی عجمی اس کے بعد آپ نے فرمایا: اے لوگو! تم سب کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم میں سے کوئی ہے جس نے مجھ سے پہلے خدا کی وحدانیت کا اقرار کیا ہو؟ سب نے کہا خدا گواہ ہے کہ نہیں!

فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم میں میرے علاوہ کوئی ہے جس کا چچا میرے چچا حمزہ جیسا ہو جو اللہ اور اس کے رسول کے شیر اور سید الشہداء ہیں؟ سب نے کہا نہیں! فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم میں میرے علاوہ کوئی اور ہے جس کی زوجہ میری زوجہ جنت کی عورتوں کی سردار فاطمہ بنت محمد جیسی ہو؟ سب نے کہا نہیں! فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم میں میرے سوا کوئی اور ہے جس کے جوانان جنت کے سردار حسن وحسین جیسے دو فرزند ہوں؟ سب نے کہا نہیں! فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں تم میں سے کوئی ایسا ہے جس نے مجھ سے پہلے ہدیہ دے کر رسول اللہؐ سے بارہا خلوت میں بات کی ہو؟ سب نے کہا بخدا نہیں! فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دے کر

کر پوچھتا ہوں کیاتم میں میرے علاوہ کوئی اور ہے جس کے لئے رسولؐ خدا نے فرمایا: **"من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ و عادمن عاداہ فیبلغ الشاھد منکم الغائب"**؟ سب نے کہا بخدا نہیں!

فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں تم میں میرے سوا کوئی اور ہے جس کے لئے رسولؐ خدا نے یہ دعا کی ہو" خداوند اس شخص کو میرے پاس بھیج جو تیری اور میری نظر میں محبوب ترین خلق ہو اور جس کو میں اور تو سب سے زیادہ دوست رکھتے ہوں تاکہ میرے پاس بیٹھ کر یہ طائر (بھنا مرغ) کھائے؟ سب نے کہا بخدا نہیں! فرمایا: میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں تم میں میرے علاوہ کوئی اور ہے جس کے بارے میں رسولؐ خدا نے فرمایا ہو: " کل میں ایسے شخص کو علم دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہوگا اور اس کو اللہ اور اس کا رسول دوست رکھتے ہوں گے اور جب تک خدا اس کی فتح نہیں دے دے پلٹے گا نہیں؟ سب نے کہا بخدا کوئی بھی نہیں ہے! فرمایا: میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں تم میں میرے سوا کوئی اور ہے جس کے بارے میں رسولؐ خد نے لوگوں سے کہا تھا "تمہارے پاس ایسے شخص کو بھیج رہا ہوں جو میرا نفس ہے، اس کی اطاعت میری اطاعت اور اس کی نافرمانی میری نافرمانی ہے وہ تلوار کے ذریعے تمہیں مضبوط کرے گا؟ سب نے کہا بخدا نہیں!

فرمایا: میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں تم میں میرے علاوہ کوئی اور ہے جس کو رسولؐ خدا کے لئے چاہ بدر سے پانی لاتے وقت ایک گھنٹہ میں تین ہزار فرشتوں نے سلام کہا ہو کہ ان ہی میں جبرئیل و میکائیل اور اسرافیل بھی ہوں؟ سب نے کہا بخدا نہیں! فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں تم میں میرے سوا کوئی اور ہے جس کے لئے جبرئیل نے کہا ہو " یہ ہے ہمدردی و مواساۃ" اور رسولؐ خدا نے فرمایا ہو" وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں جس پر جبرئیل نے کہا میں تم دونوں سے ہوں"؟ سب نے کہا بخدا نہیں! فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم میں میرے سوا کوئی اور ہے جس

کے لئے رسول خدا نے فرمایا ہو "میں نے تنزیل قرآن پر جنگ کی اور تم اے علی تاویل قرآن پر جنگ کرو گے"؟ سب نے کہا بخدا نہیں! فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم میں میرے علاوہ کوئی اور ہے جس کو رسولؐ خدا نے ابوبکر سے سورۂ برائت واپس لینے کا حکم دیا ہوں؟ جس پر ابوبکر نے پوچھا کیا میرے خلاف کوئی وحی نازل ہوئی ہے؟ سب نے کہا بخدا نہیں!

فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم میں میرے سوال کوئی اور ہے جس کے بارے مین رسولؐ خدا نے فرمایا ہوں "تمہاری مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کی موسیٰ سے ہے سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا؟ سب نے کہا بخدا نہیں! فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم میں میرے علاوہ کوئی اور ہے جس سے رسولؐ خدا نے فرمایا ہوں: تجھ کو نہیں دوست رکھے گا مگر مومن اور تجھ سے بغض نہیں رکھے گا مگر کافر؟ سب نے کہا بخدا نہیں! فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تمہیں یاد ہے کہ رسولؐ خدا نے تم سب کے دروازے (جو مسجد کی طرف کھلتے تھے) بند کروا دیئے تھے سوائے میرے دروزہ کے، جس پر تم میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں، تو رسولؐ خدا نے فرمایا: نہ میں نے تمہارے دروازے بند کئے اور اس (علی) کا دروازہ کھلا رکھا بلکہ خدا نے تمہارے دروازے بند کئے ہیں اور اس (علی) کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔ سب نے کہا بخدا سوائے آپ کے کوئی بھی ایسا نہیں ہے!

فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم میں میرے علاوہ کوئی اور ہے جس سے طائف کے دن کئی بار رسولؐ خدا نے خلوت میں بات کی اور جب گفتگو طولانی ہوئی تو حضرتؐ سے تم لوگوں نے کہا: (علی) سے تو خلوت میں بات کی اور ہم لوگوں کو نظر انداز کر دیا! اس پر حضرتؐ نے جواب دیا میں نے اس (علی) سے خلوت میں گفتگو نہیں کی بلکہ خدا نے اس (علی) سے گفتگو کی؟ سب نے کہا ایسا ہی ہے! فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں تم میں کوئی ہے جب عمرو بن عبدود نے للکارتے ہوئے جنگ کی دعوت دی تو اس نے اس سے جنگ کی؟ سب نے کہا بخدا نہیں! فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں تم میں

میرے علاوہ اور ہے جس کے بارے آیات تطہیر یعنی ۳۳ اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَ یُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا ہ نازل ہوئی؟ سب نے کہا بخدا نہیں! فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم میں میرے سوا کوئی اور ہے جس کے لئے رسول خداؐ نے فرمایا ہو "تم عرب کے سردار ہو"؟ سب نے کہا بخدا نہیں؟ فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں تم میں میرے علاوہ کیا کوئی ہے جس سے رسول خداؐ نے فرمایا ہو: "میں نے خدا سے کوئی چیز نہیں مانگی مگر وہی تمہارے لئے بھی مانگی"؟ سب نے کہا بخدا نہیں! (مناقب ابن مغازلی ص ۱۱۲)

۲۔ شیخ سلیما بن احمد بلخی حنفی قندوزی نے "ینابیع المودۃ" میں ابوذر سے روایت کی ہے کہ حضرت علیؑ نے طلحہ، اعبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص سے فرمایا: کیا تمہیں یاد ہے کہ رسول خدا نے فرمایا تھا "انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اھلبیتی وانھما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض لن تضلوا اتبعتم واستمسکتم بھما؟" سب نے کہا ہاں آنحضرتؐ نے فرمایا تھا! (ینابیع المودۃ ص ۳۵)

۳۔ شوریٰ کے دن کے علاوہ خلافت عثمان کے دور میں بھی حضرت علیؑ نے مہاجرین و انصار کے سامنے حدیث ثقلین سے احتجاج و استدلال کیا تھا اور اس میں بہت سی آیات و احادیث بیان فرمائی تھی، جو آپ کی فضیلت و امامت پر دلالت کرتی ہیں۔ چنانچہ شیخ سلیمان بلخی حنفی "ینابیع المودۃ" میں لکھتے ہیں:

"حموینی نے اپنی سند کے ساتھ سلیم بن قیس ہلالی سے روایت کی ہے، سلیم کا بیان ہے کہ خلافت عثمان کے دور میں مسجد النبی میں علی کو بیٹھے دیکھا، گروہ مہاجرین و انصار تو اپنے اپنے فضائل بیان کر رہے تھے

مگر علیؑ خاموش بیٹھے تھے۔ جب مہاجرین و انصار نے کہا اے ابوالحسن آپ بھی کچھ کہیے تو آپ نے فرمایا:
اے گروہ قریش و انصار میں تم سے پوچھتا ہوں کہ اللہ نے یہ فضیلت تمہیں کس کی وجہ سے عطا کی، تمہاری وجہ سے یا کسی اور کی وجہ سے؟ سب نے کہا اللہ نے ہم پر یہ احسان محمدؐ کی وجہ سے کیا۔ فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: آدم کی خلقت سے چودہ ہزار سال قبل میں اور میرے اہلبیت ایک نور کی شکل میں خدا کے حضور میں تھے، جب آدم کو خدا نے خلق کیا تو اس نور کو ان کے صلب میں رکھا اور انہیں زمین پر بھیجا پھر اس نور کو نوح کے صلب میں رکھ کر سفینہ نوح میں سوار کیا پھر ابراہیم کے صلب میں رکھ کر اسے آگ میں ڈالا پھر اللہ نے اس نور کو اصلاب طاہرہ سے ارحام مطہرہ میں منتقل کیا، اور ایسا کبھی بھی ناجائز تعلقات کی بناء پر نہیں ہوا؟ ان سب نے کہا ہم نے رسولؐ خدا سے ایسا ہی سنا ہے۔

پھر فرمایا تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم کو معلوم ہے کہ اللہ نے کئی آیتوں میں سابق کو مسبوق پر فضیلت دی ہے اور میں ہی وہ ہوں جس کے پہلے کوئی بھی اللہ اور اس کے رسولؐ قریب نہیں ہوا؟ سب نے کہا کہ ایسا ہی ہے! فرمایا: میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جب آیت "السابقون السابقون اولئک المقربون" نازل ہوئی تو رسولؐ خدا سے دریافت کیا گیا یہ کس کے بارے میں ہے، آپ نے فرمایا: اللہ نے انبیاء اور ان کے اوصیاء کے بارے میں نازل کیا ہے اور میں خدا کی طرف سے بھیجے گئے سارے انبیاء اور رسولوں سے افضل ہوں اور میرا وصی علیؑ تمام اوصیاء سے افضل ہے؟ سب نے کہا بیشک ایسا ہی ہے! فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم کو معلوم ہے کہ جب یہ آیتیں **ق۔۵۹** یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ اور" **ق۔۵۵** اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ ہ (سورۃ المائدہ /۵۵) اور "لم یتخذوا من دون اللہ

ولا رسولہ ولا المومنین ولیجۃ "نازل ہوئیں تو اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ وہ ان کے والیانِ امر کا اعلان کریں اور ان کے لیے ولایت کی اسی طرح تشریح کریں جس طرح ان کی نماز، زکواۃ حج کی تفسیر کی ہے چنانچہ آپ نے غدیر خم میں مجھے اپنا خلیفہ بنایا۔

خطبہ میں ارشاد فرمایا اے لوگوں خدا نے مجھے ایسی رسالت کے ساتھ بھیجا ہے جس کے بوجھ سے میرا سینہ تنگ ہو رہا تھا اور مجھے خیال تھا کہ لوگ مجھے جھٹلائیں گے تو میرے پرودگار نے مجھے ڈرایا کہ میں رسالت کو پہونچا دوں ورنہ مستحق عقاب ہوں گا، پھر آپ نے فرمایا تھا: کیا تم جانتے ہو کہ خدا میرا مولا ہے اور میں مومنین کا مولا ہوں اور میں ان کے نفوس پر خود ان سے زیادہ حق تصرف رکھتا ہوں؟ سب نے ہم آواز ہو کر کہا تھا: ایسا ہی ہے یا رسولؐ اللہ! تب حضرت نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: **من کنت مولاہ فعلی مولاۃ اللھم وال من والہ وعاد من عاداہ** اس وقت سلمان (فارسی) کھڑے ہوئے اور انہوں نے دریافت کیا یا رسولؐ اللہ! علی کی یہ اولا دکیسی ہے؟ فرمایا: اس کی ولایت میری ولایت جیسی ہے پس جس طرح میں کسی پر اولیٰ بالتصرف ہوں اس طرح علی بھی اس کے نفس پر خود سے حق تصرف رکھتا ہے تب یہ آیت نازل ہوئی "**الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا**" اُس وقت حضرتؑ نے تکبیر کہی اور ارشاد فرمایا: اکمال دین، تمام نعمت اور میرے پرورد گار کی رضا میری رسالت اور میرے بعد علی کی ولایت ہے۔ اصحاب نے دریافت کیا یا رسولؐ اللہ! کیا یہ آیتیں علی سے مخصوص ہیں؟ فرمایا ہاں! اس سے اور قیامت تک آنے والے میرے اوصیاء سے مخصوص ہیں اصحاب نے کہا ان کے نام ہمیں بتا دیجیے! فرمایا ان میں پہلا علی ہے جو میرا بھائی، میرا وارث اور مرا وصی ہے، اور میرے بعد سارے مومنین کا ولی ہے پھر میرے فرزند حسن اور اس کے بعد حسین اور پھر حسین کے نو فرزند یکے بعد دیگرے میرے وصی ہوں گے قرآن ان کے ساتھ ہے اور قرآن کے ساتھ ہیں نہ وہ قرآن سے جدا ہوں گے نہ ہی قرآن ان

سے جدا ہوگا یہاں تک کے وہ اور حوضِ کوثر پر میرے پاس پہنچ جائیں۔

یہ سن کر بعض تو بولے جیسا آپ نے بیان کیا ہے ویسا ہی ہم نے سنا اور دیکھا ہے مگر بعض بولے جو آپ نے کہا ہے اس کا اکثر حصہ ہمیں یاد ہے پوری باتیں یاد نہیں ہیں۔ پھر فرمایا: کیا تم جانتے ہوں جب آیت "**انما یریداللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا**" نازل ہوئی تو آپ نے مجھے فاطمہ، حسن اور حسین کو اکٹھا کیا اور ہم پر ایک چادر اوڑھا دی اور فرمایا: بارالٰہا یہ ہیں میرے اہلبیت جو انہیں ملول کرے وہ مجھے ملول کرے جو ان کے دل کو مجروح کرے پس ان سے رجس کو دور رکھ اور اس طرح انہیں پاک و پاکیزہ رکھ جو حق ہے پاک و پاکیزہ رکھنے کا، جس پر ام سلمٰی نے کہا تھا یارسولؐ اللہ اور میں! حضرت نے فرمایا تھا: تم خیر پر ہو، یہ سن کر سب کے سب بولے ہم گواہی دیتے ہیں کہ ام سلمٰی نے اس طرح ہم سے بیان کیا تھا۔

پھر فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم جانتے ہو جب آیت "**یا ایھا الذین اٰمنوا اتقواللہ و کونو مع الصادقین**" نازل ہوئی تو سلمان نے عرض کیا یارسولؐ اللہ! یہ حکم عام ہے یا خاص؟ حضرت نے فرمایا عمل کرنے کا حکم تو تمام مومنین کو دیا گیا ہے لیکن "صادقین" خاص افراد ہیں اور وہ میرا بھائی علی اور اس کے بعد قیامت تک ہونے والے اس کے اوصیاء ہیں؟ سب نے کہا ایسا ہی ہے! فرمایا: تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں بتاؤ جب میں نے رسولؐ خدا سے غزوہ تبوک میں کہا تھا آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جاتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا تھا مدینہ کے لیے مجھ سے یا تم سے بہتر کوئی شخص نہیں ہے اور تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی فرق اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا؟ سب نے کہا رسولؐ خدا نے ایسا فرمایا تھا! فرمایا: بخدا کیا تم جانتے ہو جب اللہ نے سورہ حج کی یہ آیت

۴۶ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ہ نازل کی تو سلمان نے عرض کی یارسولؐ اللہ جن پر آپ شاہد ہیں اور خدا نے انہیں چنا ہے اور آئین ابراہیم کی طرح دین میں تنگی وحرج قرار نہیں دیا ہے، کون حضرات ہیں؟ فرمایا وہ تیرہ خاص افراد ہیں سلمان نے کہا یارسولؐ اللہ وہ تیرہ لوگ کون ہیں! فرمایا: میں، میرا بھائی علی اور گیارہ میرے فرزند؟ مہاجرین وانصار نے کہا ہمیں معلوم ہے!

فرمایا: بخدا تمہیں معلوم ہے کہ رسول خدا نے متعدد مقامات پر خطبے دیئے تھے اور آخری خطبہ جو دیا تھا کہ پھر اس کے بعد کوئی خطبہ نہیں دیا ارشاد فرمایا تھا: "**ایھا الناس! انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اھلبیتی فتمسکوا بھما لن تضلوا، فان اللطیف الخبیرا خبرنی وعھدالی انھمالن یفترقا حتی یرد اعلی الحوض**"؟ یہ سن کر سارے مہاجرین وانصار بول اٹھے: ہم گواہی دیتے ہیں کہ رسولؐ خدا نے یہی ارشاد فرمایا تھا۔ (ینابیع المودۃ ص ۱۱۶۔۱۱۴)

۳۔ سلیمان بن ابراھیم بلخی حنفی قندوزی "ینابیع المودۃ" باب ۳۸ میں آیت "**یا ایھا الذین آمنوا واطیعوا الرسول واولی الا مرمنکم**" کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "مناقب میں سلیم بن قیس ہلالی سے مذکورہ سند کے ساتھ منقول ہے کہ ایک شخص حضرت علی کے پاس آیا اور اس نے کہا یہ بتایئے سب سے چھوٹی چیز کونسی ہے جسکی وجہ سے بندہ مومن ہوتا ہے اور سب سے چھوٹی چیز کونسی ہے جس کی وجہ سے بندہ کافر ہوتا ہے اور سب سے چھوٹی چیز کونسی ہے جس کی وجہ سے بندہ گمراہ ہوتا ہے؟

آپ نے فرمایا: جب تو نے پوچھا ہے تو جواب بھی سن لے جس چیز کی وجہ سے بندہ مومن

ہوجاتا ہے یہ ہے کہ اللہ اپنے کو پہچانے اور وہ بندہ اس کی اطاعت کا اقرار کرے اپنے نبی کو پہنچوائے! وہ اس کی اطاعت کا اقرار کرے راوی نے کہا یا امیر المومنین جن چیزوں کو آپ نے بیان کیا ہے ان کے علاوہ اور فرمایا: جس کام کا انجام دینے کا حکم دیا گیا ہو اس کی اطاعت کرے اور جس چیز سے منع کیا گیا ہو اس کو انجام نہ دے اور سب سے چھوٹی چیز جس سے بندہ کافر ہو جاتا ہے یہ ہے کہ جن چیزوں کا انجام دینے سے خدا نے منع کیا ہو اس کو وہ امر خداوندی سمجھ کر دین کا جز قرار دے اور وہ تو یہ سمجھ رہا ہے کہ خدا کی بندگی کر رہا ہے کہ وہ درحقیقت شیطان کی بندگی کر رہا ہے اور سب سے چھوٹی چیز جس سے بندہ گمراہ ہوتا ہے یہ ہے کہ حجت خدا اور اس کی طرف سے بندوں پر شاہد حضرات کو نہ پہچانے جن کی اطاعت کا خدا نے حکم دیا ہے اور ان کی ولایت کو واجب قرار دیا ہے۔

میں (سائل) نے کہا یا امیر المومنین ذرا بتایئے وہ کون ہیں، فرمایا: یہ وہی ہیں جن کو خدا نے اپنا اور اپنے رسول کا قرین و مصاحب قرار دیا اور فرمایا "**یا ایھا الذین امنو الطیعو اللــه واطیعوا الرسول واولی الامر منکم** (نساء/۵۹) میں نے حضرت سے کہا خدا مجھے آپ پر فدا کرے تھوڑی اور وضاحت کیجئے! فرمایا یہ وہی افراد ہیں جن کے بارے میں رسول خدا نے متعدد مقامات پر اور اس دن جس دن آپ کی قبض روح ہوئی فرمایا: میں نے تم میں ایسی چیزیں چھوڑیں کہ اگر تم ان سے وابستہ رہے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے ایک خدائے لطیف خبیر۔ مجھے خبر دی ہے کہ یہ دونوں کبھی جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر اس طرح وارد ہوں جیسے یہ دونوں انگلیاں یعنی آپ نے دونوں انگشت شہادت کی طرف اشارہ کر کے یہ جملہ ارشاد فرمایا تھا (نہ کہ انگشت شہادت اور بیچ والی انگلی ملا کر) لہذا ان دونوں کے دامن سے وابستہ رہوں اور ان سے آگے نہ بڑھنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے"۔ (ینابیع المودۃ ص ۱۱۶)

﴿مذکورہ بالا حدیث سے درجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں:﴾

ا۔ آئمہ معصومینؑ کی معرفت واجب اور ارکان ایمان میں سے ہے

۲۔ جو شخص بھی خدا اور رسول کی طرح آئمہؑ کو نہ پہچانے وہ گمراہ ہے

۳۔ آئمہ معصومینؑ زمین پر خدا کی حجت اور خدا کی طرف سے خلق خدا پر شاہد ہیں

۴۔ خدا نے آیت "اولی الامر" اور حدیث ثقلین میں "اھلبیت" سے مراد آئمہ معصومینؑ ہیں کیونکہ حضرت علیؑ نے "اولی الامر" کی توضیح میں "حدیث ثقلین" بیان کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ "اولی الامر" وہی اہلبیتؑ ہیں اور "اہلبیتؑ" وہی اولی الامر ہیں۔ ان باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک متدین انسان کیسے کہہ سکتا ہے کہ "حدیث ثقلین" شیعوں کے دعوے کو ثابت نہیں کر رہی ہے اور اس حدیث کا امام وخلافت سے کوئی ربط نہیں ہے؟

﴿۲۴۔ حدیث ثقلین سے امام حسنؑ کا احتجاج﴾

جب لوگوں نے امام حسنؑ کی بیعت کی اور انہیں اپنا خلیفہ منتخب کیا تو آپ نے اپنے فصیح و بلیغ خطبوں میں "حدیث ثقلین" سے احتجاج و استدلال کیا تھا اور دیگر دلیل قاطع کے علاوہ اس حدیث سے بھی امامت وخلافت کے لئے اپنی اہلیت کو ثابت کیا تھا، چنانچہ شیخ سلیمان قندوزی حنفی "ینابیع المودۃ" میں لکھتے ہیں: "مناقب میں ہشام بن حسان سے منقول ہے کہ جب لوگوں نے حسن بن علی علیہ السلام کی بیعت کی اور انہیں اپنا ولی امر منتخب کیا تو آپ نے خطبہ دیا جس میں ارشاد فرمایا: ہم ہی وہ گروہ ہیں جو کامیاب ہیں! ہم ہی رسولؐ خدا کے نزدیک ترین رشتہ دار ہیں، ہم ہی دو ثقل میں سے ایک ہیں جنہیں میرے جدر رسولؐ خدا نے اپنی امت میں اپنا جانشین چھوڑا! ہم ہی ثانی کتاب ہیں جس میں ہر چیز تفصیل موجود ہے اور اس میں باطل نہ سامنے سے آسکتا ہے نہ ہی پشت سے، پس قرآن کی تفسیر میں ہم

پر اعتماد کرو کیونکہ ہم اس کی تاویل ظن وگمان سے نہیں جانتے بلکہ قطع ویقین سے جانتے ہیں، لہٰذا ہماری اطاعت کرو اس لئے کہ ہماری اطاعت فرض اور خدا رسولؐ کی اطاعت کے قرین ومصاحب ہے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے "**یا ایھا الذین آمنو اطیعو اللہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم فان عدئم فی شیء فردوہ الی اللہ والی الرسول**" نیز ارشاد فرمایا" **ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم**" شیطانی آواز سننے سے پرہیز کرو کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

(ینابیع المودۃ ص ۲۱ (اسی خطبہ کو تھوڑے الفاظ کے اختلاف اور بعض جملوں کے اضافے کے ساتھ مسعودی متوفی ۳۴۶ھ نے "مروج الذھب" (مطبوعہ مؤسسہ اعلمی بیروت) ج ۳ ص ۱۱ باب ذکر خلافۃ الحسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنھما میں نقل کیا ہے، مترجم)

ا۔حضرتؑ نے فرمایا: یہ آیت "**ومن یقول اللہ ورسولہ والذین آمنوا فان حزب اللہ ھم الغالبون**" اہلبیتؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور ہم ہی وہ گروہ خدا ہیں جو غالب ہیں کہ یہ خود ان کی بزرگی، افضلیت اور امامت پر ایک دلیل ہے۔

۲۔فرمایا: "ہم ہی ان دو ثقل میں سے ایک ہیں جنہیں رسولؐ خدا نے امت میں اپنا جانشین چھوڑا ہے" یہ اشارہ ہے حدیث ثقلین کی طرف۔ نیز آپ بتانا چاہ رہے تھے کہ حدیث ثقلین ہماری امامت پر دلالت کرتی ہے۔

۳۔فرمایا: "ہم ہی خدا کی دوسری کتاب ہیں جس میں ساری چیزوں کی تفصیل موجود ہے کہ میرے جد محمدؐ تک بہترین خاندان میں ہمیں قرار دیا، جب خدا نے انہیں (پیغمبرؐ اسلام کو) نبی بنایا اور

رسالت کے لئے ان کا انتخاب کیا اور ان پر اپنی کتاب نازل کی تو میرا باپ پہلا شخص تھا جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لایا اور ان کی تصدیق کی۔

خداوند عالم نے اپنے نبی مرسل پر نازل کردہ کتاب میں ارشاد فرمایا: "**افمن کان علی بینته من ربه ویتلو شاهد منه** "پس میرے ہی جد خدا کی طرف سے "بینۃ" ہیں اور میرے ہی باپ جو ان کے بعد آئے ان کے گواہ اور شاہد ہیں۔ میرے جد نے میرے باپ کو جب موسم حج میں سورۃ برائت کی تبلیغ کے لئے مکہ بھیجنا چاہا تو فرمایا: اے علی اس سورۃ (برائت) کو تم لے کر جاؤ اس لئے کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ اس سورہ کی تبلیغ یا خود میں کروں یا وہ جو مجھ سے ہے اور تم مجھ سے ہو، پس میرا باپ میرے نانا سے اور میرا نانا خدا سے ہیں۔ جب میرے نانا نے میرے باپ، میرے چچا جعفر اور ان کے غلام زید بن حارثہ کے درمیان جناب حمزہ کی بیٹی کے سلسلے میں فیصلہ کرنا چاہا تو میرے نانا نے ارشاد فرمایا: اے علی تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں اور تم ہی میرے بعد تمام مومنین و مومنات کے ولی ہو، ہمیشہ میرا باپ میرے نانا کی حفاظت کی خاطر سپر بنا رہتا تھا اعتماد و اطمینان کی وجہ سے میرے باپ ہی کو میرے نانا ہر جگہ بھیجتے تھے۔

ارشاد الٰہی ہے "**والسابقون السابقون اولئک المقربون**" اور میرے ہی باپ نے خدا اور رسولؐ پر ایمان لانے میں سبقت کی اور خدا اور رسول کی نظر میں سب سے زیادہ مقرب آپ ہی تھے اور اس وقت سوائے خدیجہ کے کوئی بھی ایمان نہیں لایا تھا، اور جس طرح خدا نے سابقین کو متاخرین پر فضیلت دی ہے اسی طرح سابقین پر اسبق السابقین کو فضیلت دی ہے۔ یہ آیت میرے ہی باپ کی شان میں نازل ہوئی ہے **ة۔19** **اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ه** دیگر بہت سے اصحاب

طرح حمزہ اور جعفر بھی شہید ہوئے لیکن اللہ نے میرے نانا سے ان دونوں کی قرابت کی وجہ سے حمزہ کو سید الشہداء کا درجہ دیا اور جعفر کو دو بال و پر عطا کئے کہ ملائکہ کے ساتھ جنت میں پرواز کریں۔ شہدائے احد میں صرف حمزہ پر میرے نانا نے ستر نمازیں پڑھی تھیں۔

خدا نے اپنے نبی کی بیویوں میں سے نیک اعمال کرنے والیوں کی دوگنی جزا معین کی اور برے اعمال انجام دینے والیوں کی دوگنی سزا، اور یہ امتیاز میرے نانا سے نسبت کی وجہ سے تھا۔ مسجد الحرام کو چھوڑ کر ساری مسجدوں کے درمیان مسجد النبی میں پڑھی جانے والی ایک رکعت کو خدا نے ایک ہزار رکعتوں کے برابر قرار دیا اور ایسا صرف میرے نانا کے احترام میں کیا ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی **ق۔۵۶** **اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ط يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ه** تو اصحاب نے دریافت کیا یا رسول اللہؐ ہم کیسے آپ پر صلوۃ بھیجیں؟ آپ نے فرمایا: کہو "**اللھم صل علی محمد و آل محمد**" پس ہر مسلمان پر واجب ہے کہ میرے جد کے ساتھ ہم پر بھی صلوۃ بھیجے۔

خدا نے غنائم کا پانچوں حصہ اپنے رسول کے لئے حلال کیا اور اپنی کتاب میں اس (خمس) کو واجب قرار دیا، اور خدا نے جو اپنے نبی کے لئے واجب قرار دیا وہ ہی ہم اہلبیت کے لئے بھی اور اپنے نبی پر بھی صدقہ حرام قرار دیا اور ہم پر بھی، پس خدا کا شکر کہ جن چیزوں سے اپنے نبی کو پاک و منزہ رکھا ان ہی سے ہم کو بھی پاک منزہ رکھا، اور جو چیزیں اپنے نبی کے لئے حلال قرار دیں ان ہی کو ہمارے لئے حلال قرار دیں، جب کفارِ اہل کتاب نے کٹ حجتی کی تب خدا نے میرے نانا کو حکم دیا: "**ق۔۶۱** **فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ م بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ**

وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَکُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ہ اور میرے نانا "النفس" کی جگہ میرے باپ کو اور "بنین" کی جگہ مجھے اور میرے بھائی حسین کو اور "نساء" کی جگہ میری ماں کو اپنے ہمراہ مباہلہ کے لئے لے کر گئے تھے پس ہم ہی ان کے اہل، ان کے گوشت، ان کے خون اور ان کی جان ہیں، ہم ان (نبی) سے ہیں اور وہ ہم اہلبیت سے ہیں۔

سبیلِ سکینہ حیدرآباد لطیف آباد

یہ آیت مباہلہ کہلاتی ہے۔ مباہلہ کے معنی ہیں دو فریق کا ایک دوسرے پر لعنت یعنی بد عا کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ جب دو فریق میں کسی معاملے کے حق یا باطل ہونے میں اختلاف ہو اور دلائل سے وہ ختم ہوتا نظر نہ آتا ہو تو دونوں بارگاہ الٰہی میں یہ دعا کریں کہ یا اللہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے، اس پر لعنت فرما، اس کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ ۹ ہجری میں نجران سے عیسائیوں کا ایک وفد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو وہ غلو آمیز عقائد رکھتے تھے اس پر مناظرہ کرنے لگا۔ بالآخر یہ آیت نازل ہوئی اور نبی ﷺ نے انہیں مباہلہ کی دعوت دی حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ اور حضرت حسن، حسین رضی اللہ عنہم کو بھی ساتھ لیا اور عیسائیوں سے کہا کہ تم بھی اپنے اہل وعیال کو بلا لو اور پھر ملکر جھوٹے پر لعنت کی بد دعا کریں عیسائیوں نے باہم مشورے کے بعد مباہلہ کرنے سے گریز کیا اور پیش کش کی کہ آپ ہم سے جو چاہتے ہیں ہم دینے کے لئے تیار ہیں۔ چنانچہ نبی ﷺ نے ان پر جزیہ مقرر فرمایا جس کی وصولی کے لئے آپ ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کو، جنہیں آپ ﷺ نے آمین اُمت کا خطاب عنائت فرمایا تھا ان کے ساتھ بھیجا (تفسیر ابن کثیر و فتح القدیر وغیرہ) جب یہ آیت نازل ہوئی، ق۔۳۳ **اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ہ** تب میرے نانا نے حجرۂ ام سلمیٰ میں مجھے، میرے بھائی، میری ماں اور میرے باپ کو چادر کے نیچے جمع کیا اور فرمایا: پروردگارا یہ ہیں میرے اہلبیت اور میرے خواص اور ان سے ہر طرح کے رجس کو دور رکھ اور اس طرح انہیں پاک و

پاکیزہ رکھ جو حق ہے رکھنے کا ام سلمی نے کہا: یارسول اللہ میں بھی چادر میں داخل ہو جاؤں؟ فرمایا: تم اپنی جگہ کھڑی رہو، تم خیر پر ہو، یہ آیت صرف میرے اور میرے اہلبیت کے بارے میں ہے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی "۲۰:۱۳۲ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ط لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا ط نَحْنُ نَرْزُقُكَ ط وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ہ اپنے گھرانے کے لوگوں پر نماز کی تاکید رکھ اور خود بھی اس پر جمارہ ہم تجھ سے روزی نہیں مانگتے، بلکہ ہم خود تجھے روزی دیتے ہیں، آخر میں بول بالا پرہیزگاری ہی کا ہے۔" تو میرے نانا ہر روز طلوع فجر کے وقت آتے تھے اور فرماتے تھے الصلوۃ یا اھل البیت یرحکم اللہ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا جتنے دروازے مسجد کی طرف کھلتے تھے سب کو میرے جد نے بند کروادیا تھا سوائے ہمارے دروازہ کے، اور جب لوگوں نے چہ میگوئیاں کیں تو فرمایا: اپنی طرف سے میں نے نہ تمہارے دروازے بند کیے دروازے بند کرنے کا بھی حکم خدا نے دیا ہے اور در علی کے کھلے رہنے کا بھی حکم اسی نے دیا ہے۔

اس امت نے میرے نانا کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ جب بھی کبھی امت نے اعلم کے ہوتے ہوئے اپنے امور کی باگ دوڑ کسی اور کے ہاتھ میں دی تو پستی میں اس وقت تک گرتی رہی جب تک کہ اس نے اعلم کی طرف رجوع نہیں کر لیا، اور میرے باپ کے لئے آنحضرت کو یہ کہتے سنا ہے "انت بمنزلۃ ھارون من موسی الا انہ لانبی بعدی" (یعنی اے علیؑ تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔)

امت نے دیکھا اور سنا ہے کہ میرے نانا نے غدیر خم میں میرے باپ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: "من

کنت مولا فعلی مولا اللھم وال من والہ وعاد من عاداہ "پھر انہیں حکم دیا کہ جو حاضر ہیں وہ غائب کو اس کی اطلاع دیں۔ پھر حسن بن علی سلام اللہ علیہ نے فرمایا: لوگو! اگر تم "جابلقا" اور "جابلسا" کے درمیان ایسے شخص کو تلاش کرنا چاہو گے جس کا نانا نبی اور اس کا باپ اس نبی کا وصی ہو تو میرے اور میرے بھائی کے علاوہ کسی اور کو نہیں پاؤ گے لہذا خدا سے ڈرو تا کہ گمراہ نہ ہو اے لوگو! جن چیزوں سے خدا نے ہمیں نوازا ہے اور ہمارے جن فضائل کو خدا نے اپنی کتاب اور اپنے نبی کے ذریعے بیان کیا ہے اگر ان کو میں بیان کروں تو تم ان کو شمار نہیں کر سکتے، میں ہی ابن بشیر ہوں۔ میں ہی ابن نذیر ہوں اور میں ہی ابن سراج منیر ہوں کہ جس کو کائنات کے لئے رحمت بنا کر بھیجا تھا۔

خدا کی قسم اگر لوگ "ثقلین" سے وابستہ رہتے تو قیامت تک وہ زمین و آسمان کی نعمتوں سے بہرہ مند ہوتے رہتے۔ ارشاد الٰہی ہے: "**لو انھم اقاموا التوراۃ والانجیل**" نیز فرمایا: "**ولو ان اھل القریٰ آمنوا**" ہم ہی خدا اور اس کے رسول کی نظر میں بہترین مخلوق ہیں۔ اے لوگو! میری باتوں پر دھیان دو اور ان کو اپنے ذہن میں محفوظ کر لو اور تقوائے الٰہی اختیار کرو تم حق کی طرف آنا چاہتے ہو مگر طغیان اس راہ میں حائل ہے" امام حسنؑ نے معاویہ سے صلح کرتے وقت اہلبیتؑ کی افضلیت پر دیگر ادلہّ کے ساتھ "حدیث ثقلین" سے بھی احتجاج کیا تھا۔ علامہ سبط ابن جوزی "تذکرۃ خواص الامتہ" میں لکھتے ہیں:

"جب معاویہ کوفہ آیا تو عمرو عاص نے اس سے حسن بن علی کو خطبہ دینے کے لئے کہا تھا کہ آپ کی کوئی کمزوری پکڑے چنانچہ معاویہ نے ایسا ہی کیا اور اس کے کہنے پر حضرت رونق افروز منبر ہوئے اور فرمایا: اے لوگو! خدا نے ہماری پہلی فرد سے تمہاری ہدایت کی اور ہماری آخری فرد سے تمہارے خون کی محافظت کی ہم ہی تمہارے نبی کے اہلبیت ہیں اور ہم ہی سے خدا نے ہر طرح کی پلیدگی کو دور رکھا۔

اس طرح پاک و پاکیزہ رکھا جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق تھا، اور خداوند عالم نے اپنے نبی سے فرمایا:
"ان ادری لعله فتنة لكم و متاع الى حين" (میں یہ بھی نہیں جانتا کہ شاید یہ (تاخیر عذاب) تمہارے واسطے امتحان ہو اور ایک معین مدت تک تمہارے لئے چین ہو سورۂ انبیاء/۱۱۱) یہ سن کر چیخ مار مار کر رونے لگے، معاویہ نے عمرو عاص سے کہا دیکھا اپنے مشورے کا نتیجہ؟! معاویہ نے پھر (امام) حسن سے کہا اے ابو محمد اب بس کیجئے! اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ (امام حسنؑ) نے فرمایا:
ہم ہیں خدا کے کامیاب گروہ، اس کے رسول کی پاک عترت اور اس کے طیب و طاہر اہلبیت اور ان دو ثقل میں سے ایک ہیں جنہیں رسولؐ خدا نے تم میں اپنا جانشین چھوڑا ہے، اور ہماری اطاعت خدا کی اطاعت سے ملی ہوئی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے ۵۹ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ معاویہ مجھے ایسے کام کی طرف دعوت دے رہا ہے جس میں نہ عزت ہے نہ شرف، اگر تم ہمارا ساتھ دو گے تو ہم اس سے جنگ کریں گے اور اگر ساتھ نہیں دو گے تو اس کی باتوں کو مان لیں گے، یہ سن کر ہر طرف سے آواز آنے لگی کچھ اور کہیں! کچھ اور کہیں!۔ (تذکرۃ خواص الامۃ ص ۱۹۸) اہلسنت کی نظر میں اکابر صحابہ میں عمرو عاص کا شمار ہوتا ہے، عمرو عاص نے معاویہ کے نام اپنے خط میں حضرت علیؑ کی فضیلت میں "حدیث منزلت" "حدیث غدیر" "حدیث خیبر" "حدیث طیر" "حدیث علی امام البررہ" اور "حدیث علی ولیکم من بعدی" کے ساتھ "حدیث ثقلین" بھی لکھی تھی کہ ان میں کی ہر حدیث حضرت علیؑ کی امامت و خلافت پر واضح دلیل ہے، معاویہ کے خط کے جواب میں عمرو عاص نے جو خط لکھا تھا اس کو خوارزمی نے اپنی "المناقب" میں یوں نقل کیا ہے

"معاویہ تمہارا خط ملا اور اس کو پڑھا، مگر جس چیز کی طرف تم نے مجھے دعوت دی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھوں اور گمراہی میں تمہاری ہمراہی کروں اور غلط کام میں تمارا ساتھ دوں اور علی بن ابی طالب کے سامنے شمشیر لے کر نکل آؤں جب کہ وہ (حضرت علیؑ) رسول خدا کے بھائی، آپ کے وصی آپ کے وارث، آپ کے قرض کو ادا کرنے والے، آپ کے وعدے کو پورا کرنے والے، آپ کی بیٹی جو جنت کی عورتوں کی سردار ہیں کے شوہر اور آپ کے نواسے حسن و حسین جو جنت کے جوانوں کے سردار ہیں کے باپ ہیں، اور تم نے اپنے بارے میں جو یہ لکھا ہے کہ عثمان کے تم خلیفہ ہو تو سچ لکھا ہے، لیکن اب تمہارا ان کی جانشینی سے معزول ہونا ثابت ہو گیا ہے اور تمہارے غیر کی بیعت ہو گئی ہے اور تمہاری خلافت ختم ہو گئی ہے اور تم نے جو مجھے رسول خدا کا صحابی اور آنحضرت کے لشکر کا سردار کہا ہے تو میں تمہاری ان تعریفوں سے مغرور ہونے والا نہیں اور نہ ہی اپنے دین سے منحرف ہونے والا ہوں اور تم نے جو رسول خدا کے بھائی اور وصی ابوالحسن پر عثمان کے خلاف بغاوت اور حسد کا الزام لگایا ہے اور صحابیوں کو فاسق کہا ہے اور تمہارا خیال ہے کہ انہوں (علیؑ) نے ان (صحابیوں) کو قتل عثمان پر اکسایا تھا، تو یہ سب کی سب گمراہ کرنے والی تمہاری باتیں ہیں۔

وائے ہو تم پر اے معاویہ! کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ابوالحسن نے رسول خدا پر جان نثار کی اور ان کے بستر پر سو گئے؟ ان ہی نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور ہجرت کی رسول خدا نے ان کی شان میں فرمایا: "**ھو منی وانا منه و ھو منی بمنزلة ھارون من موسی الا انه لا نبی بعدی**" (یعنی وہ (علیؑ) مجھ سے ہے اور میں اس (علیؑ) سے ہوں اس کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسی سے تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا) اور ان ہی کی شان میں رسول خدا نے غدیر خم میں ارشاد فرمایا: "**من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ و انصر من نصرہ واخذل من خذله**" (یعنی جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا

ہے اے خدا تو اس کو دوست رکھ جو علی کو دوست رکھے اور تو اس کو دشمن رکھ جو علی کو دشمن رکھے، تو اس کی مدد کر جو علی کی مدد کرے اور تو اس کو چھوڑ دے جو علی کو چھوڑ دے) ان ہی کی شان میں حضرت نے خیبر کے دن ارشاد فرمایا: "**لاعطین الرایة غداً وجلاً یحب الله ورسوله ویحبه الله ورسوله** " (یعنی کل میں ایسے شخص کو علم دوں گا جو خدا اور رسول کو دوست رکھتا ہے اور خدا اور رسول اس کو دوست رکھتے ہیں) جب بھنا پرندہ آیا تو ان ہی کے بارے میں فرمایا: "**اللھم ائتنی باحب خلقک الیک، فلما دخل علیه قال والی والی** " (یعنی خداوندا اس وقت اس شخص کو میرے پاس بھیج جو تیری تمام مخلوق میں تجھ کو سب سے زیادہ محبوب ہو، جیسے ہی علیؑ حضرت کے پاس آئے فرمایا: علیؑ اور نزدیک آؤ، اور نزدیک آؤ) ان ہی کے بارے میں فرمایا:

"**علی امام البررة وقاتل الفجرہ، منصور من نصرہ، مخذول من خذله** " (یعنی علیؑ نیک لوگوں کا پیشوا اور بدکاروں کا قاتل ہے، اس کی مدد کرنے والا منصور اور اس کو چھوڑنے والا مخذول ہے) ان ہی کی شان میں فرمایا: "**علی ولیکم من بعدی** " (یعنی میرے بعد علی تمہارا ولی ہے) حضرت ہی نے تجھ سے، مجھ سے اور سارے مسلمانوں سے خطاب ارشاد فرمایا: "**انی مخلف فیکم الثقلین کتاب الله وعز وجل و عترتی** " (یعنی میں تم میں ثقلین کو اپنا جانشین چھوڑے جا رہا ہوں ایک خدائے عز و جل کی کتاب اور دوسرے میری عترت) فرمایا: "**انا مدینة العلم و علی بابھا**" (یعنی میں شہر علم ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے)

اے معاویہ تو اچھی طرح جانتا ہے کہ خدا نے جو آیتیں ان (علیؑ) کی فضیلت میں نازل کی ہیں ان میں کوئی شریک نہیں ہے جیسے یہ آیتیں "**۞ یُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَیَخَافُونَ یَوْمًا کَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِیرًا** " جو نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی برائی چاروں

طرف پھیل جانے والی ہے۔ ۵-۵۵ اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ وَهُمْ رٰکِعُوْنَ ہ (سورۃ المائدہ ۵۵/) "فمن کان علی بینة من ربه ویتلوه شاهد منه" "رجال صدقوا ما عاهدوا الله علیه" اور خداوند عالم نے اپنے رسولؐ سے فرمایا: ۴۲-۲۳ "قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی" اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے ان (علیؑ) سے فرمایا: وتکون اخی وولیی فی الدنیا والآخرة؟ یا اباالحسن! من احبک فقد احبنی ومن ابغضک فقد ابغضنی و من احبک ادخله الله الجنة و من ابغضک ادخله النار"

(یعنی اے علیؑ کیا تم نہیں چاہتے کہ تمہاری صلح میری صلح، تمہاری جنگ میری جنگ اور دنیا اور آخرت میں تم میرے بھائی اور ولی ہو؟ اے ابوالحسن جس نے تجھ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی جس نے تجھ سے عداوت رکھی اس نے مجھ سے عداوت رکھی اور جس نے تجھ سے محبت کی اس کو خدا جنت میں اور جو تجھ سے عداوت رکھے گا اس کو جہنم میں داخل کرے گا) اے معاویہ تو نے میرے نام جو خط لکھا ہے اس کا جواب یہ ہے، اور ایسی باتیں نہیں ہیں جن کے ہوتے ہوئے کوئی عقلمند یا دیانتدار دھوکا کھائے۔ والسلام" (مناقب خوارزمی ص ۱۳۰-۱۲۸)

﴿۲۶۔ حسن بصری اور حدیث ثقلین﴾

حسن بصری جو بزرگ تابعی اور اہلسنت کے عظیم المرتبت پیشواؤں میں سے ہیں، انہوں نے حدیث ثقلین کو حضرت علیؑ کی ان فضیلتوں کے ضمن میں بیان کیا ہے جن میں کی ہر ایک حضرت علیؑ کی خلافت پر واضح دلیل ہے، چنانچہ ابن ابی الحدید "شرح نہج البلاغ" میں لکھتے ہیں: "واقدی کا کہنا

ہے کہ کسی نے حسن (بصری) سے علیؑ کے بارے میں یہ خیال کرتے ہوئے کہ وہ ان کے بارے میں اچھے نظریئے کا اظہار نہیں کریں گے، سوال کیا، حسن بصری نے جواب دیا کہ میں اس ذات کے بارے میں کیا کہوں جس میں چار فضیلتیں جمع ہوگئی ہیں ا۔ سورہ برائت کے پہونچانے میں رسولؐ خدا نے انہیں اپنا امین سمجھا ۲۔ وہ بات جو رسولؐ خدا نے ان کے بارے میں فرمائی (یعنی حدیث منزلت) پس اگر نبوت کے علاوہ کوئی چیز علی میں نہ ہوتی تو حضرت اس کو بھی مستثنیٰ کر دیتے ۳۔ رسول خدا نے کتاب خدا اور اپنی عترت کو دو ثقل کہا ہے ۴۔ حضرت نے کسی کو ان (علیؑ) کا امیر نہیں بنایا اور اگر کسی کو بنایا بھی تو ان کے علاوہ اوروں کو امیر بناتے"۔ (شرح نہج البلاغہ ج ۴ ص ۹۵)

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حسن بصری نے حضرت علیؑ کے فضائل میں سے چار فضیلتوں کو اہم سمجھا ہے: ا۔ ابلاغ سورہ برائت میں حضرت کا آپ کو امین سمجھنا ۲۔ جنگ تبوک میں آپ کے بارے میں حضرت کا "حدیث منزلت" ارشاد فرمانا۔ اس کے بعد حسن بصری نے کہا کہ حضرت علیؑ میں نبوت کے علاوہ کوئی اور چیز نہ ہوتی تو حضرت ضرور اس کو بھی مستثنیٰ کرتے (اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ میں نبوت کے علاوہ آنحضرت کے سارے فضائل موجود تھے) ۳۔ حدیث ثقلین کا بیان کرنا ۴۔ حضرت علیؑ پر کسی کا امیر نہ ہونا۔ ظاہری بات ہے کہ حضرت کا ابوبکر کو سورہ برائت پہونچانے سے روکنا اور اس ذمہ داری کو حضرت علیؑ کی سپرد کرنا حضرت علیؑ کی خلافت کو ثابت اور اوروں کی خلافت کو باطل کرنا ہے، اسی طرح آنحضرتؐ کا کسی کو حضرت علیؑ کا امیر نہ بنانا اور اوروں پر دوسروں کو امیر بنانا آپ کی امارت وخلافت پر بہترین دلیل ہے، حسن بصری نے حضرت علیؑ کی امامت پر مذکورہ دلائل کے علاوہ "حدیث ثقلین" سے بھی استدلال کیا ہے۔

حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل پر بہت سے ادلہ میں سے یہ تھے چند دلائل جنہیں رسولؐ خدا کی متواتر اور قطعی الصدور حدیث "حدیث ثقلین" کی روشنی میں پیش کیا ہے، اور یہی شاہ صاحب (مؤلف

ت تحفہ) کے اس بیان کے غلط ہونے کے لئے کافی ہے کہ "حدیث ثقلین کا امامت سے کوئی ربط نہیں ہے" جب کہ "حدیث ثقلین" کا ربط امامت ہی سے ہے۔

شیعہ سُنی افتراق کا آغاز مسئلہ امامت کیوں ہے؟

اس افتراق کی اطلاع قرآن وسنت میں موجود ہے مثلاً قوم موسیٰ کے بارے میں ۱۵۹ و مِنْ قَوْمِ مُوسَىٰٓ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَ بِهٖ يَعْدِلُوْنَ ہ الاعراف آیت ۱۵۹۔ "موسیٰ کی قوم میں دو گروہ ہوئے ایک حق کیساتھ رہا اور دوسرا حق سے منحرف ہوگیا"۔ اسی طرح عیسیٰؑ کی اُمت کے بارے میں ہے ۲۷ وَجَعَلْنَا فِىْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً الحدید آیت ۲۷۔ "ہم نے عیسیٰؑ کی پیروی کرنے والوں کے دلوں کو رفعت ورحمت سے بھر دیا" اور دوسرے وہ تھے جنہوں نے پیروی نہیں کی، پھر اس اُمت کے بارے میں ہے (وما محمد الارسول قدخلت من قبله الرسل افان مات اوقتل انقلبتم على اعقابكم) آل عمران آیت ۱۴۴، رسولؐ کے بعد پُرانے دین پر پھر جانے کی پیشن گوئی کی گئی ہے لہذا کچھ وہ جو دین پر قائم رہیں گے اور کچھ پھر جائیں گے۔

اور رسول اللہؐ نے فرمایا (افترقت امة اخی موسی علی سبعین فرقة کلهافی النار الا واحدة، وافترقت امة اخی عیسی علی احدی وسبعین فرقة کلهافی النار الا واحدة وستفترق هذه الامة علی ثلاث وسبعین فرقة کلهافی النار الا واحدة، وهی التی تبعت ما انا علیه

واھل بیتی)" موسیٰ کی اُمت ستر فرقوں میں تقسیم ہوئی اُن میں صرف ایک جنتی باقی سب ناری ہیں عیسیٰ کی اُمت اکہتر فرقوں میں بٹی ایک جنتی اور باقی سب ناری ہیں اور یہ اُمت تہتر فرقوں میں بٹے گی جس میں صرف ایک جنتی اور باقی سب ناری ہوں گے اور میرے ساتھ وہ ہے جس نے اُس کی پیروی کی جس پر میں ہوں اور میرے اہل بیتؑ" اور ایک روایت میں ہے (ماانا علیہ واصحابی) یعنی جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔

اس بیان سے پتہ چلتا ہے کہ جنتی فرقہ وہ ہے جو آل محمدؐ کا پیروکار ہو کیونکہ آل کا شمار اصحاب میں بھی ہوتا ہے جبکہ اصحاب کا شمار آل میں نہیں ہوتا لہذا جہاں آل ہے وہاں اصحاب ہیں جبکہ اس کا الٹ صحیح نہیں اس بنیاد پر کہا جاتا ہے (اہل اللہ) اصحاب اللہ نہیں کہا جاتا۔ پس آل نبی اصحاب نبی بھی ہیں جبکہ اصحاب نبی آل نہیں ہیں اور حدیث شریف میں ہے (اھل القرآن اھل اللہ و خاصتہ) اہل قرآن اہل اللہ ہیں اور اللہ کے خواص ہیں کیونکہ وہ اس کے راز کے اٹھانے والے ہیں لہذا جہاں اہل ہونگے وہاں نجات ہوگی کیونکہ اہل اشرف افضل ہیں اور میراث نبیؐ کے زیادہ حق دار ہیں اور علم نبیؐ کے سب سے زیادہ قریب ہیں اُن سے ذکر کا چشمہ پھوٹتا ہے اور اُن ہی کی بات سُنی جاتی ہے پس اصحاب آل کے تابع ہیں کیونکہ وہ اس سلطنت اور حکومت کے شہری ہیں اور اصحاب وہ ہیں جن پر حکم چلایا جاتا ہے پھر بات صاف ہوگئی کہ اتباع تابع محکوم کی کی جائے یا متبوع حاکم کی، یاد رہے کہ آل محمدؐ اُمت کی پناہ گاہ ہیں اُمت کے لئے ہدایت کی راہ ہیں اُمت کی جنت ہیں اُمت کے لئے سدرۃ المنتہیٰ ہیں۔

جبکہ اصحاب وہ لوگ ہیں جو آل محمدؐ کے نور سے راستہ دیکھنے کے قابل ہوئے مگر پھر یہ ہوا کہ دلوں سے اُٹھنے والے حسد کے دھوئیں نے اُنکی آنکھوں کو اندھا کر دیا لہذا آل کا انکار کر بیٹھے اور اس طرف سرکار ختمی مرتبتؐ نے اشارہ فرمایا ہے: جب بروز قیامت میں حوض پر ہونگا میرے بڑے بڑے

اصحاب کو دائیں بائیں سے دھکے دیتے ہوئے لے جایا جائے گا جب کہ اُن کے چہرے خوف و ہراس سے سیاہ پڑ چکے ہوں گے اُس وقت اُن کو آوازیں دونگا، اے میرے صحابیو! اے میرے صحابیو! اُس وقت اُن کے پیچھے سے آواز آئے گی اے محمدؐ! یہ تیرے اصحاب نہیں ہیں تو نہیں جانتا ہے کہ انہوں نے تیرے بعد کیا گل کھلائے پس میں کہوں گا لے جاؤ گھسیٹتے ہوئے ان کو لے جاؤ"۔

اب رہ گئے آلِ محمدؐ، تو وہ سب کچھ ہیں دلیل یہ حدیث رسولؐ ہے (**اهل بیتی کمثل کسفینة نوح من رکبها نجا**) "میرے اہلبیتؑ تو کشتی نوح کی طرح نجات کا سفینہ ہیں جو نجات چاہتا ہے اس میں آ جائے" اور یہ رمز ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن نجات صرف اُسکی ہے جو آلِ محمدؐ کا ہے البتہ یہ غیروں کا قول جو رسولؐ کی طرف منسوب کر کے بولا جاتا ہے (**الصحابی کالنجومه بایهم اهتدیتم**) "میرے اصحاب ستاروں جیسے ہیں جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے"۔ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو یہاں اصحاب سے مُراد اہل بیت ہی ہیں اگر اہل بیتؑ نہ مانیں تو تناقص لازم آئے گا کیونکہ جو لوگ سیاہ رو حوض سے ہٹائے جائیں گے وہ کیسے ہدایت کے سہارے ہو سکتے ہیں؟

اور رسولؐ نے صرف یہ فرمایا ہے کہ (**مثل اهل بیتی فی هذه الامة مثل نجوم السماء کلما غاب نجم طلع نجم الی یوم القیامة**) "میرے اہل بیتؑ کی مثال اس اُمت میں ایسی ہے جیسے آسمان کے ستاروں کی جب کوئی ستارہ غروب ہوتا ہے تو دوسرا اُس کی جگہ طلوع ہو جاتا ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا"۔ اگر اصحاب رسولؐ ستارے ہیں تو اہل بیت ہی سورج و چاند ہیں اور سورج و چاند کی موجودگی میں لوگ ستاروں کے محتاج نہیں ہوتے نتیجہ یہ نکلا کہ ستارہ ہدایت رسولؐ کے اہل بیتؑ ہیں وہ نہیں ہیں جنہیں لوگ اصحاب رسولؐ کہتے ہیں اور اس

طرف آیہ تطہیر میں اشارہ ہے (**انما یرید اللہ لیذھب عن کم الرجس اھل البیت ویطھر کم تطھیرا**) لہذا جہاں اہل بیتؑ ہیں وہاں رجس نہیں ہے طہارت ہے اور جہاں طہارت ہے وہاں عصمت ہے اور جہاں عصمت ہے وہاں خلافت و حکمت ہے وہاں نور و رحمت ہے اور جہاں نور رحمت ہے وہاں ہی ہدایت و نعمت ہے اور جہاں ہدایت و نعمت ہے وہاں۔۔۔۔الخ۔

اس کے برعکس جہاں رجس ہے وہاں ظلمت ہے جہاں ظلمت ہے وہاں گمراہی ہے فتنہ و فساد ہے اس وجہ سے سرکار رسالتؐ نے ارشاد فرمایا تھا: (**انی تاریک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اھل بیتی حبلان متصلان، ان تمسکتم بھمالن تضلوا**) اس حدیث میں سرکارؐ نے جو تعظیم و شرف کتاب خدا کو دیا ہے وہی اہل بیت اطہارؑ کو دیا ہے اور ہمیں صاف صاف لفظوں میں ہدایت فرمائی ہے کہ ہم نجات کے لئے کتاب و عترت سے خود کو وابستہ رکھیں دوسرا نقطہ یہ ہے کہ سرکارؐ نے ایک اور حدیث میں اس طرح ارشاد فرمایا ہے (**ان اللــه خلق الخلق من اشجار شئی، وخلقنی و علیاؑ من شجرۃ واحدۃ، انا اصلھا وعلی ﷺ فرعھا، وفاطمۃ علیھا السلام لقا حھا، والعترۃ المیامین الھداۃ اغصا نھا، والشیعۃ المخلصون اور اقھا**) "اللہ نے اپنی مخلوقات کو مختلف درختوں سے پیدا کیا ہے جبکہ مجھے اور علیؑ کو ایک ہی درخت سے خلق کیا پس میں جڑ ہوں اور علیؑ اس کی شاخ ہیں، فاطمہؑ لقاح ہیں اور عترت میامین ہدایت کرنے والے اس کی شاخیں ہیں اور مخلص شیعہ اُنکے پتے ہیں"۔ حدیث ثقلین پر اجماع ہے۔

اسلامی فرقوں کی تعداد

اس بات کے طے ہو جانے کے بعد کہ اُمت اسلامیہ بہت سے فرقوں میں تقسیم ہے اگر تجزیہ کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ اصل افتراق کے اعتبار سے صرف دو حصوں میں منقسم ہے یا گروہ علوی ہے یا گروہ بکری ہے اور مذاہب کا فرقوں کا زیادہ ہونا شبہات کی کثرت کی علامت ہے بلکہ دلیل ہے جبکہ حق ایک ہوتا ہے نہ اُس میں زیادتی و کثرت ہوتی ہے نہ تغیر و تبدل اُس کا چشمہ صاف و شفاف ہوتا ہے جس میں کوئی تکدر نہیں ہوتا۔

اب اگر ان دونوں فرقہ ہائے اصلی کو تجزیہ کیا جائے تو چار احتمال پید ہونگے یا تو یہ دونوں فرقے حق پر ہیں یا یہ دونوں باطل پر ہیں یا علوی حق پر اور بکری باطل ہے یا بکری حق پر ہے علوی باطل پر ان چاروں احتمالوں میں پہلا احتمال صحیح نہیں ہوسکتا یہ نہیں ہوسکتا کہ دونوں ہی حق پر ہوں کیونکہ اگر دونوں حق پر ہوتے تو ان میں اختلاف ہی کیوں ہوتا اور یہ دونوں الگ الگ فرقوں میں تقسیم کیوں ہوئے دوسری دلیل یہ کہ یہ دونوں اس بات کے دعویدار ہیں کہ وہ رسولؐ کے خلیفہ ہے اگر یہ دونوں سچے ہوں تو رسول کا کاذب ہونا لازم آئے گا اور کذب رسولؐ سے رسولؐ کا جاہل ہونا لازم آئے گا اور یہ ممکن نہیں کہ رسولؐ کاذب و جاہل ہو (**نعوذ باللہ من ذالک**)۔ اب دوسرا احتمال کہ دونوں باطل پر ہوں تو اگر اسلام حق ہے تو یہ دونوں باطل پر نہیں ہو سکتے کیونکہ ایک کے پاس اسلام ہونا ضرور ہے ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلام حق تھا جو بعد میں زائل ہو گیا اور دونوں میں سے کسی کے پاس نہیں رہا تو اللہ نے اسلام کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے اور وہ اپنے وعدے کا پابند ہے لہٰذا ان میں ایک فرقہ حق ہے اور دوسرا باطل پر ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ حق پر کون ہے اور باطل پر کونِ؟

ہم دیکھتے ہیں کہ علیؑ میں جو صفات پائی جاتی ہیں کسی اور میں نہیں علیؑ کو دین میں سبقت حاصل ہے اور غیر بھی آپکے نام کے ساتھ کرم اللہ وجھہ لگا کر آپؑ کے افضل صحابہ ہونے کا اعلان کرتے

ہیں جس کا معنی یہ ہے کہ کبھی آپؑ کی پیشانی بتوں کے آگے نہیں جھکی، پھر آپکو اسلام میں بھی سبقت حاصل ہے حدیث رسولؐ ہے (**انت اول القوم اسلاماً**) "تم اسلام کے اعتبار سے لوگوں میں سب پر اول ہو"۔ آپکو علم و معرفت میں یہ مرتبہ حاصل ہے کہ خود فرماتے ہیں (**لو کشف الغطاء**) "اگر غطاء ہٹ جائے تو پھر بھی میرے یقین میں اضافہ نہیں ہوگا" اور آپ کی شجاعت کا لوہا تو فرشتے بھی مانتے ہیں (**لا فتیٰ علی** ﷺ) آپکے زہد کا یہ عالم ہے کہ فرماتے ہیں (**انا کابی الدنیا لوجھھا**) "میں دُنیا سے منہ پھیر چکا ہوں" اور قرابت رسولؐ یہ ہے کہ (**انت منی وانا منک**) اور نصوص رسالت کہ (من کنت مولاہ فعلی مولاہ) علیؑ فارس المسلمین ہیں اور قرآن کے پیچیدہ مسائل کے عالم ہیں اور سید المرسلینؐ کے چشمہ رسالت کو لوگوں میں تقسیم کرنے والے ہیں لہذا آپ کا خلیفہ ہونا نصِ مبین کے موجب واجب ہیں۔

اب یہ تو تھی علوی فرقہ کے حق پر ہونے کی بات اب بکریوں کے باطل پر ہونے کی سنیئے، ابوبکر کا قول ہے، خلافت پر براجمان ہونے کے بعد کہتا ہے (**اقیلونی فلست بخیر کم، واللہ مایعلم امامکم حین یقول اصاب ام اخطا**) "مجھے چھوڑ دو میں تم لوگوں سے بہتر نہیں ہوں خدا کی قسم تمہارا یہ امام ابوبکر یہ نہیں جانتا کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے"۔ پھر باب شجاعت میں اُس کا یہ حال تھا کہ کبھی تلوار نیام سے باہر نہیں آئی، اور اس کے نسب کا معاملہ یہ ہے کہ وہ تیمی تھا اب خود سوچو کہاں تیمی اور کہاں ہاشمی، کہاں جوہر کہاں ساگر، کہاں ہیرا کہاں، پتھر کہاں۔

اس پر اجماع ہے کہ علیؑ کی پیروی کرنے والا نجات میں ہے، نجات علوی کی ہے کس طرح؟ یہ سنیئے، یا تو یہ مانو کہ حق اُس جاہل کے ساتھ ہے جو زبردستی امام بن بیٹھا اور اگر ایسا نہیں تو اس کا اُلٹ ثابت ہے کہ حق اُس کے ساتھ ہے جو عالم ہے صاحب حکمت ہے اور وہ علیؑ کے دوستوں کا ساتھ دے

گا اور علیؑ کے دشمنوں سے دور رہے گا اور یہ علم فقہ اسلامی کے ماہرین، اور فن حدیث کے اماموں نے بیان کیا ہے مثلاً عبداللہ بخاری نے صحیح بخاری میں، ابوداؤد نے اپنے سنن میں، ابوعلی ترمذی نے اپنی کتاب جامع میں، ابوحامد قذوینی نے اور ابن بطح نے مجالس میں لہٰذا انجات علیؑ کی پیروی میں ہے اس جملے پر سب نے اتفاق کیا تو اس پر اجماع ہو گیا۔

شعبہ بن حجاج نے نقل کیا ہے کہ ہارونؑ امت موسیٰؑ میں سب پر افضل تھے اور علیؑ محمدؐ کے لئے ایسے تھے جیسے موسیٰؑ کے لئے ہارونؑ لہٰذا واجب ہوا کہ علیؑ ساری امت محمدؐ پر افضل ہوں اس صریح نص کے ذریعے (انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ) اور اسی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے (**وقال موسیٰ لاخیہ ھارون اخلفنی فی قومی**) الاعراف آیت ۱۴۲۔ "موسیٰؑ نے اپنے بھائی ہارونؑ سے کہا میری قوم میں میرے بعد خلیفہ ہو۔" لہٰذا واجب ہوا کہ علیؑ اُمت محمدؐ میں محمدؐ کے خلیفہ ہوں لہٰذا اب جو بھی علیؑ سے مخالفت کر کے خود خلاف کا دعویٰ کرے گا وہ کفر اختیار کرنے والا ہوگا۔

اسلامی فرقے

اہل سنت کے دو فرقے ہیں اہل حدیث اور اہل رائے، اہل حدیث داؤدیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنبلیہ اور اشعریہ ہیں جبکہ اہل رائے ایک فرقہ ہے معتزلہ۔ معتزلہ کے سات فرقے ہیں حنیفہ، ھذیلیہ، نظامیہ، عمریہ، جاحظیہ، کعبیہ البشریہ۔ اصحاب مذہب یہ ہے ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی، اور مالک بن انس یہ عراقیوں کا امام تھا اور یمن اور مغرب کے لوگ بھی اسی مذہب کی طرف میل رکھتے تھے اور احمد بن حنبل شافعی کی خدمت گزاری کرتا تھا اور اُس کی سواری کی لگام پکڑتا تھا اور لوگوں میں اعلان کرتا تھا کہ اے لوگو اس جوان شافعی کی پیروی کرو اور اہل رائے ابوحنیفہ کا مذہب رکھتے ہیں

معتزلہ جنت و دوزخ کی خلقت کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ علیؑ صحابہ پر سب سے افضل تھے۔ لیکن جائز ہے اُن کے ہاں کہ مفضول کو افضل پر مقدم کر دیا جائے اگر مصلحت کا تقاضہ ہو۔ ایک فرقہ حسنیہ ہے جو حسن بصری کے ماننے والے ہیں عمریہ، عمر بن ثابت سلمی کے ماننے والے ہیں جاحظیہ، ابو عثمان عمرو بن بحر جاحظ کے ماننے والے ہی کعبیہ ابوالقاسم کعبی کے ماننے والے ہیں اور بشریہ، بشر بن معتمر کے ماننے والے ہیں۔

مجبرہ کے دس گروہ ہیں کلابیہ، کرامیہ، ہشامیہ، موالفیہ، معتریہ، داریہ، مقابلیہ، انعالہیہ، مبیغہ۔

صوفیہ کے دو فرقے ہیں، نوریہ، خلویہ۔

مرجیئہ کے چھ فرقے ہیں، درامیہ، علانیہ، نسبیہ، صالحیہ، مشمریہ، تجدریہ۔

جبریہ کے پانچ فرقے ہیں، جھمیہ جہم بن صفوان کے پروکار ہیں، بطحیہ اسماعیل بطحی کی پیروکار ہیں، بخاریہ حسین بن محمد بن البخاری کے پیروکار ہیں، ضراریہ ضرار بن عمر کے پیروکار ہیں، صیاحیہ صیاح بن عمر کے پیروکار ہیں۔

نواصب وہ ہیں جنہوں نے زیدؒ بن علیؑ سے جنگ کی انکے نزدیک آدمی کے لئے ضروری ہے کہ سنی ہوتا کہ علیؑ سے بغض رکھے۔

خوارج کے پندرہ فرقے ہیں، ازارقہ نافع بن الازرق کا فرقہ ہے، نجدۃ، تندۃ بن عامل الحنفی کا گروہ ہے، عجاردۃ عبدالکریم بن عجردۃ کا گروہ ہے، البدعیہ یحییٰ بن الاخزام کا گروہ ہے، الجازمیہ عبداللہ بن جازمہ کو مانتے ہیں۔ ثعالبیہ ثعلب بن عدی کا گروہ ہے، الجروزیہ عبداللہ بن جروز کو مانتے ہیں، الصفریہ اصفر کا گروہ ہے، اباضیہ عبداللہ بن اباض کا گروہ ہے، حفصیہ حفص بن معدم کا گروہ ہے، بشھیہ بھشن بن ہیصم بن جابر کو مانتے ہیں، یزیدیہ یزید بن انیسہ کو مانتے ہیں، ضاحکیہ ضحاک بن قیس کا گروہ

ہے، یہ لوگ عقیدہ رکھتے ہیں کہ معاویہ عمرو بن العاص، عثمان اور علیؑ پر لعنت کی جائے اور ان سب سے برائت کی جائے اور بنو اُمیہ اللہ ان پر اور ان کے دین جبر پر لعنت کرے اور حجاج بن یوسف، اللہ کی اُس پر لعنت ہو جب اُس ملعون نے اصحاب علیؑ کو قتل کیا اور کعبہ پر منجلیق سے سنگ و نار برسائی تو بولا میرے یہ کام اللہ کی طرف سے ہے کیسا جبر و جاہلیت کا دین تھا، اور اہل جاہلیت کی سنت تھی جب قرآن نے جبر کے عقیدے کو باطل قرار دیا ہے مگر جب بنو اُمیہ کی حکومت قائم ہوئی تو انہوں نے اس قبل از اسلام کے دین کو لوٹایا اور اُس کو ایک نئے انداز سے واپس لاکر اسلامی عقیدے کے طور پر رائج کیا جب یہ عقیدہ بت پرستوں کی سنتوں میں سے تھا۔

جس طرح کے کچھ اصحاب نبیؐ نے اسلام میں یہودیوں کی سنتوں کو داخل کر دیا اور اللہ نے اپنے نبیؐ کو حکم دیا تھا کہ دنیا سے جانے سے پہلے ان لوگوں کو اس قسم کی حرکتوں سے منع کر دیں لہذا سرکارؐ نے اعلاناً اس کو منع کر دیا تا کہ تاکید ہو جائے اور قیامت کے دن اُن پر حجت قائم ہو جائے۔ پھر یہ بھی کہ انہوں نے دین میں اوزاعی، ابو نعیم، مغیرہ بن شعبہ، سفیان ثوری کے اقوال کا اعتبار کیا اور آل محمدؐ کے اقوال کو ترک کر دیا جن کے گھر میں قرآن اُترا اور جن کی محبت واجب تھی اور جو علم و حکمت کے سرچشمے تھے۔

اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا آل محمدؐ کے اقوال کو چھوڑ دیا بلکہ آل محمدؐ کے دین کو دینِ یہود قرار دیا اور کہا کہ شیعہ کے ہاتھوں جو دین ہے وہ یہودیوں کی کتاب سے ماخوذ ہے یہ کتاب امام جعفر صادقؑ کے پاس رکھی ہوئی تھی اور کیسی عجیب بات ہے کہ جو کچھ ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے اُسے تو فرمان خدا اور رسولؐ مانتے ہیں اور جو وحی کے اُمناء سے اور اللہ کے اولیاء سے نقل ہوا ہے۔ اُسے جھوٹ قرار دیتے ہیں اور مغیرہ بن شعبہ جس نے امیر المومنینؑ پر گالیوں کی زبان درازی کی وہ بھی بر سرِ ممبر، اُس کے قول کا اعتبار کرتے ہیں (فان اللہ وانا الیہ راجعون وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب

یـنقلبون)اس کفر پر بھی اکتفا نہ کیا بلکہ علیؑ کے شیعوں کو یہودیوں کے گدھوں کا خطاب دیا جبکہ نبیؐ کا فرمان ہے،(**یا علی اسلام علیه حزبک حزبی و حزبی حزب الله**)"اے علیؑ تیری جماعت میری اور میری جماعت اللہ کی جماعت ہے"۔ لہذا ان بدتمیزوں نے اللہ کی جماعت کو یہودیوں کے گدھے کا نام دیا اب اگر آپ ان سے کہیں کہ تم نے علیؑ کے شیعوں کو یہودی گدھے کا نام کیوں دیا ہے کیا تم نہیں جانتے کہ یہ لوگ اللہ کو رب محمدؐ کو نبیؐ کو قبلہ کو جانتے ہیں نماز، روزہ، حج، زکوۃ، صلہ ارحام اور حب علیؑ پر ان کا عمل و عقیدہ ہے۔

لہذا یہ یہودیوں کے گدھے کس حساب سے ہوئے تو بولیں گے کہ سوائے حب علیؑ کے ان کا کوئی گناہ نہیں ہے منافقوں کے نزدیک اس سے بڑا جرم اور کوئی نہیں جبکہ حُب علیؑ وہ ہے کہ قیامت کے دن اگر صحیفہ اعمال انبیاء و مرسلینؑ کے اعمال درج ہوں اور حُب علیؑ موجود نہ تو تمام اعمال مردود ہیں اور اگر صحیفہ اعمال میں تمام بُرائیاں ہوں اور حُب علیؑ موجود نہ ہو تو ساری بُرائیاں محو ہو جاتی ہیں، بدر نکل آئے تو اندھیرا نہیں رہتا۔ اور اگر ان سے پوچھو کہ کیا کہتے ہوں اُس شخص کے بارے میں جو اللہ اور محمدؐ پر ایمان رکھتا ہو اور نیک راستے پر زندگی بھر چلتا رہا ہو لیکن علیؑ سے بُغض رکھتا اور علیؑ سے محبت کرنے والوں کو اپنا دشمن جانتا ہو وہ قیامت کے دن جنت میں ہوگا یا جہنم میں تو کہیں گے ایسا شخص جہنمی ہے کیونکہ قول رسولؐ ہے(**من عـاداک فـقـد عادانی اللهم وال من والاه عادمن عـاداه**)اور اگر ان سے کہو کہ اُس کے بارے میں کیا کہتے ہو جو اللہ اور رسولؐ پر ایمان رکھتا ہو اور پُر خلوص عبادات گزار بھی ہو لیکن فلاں (ابوبکر)، فلاں (عمر)، کو نہ مانتا ہو یہ شخص کافر ہے۔ یا مسلمان جنتی ہے یا جہنمی تو اس سوال پر انکی عقلیں ساتھ چھوڑ دیتی ہیں۔

کوئی جواب نہیں دے سکتے لہذا ہم خود جواب فرض کرتے ہیں فرض کیا کہ یہ کہیں ہاں وہ

شخص کافر و جہنمی ہے تو اُس قول پر انہیں دلیل دینی پڑتی ہے کہ جو اُن کے پاس موجود نہیں، کیونکہ وہ شخص کیسے کافر و جہنمی ہوسکتا ہے جو اُس چیز کا انکار کرے جو اللہ نے اُسے پیش ہی نہیں کی اور اگر یہ کہیں کہ وہ شخص کافر ہے نہ جہنمی تو ہم پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ تم نے کیسے شیعہ کو یہودی کا گدھا کہا جبکہ شیعہ اُس علیؑ کی پیروی کرتے ہیں جس کی محبت جنت ہے اور جس کا بغض دوزخ کی آگ ہے۔ اس مقام پر ان کا جہل ان پر غالب آجاتا ہے اور کہتے ہیں ہم شیعوں کو اس لئے یہ نام دیتے ہیں کہ وہ اصحاب کو گالیاں دیتے ہیں پھر اپنی بات پر ایک حدیث پیش کرتے ہیں کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا (**من سب اصحابی فقد سبنی**) "جن نے میرے اصحاب کو گالیاں دیں اُس نے گویا مجھے گالیاں دیں"۔

اب آپ ان سے کہیں کہ تمہاری بات تمہارے عقیدے کے خلاف ہے، کیونکہ تمہارا عقیدہ ہے کہ ہر کام اللہ بندے سے جبراً کراتا ہے کام اللہ کا ہوتا ہے بندہ تو صرف آلہ کار ہے۔ جس کا کوئی اختیار نہیں یہاں تک کہ زنا اور کفر بھی اللہ بندے سے کراتا ہے اب اگر زنا اور کفر بھی اللہ بندے سے کراتا ہے تو کیا اللہ شیعوں سے صحابہ کو گالیاں نہیں دلوا سکتا گالیاں شیعوں کا اپنا فعل ہے اللہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں؟ اور دوسرا تمہارا عقیدہ یہ ہے کہ مجتہد کو صحیح حکم لگانے پر دو گناہ اور حکم میں غلطی کرنے پر اکہیر ثواب ملتا ہے لہذا اگر شیعوں نے صحابہ کو گالیاں دینے میں اجتہاد کیا اور انکا اجتہاد درست ہے تو اُن کو دو گنا ثواب ملے گا اور اگر انہوں نے غلطی کی ہے تو اکیرا ثواب ملے گا پھر آپ ان کو یہودی گدھا کیوں کہتے ہیں؟ پھر ہم ان سے کہتے ہیں کہ قرآن نے شیعہ کو اچھا اور کامیاب انسان قرار دیا ہے۔

لہذا جس چیز (سب صحابہ) کو تم ان کے لئے کفر اور گناہ سمجھتے ہو وہ اُس سے پاک ہیں اور اس کی دو وجوہات ہوسکتی ہیں ایک تو قضاء قدر ہے جس کا اوپر ذکر ہوا اور تمہارے عقیدے میں سب کچھ خدا کراتا

ہے انسان سے، لہذا یہ کام بھی خدا ہی ان سے کروا رہا ہے اور دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ جسے وہ گالی دے رہے ہیں اُس کا گالی دینا گناہ ہی نہ ہو۔ جیسے کہ قرآن کی اس آیت پر توجہ کریں **ق۔۶۲** **وَ قَالُوا مَا لَنَا لَا نَرٰی رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ط** **۱۔۶۲** **اَشْرَارُ** **ق۔۶۳** **اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ہ** آیت ۶۳۔ " کیا بات ہے کہ جن لوگوں کو ہم شریر سمجھتے تھے ان کو نہیں دیکھ رہے ہم تو اُن کا مذاق اُڑاتے تھے، یا ہماری آنکھیں انہیں دیکھنے سے قاصر ہوگئی ہیں"۔ کتاب و سنت کے اجماع سے اس عمل میں دوزخ نہیں ہے عقلی دلیل اور آیت سے جو صاف مطلب نکلتا ہے وہ یہ کہ یہ آیت کافر و منافق کا تذکرہ کر رہی ہے اور جنت میں کافر منافق کا کیا کام جنت تو صرف مومن و مسلم کی ہے اور یہ آیت گواہی دے رہی ہے کہ علیؑ کے شیعہ نہ کافر ہیں نہ منافق بلکہ مومن ہیں اگر کافر و منافق ہوتے تو جہنم میں ہوتے اور اس آیت کے مطابق کافر و منافق نہ کہتے کہ ہم جنہیں شریر سمجھتے تھے جنکا مذاق اُڑاتے تھے وہ ہمیں یہاں دوزخ میں نظر نہیں آرہے۔

کیونکہ وہ تو جنت میں ہیں اور جنت میں صرف مومن ہوگا لہذا ثابت ہوا کہ علیؑ کے شیعہ جنت میں ہونے کی وجہ سے مومن ہیں لہذا ان کو ان پر سب و شتم کرنے سے کوئی نقصان نہیں ہے تم خواہ مخواہ غلط لوگوں پر سب و شتم کی وجہ سے ان کو شریر کہتے ہو یہ تو اخیار ہیں یہاں تمہارا وہ جھوٹ پکڑا گیا جو تم نے نبی کی طرف منسوب کر کے بولا تھا کہ (**من سب اصحابی فقد سبنی**) اور اگر حدیث سچی مانی جائے تو اس میں صحابی کا مطلب آلِ نبیؐ ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ آلِ نبی اصحابِ نبیؐ ہیں جبکہ اصحابِ نبی آلِ نبی نہیں ہیں پس پتہ چلا کہ منافقوں کا شیعہ سے نفرت کرنا صرف اس لئے ہے کہ شیعہ علیؑ سے محبت کرتے ہیں اور یاد رکھ کہ جو علیؑ سے محبت کرنے والوں سے بغض و عناد رکھے خدا اُس سے بغض رکھتا ہے۔

اس لئے صادق آل محمد علیہ السلام نے فرمایا تھا (**رحم اللہ شیعتنا انہم اوذوا فینا واننا نوذی فیہم**) یعنی "اللہ کی رحمت ہمارے شیعوں کے شامل حال رہے انہوں نے ہماری وجہ سے اذیتیں اُٹھائی ہیں اور ہم نے انکی وجہ سے"۔ پھر ان غیر شیعہ حضرات نے یہ روایت مشہور کر رکھی ہے کہ رسولؐ نے مرتے وقت کسی کو اپنا وصی بنا کر وصیت نہیں کی بلکہ اُمت کو اختیار دے دیا کہ جو چاہے وہ کرتے پھریں لہذا اُمت نے جسے چاہا اپنی مرضی سے اختیار کر لیا اس مقام پر قرآن نے انکی تکذیب کی اور اپنے نبیؐ کو اس منزہ قرار دیا جو اُن کے بارے میں اُن لوگوں نے گھڑا تھا (ووصی بھا ابراہیم ویعقوب) بقرہ ۱۳۲۔ "اور ابراہیمؑ نے اس کی وصیت کی اور یعقوبؑ نے وصیت کی"۔

پھر قرآن نے اس جھوٹ کی تکذیب کی جو یہ نبیؐ اور وصیؑ کی طرح منسوب کرتے ہیں کہ سرکارؐ نے مرتے وقت یہ وصیت کی نہ کسی کو وصیؑ بنایا ۳۶۔ق **وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ** الاحزاب ۳۶۔ " کسی مومن و مومنہ کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ جو اللہ اور رسولؐ نے فیصلہ کر دیا ہے اُس بات کو چھوڑ کر خود کوئی اور چیز اختیار کریں"۔ اس آیت کے ذریعے اطلاع دے دی گئی ہے کہ جو شخص بھی اللہ اور رسولؐ کے اختیار کردہ کے علاوہ کچھ اور اختیار کرے گا وہ مومن نہیں ہے اب کیوں انہوں نے اللہ اور رسولؐ کے اختیار کردہ کو چھوڑ کر خود اپنی پسند سے کسی کو اختیار کیا ہے اس لئے قرآن کی نص کے مطابق یہ لوگ مومن نہیں ہیں۔

سُنیوں کی لغزشیں
انبیاء کے بارے میں

اگر لوگوں کے لئے یہ جائز اور درست ہے کہ وہ امام بنالیں تو آپ نبیؐ بنا لیتے کیوں جائز نہیں

ہے؟ اشعری فرقہ اللہ کے عدل کا منکر ہے اور اللہ کے لئے ظلم کرنے کو جائز سمجھتا ہے جبکہ قرآن ان کی تکذیب کرتا ہے ق۔۴۹ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ٥ الکھف آیت ۴۹۔ "اور تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا" اور یہ فرقہ اللہ کے لئے بُرے افعال کو بھی جائز جانتا ہے اور یہ فرقہ کہتا ہے کہ اللہ خیر بھی کرتا ہے اور شر بھی کرتا ہے۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ اللہ خیر بھی انجام دیتا ہے اور شر بھی انجام دیتا ہے کہ بہت سارے خداؤں کی عبادت کی جائے اور کہتے ہیں کہ اللہ پر کچھ واجب نہیں ہے جسے چاہے بلا وجہ جہنم کے حوالے کر دے اور جسے چاہے جنت میں بھیج دے اُس سے کوئی سوال نہیں کیا جا سکتا ہے جبکہ عدل الٰہی کا صدا کاران کی تکذیب میں آواز بلند کرتا ہے۔

ق۔۵۴ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ٥ یسین ۵۴۔ "تم کو صرف وہی جزا ملے گی جو تم نے عمل کیا ہے" اور کہتا ہے ق۔۴۰ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ النساء ۴۰۔ "اللہ کسی حال میں کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا" سوال ہمارا یہ ہے ان پر کہ اگر اللہ عادل اور حکیم ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی جاہل کو نبی بنا کر انسانوں کی طرف بھیج دے۔ اگر اللہ جاہل کو ولی بنائے تو پھر عدل کہاں رہتا ہے؟ اور کہتے ہیں کہ اچھائی اور برائی کا تصور عقل نہیں کر سکتی بلکہ یہ اللہ کا کام ہے کہ جسے چاہے بُرا قرار دے دے۔ ایک فرقہ ہے جسے مشبہ اور مجسمہ کہا جاتا ہے یعنی وہ لوگ جو اللہ کو جسم والا مانتے ہیں اور اللہ کی شبیہ کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ عرش پر بیٹھا ہوا ہے اور کہتے ہیں کہ اللہ دوسرے اجسام کی طرح ایک جسم ہے اور کہتے ہیں کہ عرش اللہ سے بھرا ہوا ہے، اور اللہ کی لاتعداد انگلیاں ہیں اور یہ کہ مومن کا دل اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان میں ہے۔

اور کہتے ہیں کہ جب اللہ نے قوم نوح کو ہلاک کیا تو اتنا رویا کہ اُس کی آنکھیں دکھنے لگیں اور کہتے ہیں کہ اللہ قیامت کے دن اپنا پیر جہنم میں رکھ دے گا، اُس وقت جہنم سے آواز آئے گی بس بس

میرے لئے یہی کافی ہے اور کہتے ہیں کہ اللہ ہر شب جمعہ ہماری دُنیا کے اوپر بادل وغیرہ کی طرح چھا جاتا ہے اور اپنے عرش سے نیچے اُترتا ہے اور اللہ نے ایک گدھا رکھا ہوا ہے جو وہ عرش سے نیچے اُترتا ہے تو اُس پر بیٹھ کر اوپر سے نیچے آتا ہے اور اللہ قیامت کے دن اس طرح دیکھا جائے گا جس طرح رات میں پورا چاند نظر آتا ہے پھر اس خود ساختہ توحید کے بعد نبوت کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انبیاء سے خطا بھی سرزد ہوتی ہے گناہ بھی اور وہ غفلت کی لپیٹ میں آجاتے ہیں اپنے اس عقیدے پر قرآن کی آیات کے ظاہری الفاظ سے ٹامک ٹوئیاں مارتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ دلیل قائم کر رہے ہیں اور قرآن کو صحیح سمجھ گئے ہیں ق۔١٢١ وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ہ طٰہٰ آیت ۱۲۱، آیت کہہ رہی ہے کہ آدمؑ نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور یہ لوگ انبیاء کے لئے بعثت سے پہلے گناہان کبیرہ تک کے لئے قائم ہیں اور صغیرہ تو کوئی بات ہی نہیں ہے۔

یہ تو بعثت کے بعد بھی انبیاء سے صادر ہو سکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ محمد مصطفیٰؐ سید المرسلین ضرور تھے مگر خطاء سے پاک نہیں تھے اور قرآن کی اس آیت کو پیش کرتے ہیں ق۔٨ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ط ہ الم نشرح، ہم نے تجھ سے تیرا گناہ دور کر دیا اور یہ بھی جان پائے کہ یہ جنگ و قتال تھا نہ کو وزرِ زنب و گناہِ قبیح اور کہتے ہیں کہ جبرائیل نے سرکار رسالت مآبؐ کا سینہ چیر کر ایک لوتھڑا نکال کر باہر پھینک دیا اور کہا یہ شیطان کا مسکن تھا، پھر سینے کو دھاگے سے سی دیا اور سلائی کا نشان زندگی بھر سرکارؐ کے سینے پر باقی رہا اور کہتے ہیں کہ سرکارؐ کے والد عبداللہ بن عبدالمطلب معاذ اللہ حالت کفر پر فوت ہوئے۔ جبکہ عبداللہ مرسلین کے سردار ابراہیمؑ کے فرزند ہیں اور یہ ساری باتیں وہ اس لئے کرتے ہیں کہ ایک آدمی ابوبکر کی امامت کو ثابت کر سکیں اور نبی کے بارے میں یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں معاذ اللہ راگ رنگ کی محفل میں رسولؐ اس قدر محو ہو جاتے تھے کہ آپؐ کے کندھوں سے آپکی کالی کملی گر جایا کرتی تھی اور یہ لوگ ایک روایت بیان کرتے ہیں، کہ ایک آدمی رسولؐ کے گھر میں اُس وقت آیا جبکہ رسولؐ

کے پاس ایک عورت گانا گارہی تھی اور ساتھ ساتھ دف بجارہی تھی ایک آدمی سے بات کرنے کے لئے رسولؐ نے اس گلوکارہ کو حکم دیا کہ تھوڑی دیر کے لئے گانا بند کردے پھر بات چیت کے بعد جب وہ آدمی چلا گیا تو پھر اُس عورت کو گانے کا حکم دیا اُس نے پھر گانا شروع کیا اتنے میں وہ آدمی پھر واپس آ گیا تو رسولؐ نے پھر اس عورت کو گانا روکنے کا حکم دیا اور جو آدمی پھر واپس گیا تو رسولؐ نے پھر اس عورت کو گانے بجانے کا حکم دیا اس عورت نے کہا اے اللہ کے رسولؐ یہ کون آدمی ہے کہ جب آتا ہے تو آپ گانا بند کرنے کا حکم دیتے ہیں اور جب چلا جاتا ہے تو پھر گانا شروع کروا دیتے ہیں؟

رسولؐ نے جواب دیا۔"باطل سے کراہت کرتا ہے اس لئے جب آتا ہے تو میں تجھے گانے سے روک دیتا ہوں"۔ دیکھا آپ نے یہ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ رسولؐ باطل سے محبت کرتا ہے(**نعوز باللہ، لعنۃ اللہ علی من یکذب اعلیٰ رسولہ**)۔اور یہ لوگ روایت بھی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ کسی چیز نے مجھے ایسا فائدہ نہیں پہنچایا جیسا فائدہ مجھے فلاں کے مال نے پہنچایا اس طرح یہ لوگ اُس قول کی تکذیب کرتے ق۔۸ **وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی ط ہ** الضحیٰ آیت ۸۔"ہم نے تجھے تنگ دست پایا تو تجھے مالدار کردیا "اور یہ لوگ روایت کرتے ہیں کہ سرکار رسالت مآب نماز پڑھ رہے تھے اور آپکی عورت آپکے کپڑے پر لگے ہوئے جنابت مادے کھرچ رہی تھی کیونکہ اللہ نے آپ کو حکم دیا تھا کہ اپنے کپڑے پاک رکھیں ق۔۴ **وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ ہ** المدثر آیت ۴۔"اور تو اپنے کپڑے پاک رکھ"۔ پھر کہتے ہیں کہ کپڑے پاک رکھ سے مُراد ہے دل پاک رکھ۔

اور یہ لوگ بھی روایت کرتے ہیں کہ سرکارؐ نے فرمایا۔"اے لوگو تم دین کا تیسرا حصہ بلکہ آدھا دین فلاں سے لو"اور رسولؐ سے یہ روایت کرتے ہیں کہ سرکارؐ نے عصر کی دو رکعت نماز پڑھی

چار کے بجائے تو لوگوں نے کہا حضور آپ نے نماز قصر کی ہے یا بھول گئے تھے؟ تو رسولؐ نے جواب دیا۔ "ایسا نہیں ہے بلکہ کبھی کبھی ضرورت کا تقاضہ ہوتا ہے۔" پھر سرکار کھڑے ہوئے اور نماز دوبارہ مکمل کی چار رکعت پڑھنے کے بعد بولے (**وانا بشر مثلکم**) "میں بھی تمہاری طرح صرف ایک بشر ہوں"۔

یہ کیسے جائز سمجھ لیا ان لوگوں نے اللہ کیلئے کہ وہ جاہل اور کائن شخص کو نبیؐ بنا کر بھیجے جبکہ وہ حکیم بھی ہے اور عادل بھی کیونکہ جاہل اور کائن بُرے کام سے اجتناب نہیں کرتے اور یہ لوگ روایت کرتے ہیں کہ رسولؐ ایک بنی نجار کی زمینوں کے احاطے کے پاس آئے پھر ایک جگہ منتخب کر کے وہاں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے لگے اور یہ لوگ روایت کرتے ہیں کہ رسولؐ نے ایک آدمی ابوبکر اور ایک نابینا عبداللہ کی اقتداء میں نماز پڑھی اور فرمایا۔ "کوئی نبی اُس وقت تک دُنیا سے نہیں جاتا جب کہ اپنی اُمت کے کسی آدمی کے پیچھے نماز نہ پڑھ لے"۔ میں کہتا ہوں کہ راعی کے لئے کیسے جائز ہے کہ اپنی رعیت کے پیچھے نماز پڑھے جبکہ لوگوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ رسولؐ کے بارے میں یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ آپ شنٹ (لغو) کلام کیا کرتے تھے اور آپؐ کے کلام کو جوان کی مرضی کے مطابق نہ ہو تو اس کو ہجر کا نام دیتے ہیں جبکہ اللہ نے اپنی نبی کو لغو کلام سے پاک بنایا اللہ فرماتا ہے **ق۔۳** **وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ط ہ** النجم آیت ۳۔ رسولؐ اپنی ہوائے بشریت کے زیر اثر کوئی کلام نہیں کرتا"۔

اور پھر یہی نہیں کہ یہیں ٹھہر جائیں بلکہ اہل جنت اہل دوزخ کی مخالفت کرتے ہیں اور اپنے رب اپنے نبیؐ اور اپنی کتاب قرآن پر جھوٹ باندھتے ہیں اللہ کہتا ہے **ق۔۴۹** **وَ لَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ہ** الکھف ۴۹۔ اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا اور یہ کہتے ہیں کہ کائنات میں جتنا بھی خیر اور شر واقع ہوتا ہے وہ اللہ کے ارادے سے ہوتا ہے اور اللہ کا فعل ہوتا ہے اور قرآن انکے اس قول کی تکذیب کرتا ہے

۲۹۔۶ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ الکھف ۲۹۔ "جو چاہے ایمان لائے اور چاہے کفر کرے"۔ یعنی اللہ تم سے نہ ایمان کرا رہا ہے نہ کفر بلکہ یہ دونوں کام تم خود کرتے ہو اور رسولؐ فرماتے ہیں (ان ھی الا اعمالکم وانتم تجزون فیھا ان خیراً فخیر وان شرآ فشر) "یہ صرف تمہارے اعمال ہیں اور تم کو ان کے مطابق جزاء دی جائے گی اور اگر عمل خیر ہے تو جزاء بھی خیر ہے اور اگر عمل شر ہے تو جزاء بھی شر ہوگی"۔

اللہ کہتا ہے ۲۸۔۶ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَ اللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ط قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ط اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ہ الاعراف آیت ۲۸۔ "جب یہ لوگ کوئی عمل فحش انجام دیتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے ہوئے پایا ہے اور اللہ نے ہمیں اس فحش کام کا حکم دیا ہے اے رسولؐ کہہ دو کہ اللہ فحش کاموں کا حکم نہیں دیتا۔ کیا تم لوگ اللہ کے بارے میں کچھ کہتے ہو جو جانتے نہیں" اور آخرت میں ان کے کذب پر یہ آیت دلیل ہے ۲۲۔۶ اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ہ الانعام آیت ۲۲۔ "بتاؤ تمہارے شرکا کہاں ہیں جن پر تمہیں بھروسا تھا"۔ اس وقت یہ لوگ جھوٹی قسم کھا کر شرک کا انکار کر دیں گا (واللہ ربنا ما کنا مشرکین) "اللہ کی قسم ہمارے رب ہم مشرک نہیں تھے"۔ اس طرح یہ لوگ اپنے اوپر جھوٹ باندھتے ہیں اور اپنے نبیؐ پر کذب باندھتے ہیں کیونکہ رسولؐ نے فرمایا ہے

(نقلت من الاصلاب الطاھرۃ الی السلام علیه الارحام الزکیه) "میں محمدؐ پاک اصلاب سے پاک ارحام میں منتقل ہوتا رہا" اور قرآن نے نبیؐ کے اس قول کی تصدیق کی ہے ۲۱۹۔۶ وَتَقَلُّبَكَ فِى السّٰجِدِيْنَ ہ الشعراء ۲۱۹ "ساجدین میں تیرا تقلب تھا"۔ یعنی اصلاب موحدین میں لہٰذا یہ لوگ عقل اور نقل دونوں کو جھٹلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ محمدؐ کا فر

کے بیٹے تھے اور کہتے ہیں کہ رسول بھول جایا کرتے تھے۔جبکہ اللہ کہتا ہے(**سنقرئک فلا تنسی**)"ہم تجھے اس طرح پڑھائیں گے کہ تجھے بھول پیدا ہی نہیں ہوگی"۔اگر آیت میں نہ بھولنے کا حکم ہوتا تو صیغہ ہوتا لاتنس جبکہ صیغہ ہے لاتنسیٰ لہذا یہ بھی نہیں بلکہ نفی ہے نسیان کی اور یہ لوگ اہل جنت کی بات کی تکذیب کرتے ہیں اہل جنت جب جنت میں جائیں گے تو کہیں ق۔۴۳ **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا** الاعراف۳۲۔ "حمد ہے اُس اللہ کی جس نے ہمیں اس کی طرف ہدایت کی" اور جہنمی جب جہنم دیکھیں گے تو کہیں گے ق۔۱۰۶ **قَالُوْ رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَیْنَا شِقْوَتُنَا وَ کُنَّا قَوْمًا ضَآلِّیْنَ ہ** المومنون۱۰۶۔ "ہمارے رب ہم پر ہماری شقاوت غالب آ گئی تھی"۔یعنی لوگ اپنے اوپر شقاوت کا غلبہ تسلیم کریں گے جبکہ قدریہ فرقہ والوں کا اعتقاد و نقل وقرآن کے خلاف ہے کہ اچھائی و بُرائی کا فاعل بندہ نہیں اللہ ہوتا ہے۔(العیاذ باللہ)

﴿اھلسنت و الجماعت مذھب کی معتبر و مستند ترین کتب کے عکس ناقابل رد ملاحظہ فرمائیں۔(Get Enlarge Photo Copy)﴾

جامع ترمذی

مع

شمائل ترمذی

(مترجم)

محدث جلیل امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی

مترجمہ

مولانا علامہ محمد صدیق ... ہزاروی

تصحیح ... چشتی

ناشر

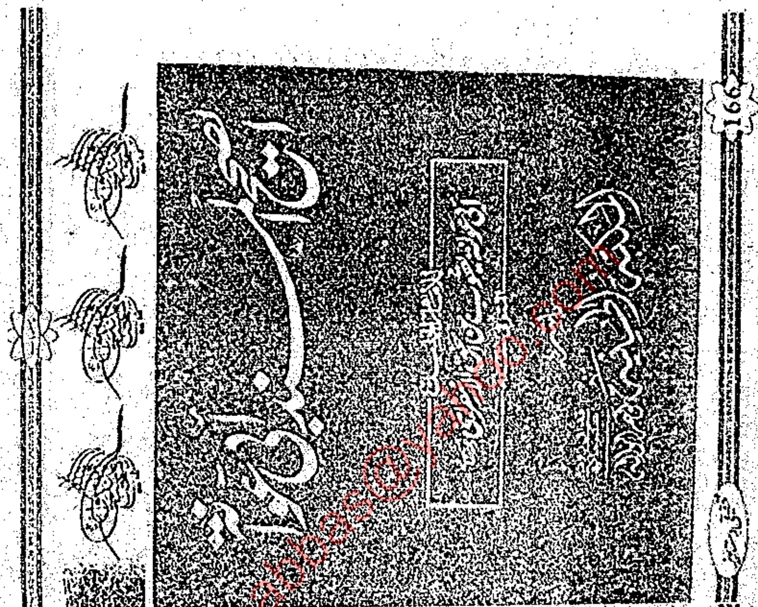
فرید بک سٹال

اردو بازار لاہور

اللہ تعالیٰ اپنا قدم دوزخ میں ڈالے گا

تفسیر سورۃ ق

تفسیر سورۃ الذاریات



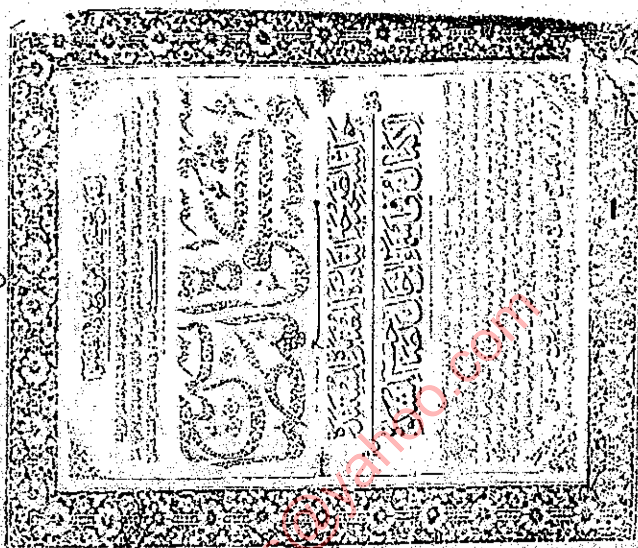
مُنتخب كنز العمّال
في
سُنن الأقوال والأفعال

تأليف
علي بن حسام الدين بن عبد الملك
الشهير بالمتقي الهندي
٨٨٥ – ٩٧٥هـ

الجزء الأول

دار إحياء التراث العربي
للطباعة والنشر والتوزيع

آدمی زنا اللہ کی طرف کرتا ہے



غنیۃ الطالبین مکمل

عربی — اردو

تصنیف قطب ربانی محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم: مولانا محبوب احمد

ناشر

مکتبہ تعمیر انسانیت اردو بازار ○ لاہور

قیمت [illegible] روپے

174

اللہ تعالیٰ کو روبرو بالمشافہ [illegible] گیا

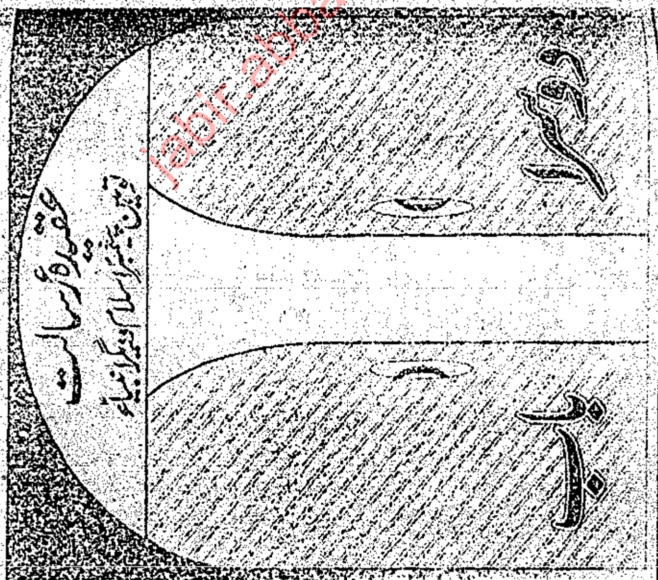
175

اللہ تعالیٰ کرسی پر رسول اللہ کے روبرو بیٹھے گا

باب دوسرا

عقیدۂ رسالت

توہین پیغمبر اسلام و دیگر انبیاء


عقیدۂ رسالت
توہین پیغمبر اسلام و دیگر انبیاء
دوسرا
باب

الجزء الثامن من مفاتيح الغيب المشتهر بالتفسير الكبير للإمام محمد فخر الدين الرازي

ابن العلامة ضياء الدين عمر

المشتهر بخطيب الري

نفع الله به المسلمين

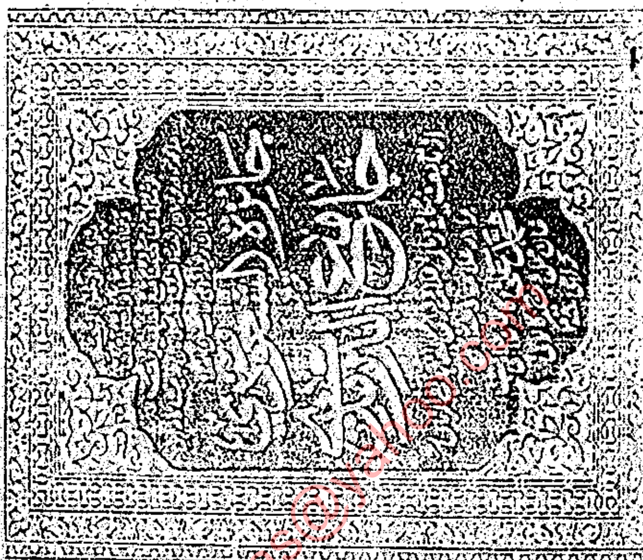
آمين

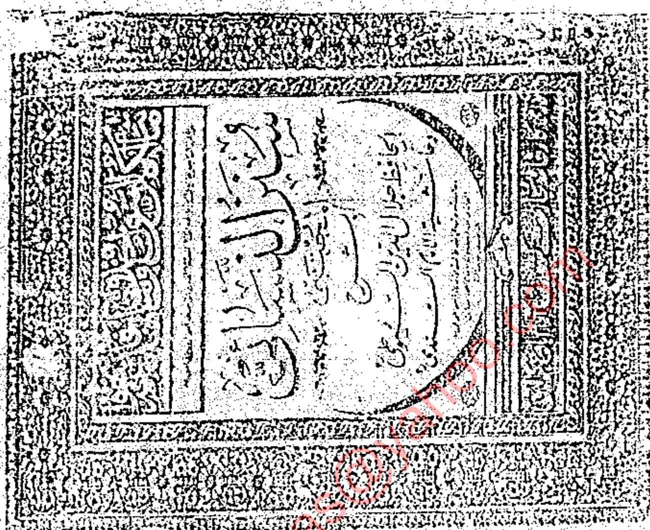
(وبهامشه تفسير العلامة أبي السعود)



[illegible]







اردو ترجمہ کتاب

الوسیلہ

تالیف

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ

اعداد و تقدیم

احسان الٰہی ظہیر

ادارہ ترجمان السنۃ شیش محل روڈ لاہور

186

انبیاء کرام کی قبور سے جو آوازیں آئیں وہ شیطان کی چالیں تھیں

مشرکوں پر جنات و شیاطین کا ظہور

جنات کو دور کرنے کا طریقہ

نبی کریم کا جنات سے مقابلہ

187

الكشّاف

عن حقائق غوامض التنزيل
وعيون الأقاويل في وجوه التأويل

ومع تفسير القرآن الكريم للإمام جار الله محمود بن عمر الزمخشري
المتوفى سنة ٥٣٨ هـ

الجزء الثالث

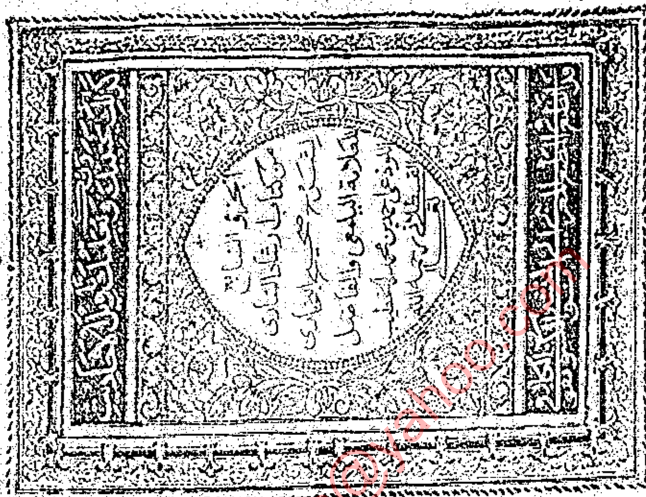
دار الكتاب العربي
بيروت

[illegible]

وما أرسلنا من قبلك من رسول ولا نبي إلا إذا تمنى ألقى الشيطان في أمنيته فينسخ الله ما يلقي الشيطان ثم يحكم الله آياته والله عليم حكيم (٥٢)

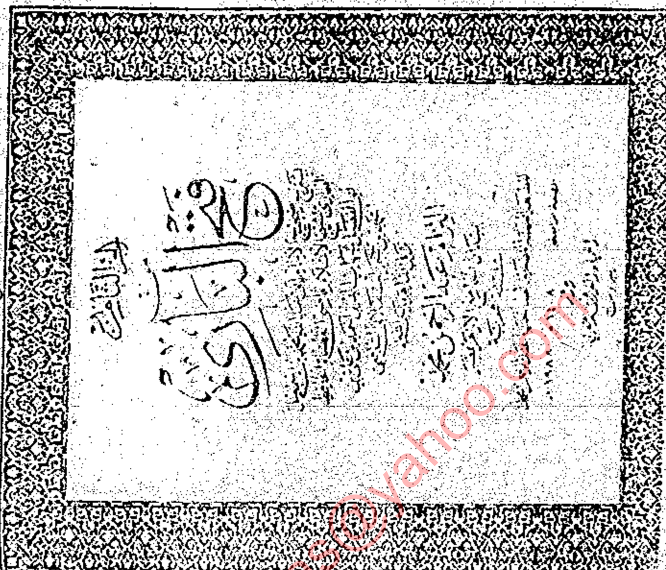
(من رسول ولا نبي) [illegible] (ألقى الشيطان في أمنيته) [illegible]

[illegible]

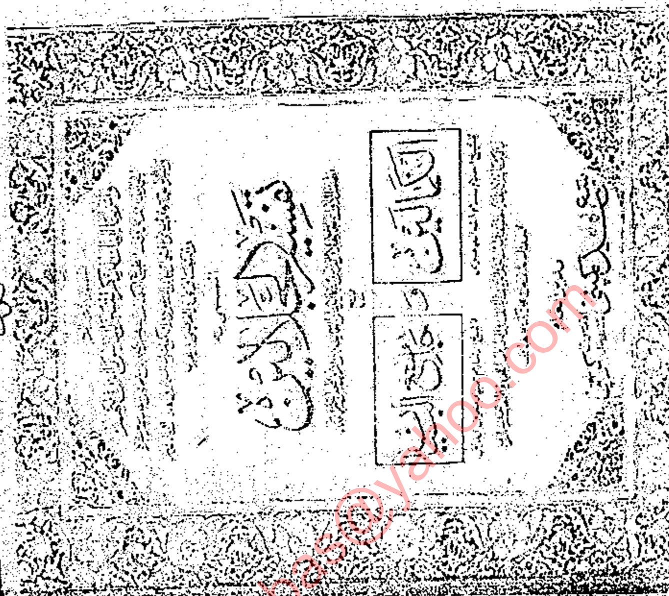


198

199

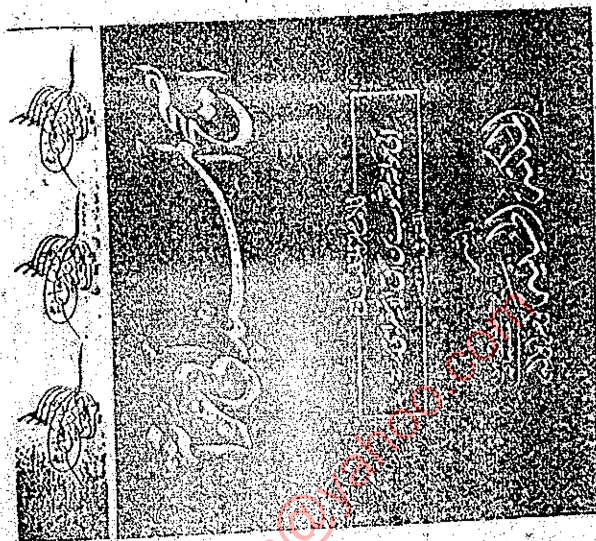






204

205



أبو علي الزعفراني قال ثنا أبو معاوية (ح وحدثنا) الحسن بن علي بن
عفان قال أنا يحيى بن عيسى الرملي قالا ثنا الأعمش عن أبي وائل
عن حذيفة قال رأيت النبي صلى الله عليه وسلم أتى سباطة قوم فبال
عليها قائما فأتيته بوضوء فذهبت لأتأخر عنه فدعاني حتى كنت
عند عقبه فتوضأ ومسح على خفيه . حدثنا يونس بن عبد الأعلى قال	البول على سباطة
ثنا سفيان بن عيينة عن الأعمش بإسناده مثله . حدثنا أبو يحيى بن
ميمون قال ثنا أبو بشر قال ثنا الأعمش بمثله فقال أتى بعض السباطة
بكناسة .

حدثنا إسحاق بن سيار النصيبي قال ثنا عبيد الله قال أنا سفيان عن
الأعمش عن أبي وائل عن حذيفة قال كنت مع رسول الله صلى الله
عليه وسلم فبال قائما على سباطة ودعا بماء فتوضأ ومسح على
خفيه .

حدثنا إبراهيم الحربي قال ثنا مسدد قال ثنا أبو معاوية عن
الأعمش بإسناده مثله .

بيان إيثار ترك البول قائما

والدليل على أنه منسوخ من فعل النبي صلى الله عليه وسلم .

حدثنا الصاغاني قال ثنا قبيصة عن سفيان عن المقدام بن شريح
عن أبيه عن عائشة قالت ما بال رسول الله صلى الله عليه وسلم قائما منذ
أنزل عليه القرآن رواه وكيع عن الثوري أحسن منه .